شبابِ کشمیر

محمد دین فوق

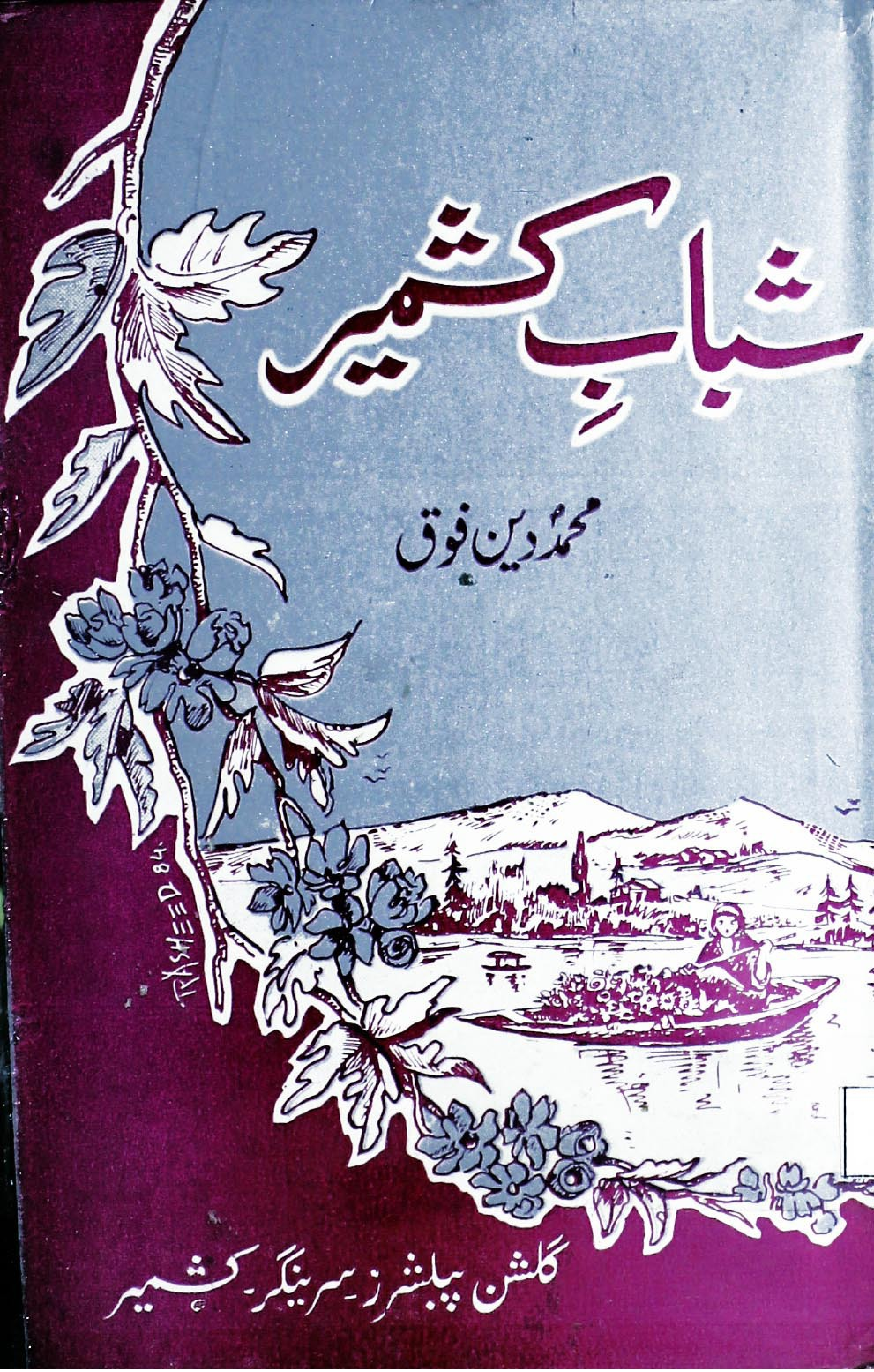

گلشن پبلشرز۔ سرینگر۔ کشمیر

Marfat.com

Collection of Prof. Muhammad Iqbal Mujaddidi
Preserved in Punjab University Library.

پروفیسر محمد اقبال مجددی کا مجموعہ
پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ شدہ

Marfat.com

Marfat.com

شبابِ کشمیر

محمد الدین فوق

Marfat.com

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ

134082

نام کتاب ———— شباب کشمیر
مصنف ———— محمد الدین فوق
زیر اہتمام ———— شیخ اعجاز
کتابت ———— منظور قادری
سن طباعت بار اول ———— 1984ء
دوسرا ایڈیشن ———— جنوری 1993ء
تعداد ———— 500
قیمت ———— 50 روپے

پبلشرز

گلشن پبلشرز، مدینہ چوک گاؤکدل سرینگر

تقسیم کار:

شیخ محمد عثمان اینڈ سنز تاجران کتب

ایکسچینج روڈ، گاؤکدل چوک سرینگر کشمیر

Marfat.com

شباب کشمیر

SHABAB-E-KASHMIR

مصنف

محمد الدین فوق

MOHAMMAD-UD-DIN FAUQ

پبلیشر

گلشن پبلیشرز سرینگر

Gulshan Publishers, Srinagar.
(Kashmir)

Marfat.com

فہرست مضامین

عنوان مضمون	صفحہ
دیباچہ	۲
باب پہلا	
مؤرخین کشمیر کی فروگذاشتیں	۱۰
بادشاہ کا سال پیدائش	۱۱
بادشاہ کا اصل نام	۱۳
بچپن اور تعلیم	۱۴
امیر تیمور کا حملہ ہند	۱۵
امیر تیمور اور کشمیر	۱۶
شاہی خان اور امیر تیمور	۱۹
شاہی خان سمرقند میں	۱۹
شاہی خان کی مراجعت کشمیر	۲۰
سلطان سکندر کی وفات اور علیشاہ کی تخت نشینی	۲۱
شاہی خان منصب وزارت پر	۲۲
علیشاہ کی حج کو روانگی اور ارادہ کی تنسیخ	۲۳
دونوں بھائیوں کی باہمی خونریز جنگ	۲۵
دوسرا باب	
حصول سلطنت پر بھائی بھائی اور باپ بیٹے میں جنگ	۲۸
شاہی خان سے زین العابدین	۳۰
تخت نشینی کا ایک مصرع	۳۱
عہدوں کی تقسیم	۳۱
تخت نشینی پر قیدیوں کی رہائی	۳۲
بادشاہ کے رضاعی بھائی	۳۲
بلندوں کی دلجوئی	۳۴

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ
سوکن کے جلاپے کا دلچسپ مقدمہ	۳۵
چوری کا انسداد	۳۶
مجرموں کو سزائیں	۳۷
بادشاہؒ کے جشن ہائے سالگرہ	۳۸
شفاخانے اور دوائیاں	۳۸
حرمت ماہ رمضان	۳۹
زینہ جامہ	۳۹
پولیس چوکیاں	۴۰
تجارتی احکام	۴۱
محصول تجارت معاف تھا	۴۲
حمالوں اور قلیوں کی بستی	۴۳
بڈشاؒ کی دریائی سیاحتیں	۴۴
چشمہ کوثر ناگ میں بڈشاہی کشتی	۴۵
کوثر ناگ پر ایک ہولناک واقعہ	۴۶
ہرمکھ گنگا کے چشمہ میں کشتی	۴۷
ڈل اور وُلر کی سیر	۴۸
تیسرا باب	
بادشاہ کے فوجی کارنامے	۴۹
اہل کشمیر کی فوجی سپرٹ	۴۹
فرقہ چک کی تباہی	۵۴
جنگ کاشغر و تبت	۵۴
کشمیری افواج کا حملہ پنجاب پر	۵۷
فیروزشاہی عہدنامہ کی تکمیل	۶۲
بادشاہ کی وسعت سلطنت	۶۳
مفتوحہ ممالک کے ساتھ بادشاہؒ کا سلوک	۶۵
بڈشاہی افواج اور ممالک مفتوحہ کے خزانے	۶۶
چوتھا باب	
بڈشاہ کی پریشانیاں اور موت	۶۷
بادشاہ کی بیگمات	۶۷
بادشاہ کی اولاد	۷۰
بادشاہ کے بھائی کی وفات	۷۱
بادشاہ کی خیرات اپنے دھنامی بھائیوں کی موت پر	۷۱
شاہزادوں کی باہمہ خانہ جنگیاں	۷۲
باپ بیٹے میں خونریز جنگ	۷۳
باغیوں کے سروں کا بلند مینار	۷۵
بادشاہ کے بڑے بیٹے کی بغاوت	۷۵

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ
...پور میں جنگ عظیم	۷۷
حاجی خان کو خلعت ولیعہدی	۷۸
ولیعہد کی شراب نوشی	۷۹
بادشاہ پران خانہ جنگیوں کا اثر	۷۹
بادشاہ کو ہلاک کرنے کی کوشش	۸۰
بادشاہ کا جانشین مقرر کرنے	۰
سے انکار	۸۲
شاہزادوں کا منافقانہ صلح کا خاتمہ	۸۳
قریب المرگ بادشاہ مسندِ شاہی پر	۸۴
امرائے دربار کے حاجی خان سے عہد و پیمان	۸۵
ادہم خان کی ہجرت کشمیر سے	۸۵
بادشاہ کی وفات	۸۷
بڈشاہ اور اکبر اعظم	۹۰
پانچواں باب	
بڈشاہ کے ہمعصر سلاطین	۹۵
شاہان دہلی	۹۵
شاہان دکن	۹۶
شاہان گجرات	۹۶

عنوان مضمون	صفحہ
شاہان مالوہ	۹۶
شاہان بنگال و بہار	۹۶
شاہان جونپور	۹۷
شاہان سندھ	۹۷
مملکت پنجاب	۹۷
بادشاہ کشمیر کے تعلقات دیگر بادشاہوں کے ساتھ	۹۸
گوالیار	۹۸
خراسان	۹۹
لاسہ	۹۹
احمد آباد گجرات	۱۰۰
سندھ	۱۰۰
تخت دہلی	۱۰۱
مکہ مصر اور روم	۱۰۱
چھٹا باب	
بڈشاہ کا شوق تعمیرات	۱۰۲
بڈشاہ کے تعمیری شوق کا ذکر تاریخوں میں	۱۰۲
قدیم طرز عمارت	۱۰۴
تعمیرات بڈشاہی	۱۰۵

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ	عنوان مضمون	صفحہ
ڈل میں بڈشاہی عمارت	۱۰۶	نہر زینہ گیر کا اجرا زینہ گیر میں	۱۳۰
ڈل میں مصنوعی جزیرہ سونہ لنک	۱۰۷	زینہ گیر کی آمدنی وقف تھی	۱۳۰
یہ جزیرہ عہد مغلیہ اور افاغنہ میں	۱۰۸	باغ زینہ گیر و عمارات	۱۳۰
زین العابدین کے ہفت زینہ	۱۰۹	بڈشاہی کی تباہی	
زینہ کوٹ	۱۱۰	کشمیر میں پلوں کی تاریخ	۱۳۵
زینہ کدل	۱۱۱	ہنود و عہد قدیم کے پل	۱۳۶
زینہ بازار	۱۱۱	اسلامی عہد کا سب سے پہلا پل	۱۳۷
زینہ پور	۱۱۱	بڈشاہ کا زینہ کدل	۱۳۸
زینہ ڈب، یا احد صاحب نوشہرو	۱۱۳	بڈشاہی ہفت پل	۱۳۹
ولر میں زینہ لنک کی تعمیر	۱۱۶	اندرکوٹ کی دوبارہ آبادی	۱۴۰
ایک بتخانہ کے آثار	۱۱۸	اور بڈشاہ کا شاندار محل	
زینہ لنک کی بنیاد و تعمیر	۱۱۹	بڈشاہی خاندان عہد کی	
زینہ لنک کا قطعہ تاریخ	۱۲۰	خانقاہیں اور مسجدیں۔	۱۴۲
زینہ لنک کا طول و عرض	۱۲۰	جامع مسجد بارہ مولا	۱۴۲
زینہ لنک کی موجودہ حالت	۱۲۲	جامع مسجد سرینگر	۱۴۳
زینہ لنک یا خرم آباد	۱۲۳	خانقاہ شیخ العالم	۱۴۵
سوپور سے صفاپور تک طویل ستھ	۱۲۳	خانقاہ فیض پناہ	۱۴۶
زینہ لنک میں جنگ عظیم	۱۲۴	خانقاہ سید برخوردار	۱۴۷
رنگ میں بھنگ	۱۲۵	خانقاہ سید مدنی	۱۴۷
زینہ گیر کی رونق و آبادی	۱۲۶	بیجبہاڑہ میں بڈشاہی عمارت	۱۴۸
کشمیر میں نیشکر کی پیداوار	۱۲۹	سوپور میں بادشاہی محل	۱۴۹

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ
ادنتی پورہ میں باغ بڈشاہی	۱۵۰
ساتواں باب	
کشمیر کے سکے اور اوزان	۱۵۱
کوڑیوں کا رواج	۱۵۱
کشمیر میں سب سے پہلا سکہ	۱۵۲
ہند و عہد قدیم کے سکے	۱۵۳
سکوں کا وزن	۱۵۴
سکوں کا تعلق لباس سے	۱۵۵
کشمیر کے اسلامی سکوں کی عبارتیں	۱۵۵
بڈشاہی سکوں کی قیمت عہد اکبری میں	۱۵۶
زین العابدین کا جدید سکہ	۱۵۸
بڈشاہی دار الضرب	۱۵۹
بڈشاہی سکہ کی شکل وصورت	۱۵۹
بڈشاہی اوزان اور پیمانے	۱۶۰
آٹھواں باب	
آبپاشی اجرائے انہار اور سڑکیں	۱۶۱
بڈشاہ کی زرعی دلچسپیاں	۱۶۱
لال کوہل	۱۶۳
شاہ کوہل	۱۶۷

عنوان مضمون	صفحہ
شاہ کوہل اور حکومت ڈوگرہ	۱۷۱
نالہ مار یا مہا سرت ندی	۱۷۱
نہر زین گنگا	۱۷۶
بڈشاہی سڑکیں	۱۷۸
نواں باب	
انتظام مالیہ و ارزانی اجناس	۱۸۱
عہد قدیم کا طریق مالیہ	۱۸۱
عہد بڈشاہی میں مالیہ کا طریق	۱۸۲
شالی کا نرخ قدیم	۱۸۳
سوا تین پیسہ کی خروار شالی	۱۸۳
قحط میں شالی کا نرخ ۲ خروار	۱۸۳
بڈشاہی زمانہ کا نرخ	۱۸۳
انگور ۲ پیسہ کا پانچ سیر	۱۸۴
نمک کا بڈشاہی نرخ	۱۸۴
نرخ نویسی کی ابتداء	۱۸۵
قحط اور اسکا انسداد	۱۸۵
دسواں باب	
بڈشاہ اور ہندو	۱۸۹
کشمیر کے قدیم مذاہب	۱۸۹

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ
ذوالچو کا واقعہ المناک	۱۹۰
حملہ ذوالچو کے نتائج	۱۹۱
بڈشاہ کا سلوک پنڈتوں کے ساتھ	۱۹۲
مہاجر کشمیری پنڈتوں کی واپسی	۱۹۴
نومسلم کشمیری پنڈتوں کی واپسی	۱۹۵
شدھی " " "	۱۹۵
جزیہ کی موقوفی	۱۹۶
ایک محب وطن کشمیری پنڈت	۱۹۷
ہندو جوگیوں کیلئے جوگی لنگر	۱۹۸
مندر شنکر اچارج کی مرمت	۱۹۹
مندروں کیساتھ پاٹھ شالائیں	۲۰۲
سنسکرت اور فارسی کا میل جول	۲۰۳
کشمیری پنڈت اور فارسی	۲۰۴
پنڈتوں کے دو فرقے	۲۰۸
بڈشاہی دربار کے پنڈت ارکان	۲۰۹
گاؤکشی بند اور ستی کا اجراء	۲۰۹
ایک مسلمان درباری کو عبرتناک سزا	۲۱۱
بادشاہ پا برہنہ ایک برہمن کے مکان پر	۲۱۱
بڈشاہ اور امرناتھ کی یاترا	۲۱۱

عنوان مضمون	صفحہ
شاردا تیرتھ اور بڈشاہ	۲۱۴
مسجدیں۔ پنڈت اور قشقہ	۲۱۵
ہندو کے لیئے منصف و عدالتیں	۲۱۵
شکار سے نفرت اور گوشت سے پرہیز۔	۲۱۶
رفاہ عام دان اور دھرم سنبل	۲۱۶
بڈشاہ ہندوؤں پر کیوں مہربان تھا	۲۱۷
راجہ راجوری کی بیٹی اور بڈشاہ	۲۲۰

گیارھواں باب

عنوان مضمون	صفحہ
علم موسیقی اور بڈشاہ	۲۲۲
بڈشاہ کی موسیقی سے دلدادگی	۲۲[illegible]
کشمیر میں موسیقی کے ودوان	۲۲۵
کشمیری آلات موسیقی	۲۲۶
کشمیر کے سب سے آگے مسلمان میں	۲۲۷
دربار بڈشاہی کے نامور موسیقی دان	۲۲۸
بودی بٹ	۲۲۸
ملا عود	۲۲۹

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ

عنوان مضمون	صفحہ
ملا جمیل	۲۲۹
سوم پنڈت	۲۳۰
بادشاہ آلات موسیقی کا موجد تھا	۲۳۰
کشمیری مطرب دربار اکبری میں	۲۳۱
موجودہ کشمیری موسیقی	۲۳۲

بارھواں باب

عنوان مضمون	صفحہ
کشمیری صنعت و حرفت بڈشاہی عہد میں	۲۳۴
کشمیری صنعت کی ترقی کا دور	۲۳۴
بیرونی ارباب صنائع کشمیر میں	۲۳۴
اہل صنعت و حرفت کی اقسام	۲۳۵
بڈشاہی صنعتی وظائف	۲۳۶
قالیچہ سازی	۲۳۷
ریشم کا کام	۲۳۷
کاغذ سازی اور جلد سازی	۲۳۸
کاغذ سازی پر ایک شاعر کی طبع آزمائی	۲۳۹
پیپر ماشی	۲۴۰
کشمیری تلوار اور بندوق	۲۴۰
تفنگ کا رواج اور آتش بازی	۲۴۲

تیرھواں باب

عنوان مضمون	صفحہ
بادشاہ کی علمی سرگرمیاں	۲۴۴
بادشاہ کئی زبانیں جانتا تھا	۲۴۴
بادشاہ ایک مصنف کی حیثیت سے	۲۴۵
دار الترجمہ اور دار التصانیف	۲۴۵
علم و علماء کی سرپرستی	۲۴۷
ہندوؤں کے علوم کی اشاعت	۲۴۷
مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے لئے بادشاہ کے تحائف	۲۴۸
ایک کتاب کے لئے مکہ معظمہ کو ایک کاتب کی روانگی	۲۴۹
نوشہرہ میں بادشاہی علوم	۲۵۱

چودھواں باب

عنوان مضمون	صفحہ
بادشاہ کے عام اخلاق و عادات	۲۵۳
مال غیر اور زن بیگانہ سے نفرت	۲۵۳
عتاب میں الطاف	۲۵۴
ملک گیری و پیش قدمی کا حامی نہ تھا	۲۵۵
دشمنوں سے سلوک	۲۵۵

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ
سادگی و انکساری	۲۵۶
خزانہ شاہی پبلک امانت تھا	۲۵۷
بادشاہ کے ذاتی اخراجات	۲۵۷
بادشاہ کی بے تعصبی	۲۵۸
تبدیل لباس اور حالات رعایا	۲۵۸
بادشاہ کا زہد و اتقا	۲۶۰
پندرھواں باب	
دربار بڈشاہی کے ارکان	۲۶۲
بڈشاہ کسطرح بڈشاہ بنا	۲۶۲
رنجیت سنگھ اور اکبر کا ذکر	۲۶۴
ارکان بڈشاہی کی فہرست	۲۶۵
افسر الاطباء حکیم شری بٹ	۲۶۷
سید ناصر الدین	۲۶۹
ملک مسعود و ملک جلال	۲۷۰
سولھواں باب	
عہد بڈشاہی کے مؤرخ و شاعر	۲۷۳
پنڈت زودراج	۲۷۳
سوم پنڈت	۲۷۵
ملک الشعراء ملا احمد بڈشاہی	۲۷۶

عنوان مضمون	صفحہ
ملا نادری	۲۷۹
ملا محمد شاعر	۲۸۰
بادشاہ کی شاعری	۲۸۱
قاضی حمید	۲۸۲
سترھواں باب	
عہد بڈشاہی کے علماء و مشائخ	۲۸۴
علماء و مشائخ کی کثرت	۲۸۴
شیخ الاسلام مولانا کبیر	۲۸۴
قاضی ملا جمال الدین	۲۸۷
حافظ بغدادی	۲۸۹
میر علی بخاری	۲۸۹
علامہ سید شمس الدین اندرابی	۲۸۹
سید حسین قمی رضوی	۲۹۰
باباحاجی ادہم	۲۹۶
حضرت سید محمد مدنی	۲۹۸
سید محمد عالی بلخی	۲۹۹
میر سید حسین میر سید حسین منطقی	۲۱۶

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ	عنوان مضمون	صفحہ
سید حبان بازولی	۳۰۱	شیخ بہاؤالدین گنج بخش رح	۳۰۹
بابا زین العابدین	۳۰۲	شیخ نورالدین ولی رح	۳۱۱
بابا عثمان گنائی	۳۰۶	میر سید محمد امین اویسی رح	۳۱۶

Marfat.com

ی

شباب کشمیر

یعنے

کشمیر کے مشہور بے تعصب اور دنیائے

اسلام کے بینظیر بادشاہ سلطان زین العابدین

عرف بڈشاہ کے عہد کی برکات و ترقیات

عہد بڈشاہی کے علماء و مشائخ اور دربار

بڈشاہی کے ہندو مسلمان ارکان اور بڈشاہ

کی علم نوازی و انصاف پروری اور رعایا پرستی کے

مفصل و مکمل حالات

مرتبہ

محمد الدین فوق

Marfat.com

شباب کشمیر

تذکرہ بڈشاہ پادشاہ

دیباچہ

راقم الحروف نے سنہ ۱۹۱۰ء میں مکمل تاریخ کشمیر تین جلدوں میں شائع کی۔ پہلی جلد جو قدیم راجگان ہنود کے حالات میں ہے۔ پڑھو تو معلوم ہوگا کہ راجہ للتادتیہ ایک شجاع و فاتح راجہ گذرا ہے جس نے اپنی فتوحات اور جنگ جویانہ سپرٹ سے کشمیر کا نام سارے ہندوستان میں مشہور کر رکھا تھا۔ دوسری جلد میں مسلمان سلاطین اور مغل بادشاہوں اور افغان حکمرانوں کا ذکر ہے۔ ان میں مسلمان سلاطین کشمیری تھے۔ اور مغل اور افغان دہلی و کابل سے آ کر کشمیر پر قابض ہو گئے تھے۔ مسلمان سلاطین میں شہاب الدین اور سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ دو ایسے

Marfat.com

بادشاہ گذرے ہیں جنہوں نے ہندوستان بھر میں بلکہ بڈشاہ نے ہندوستان سے بھی باہر اپنی سطوت وشوکت اور علمی فیاضیوں اور سیر چشمیوں کا سکہ بٹھا رکھا تھا۔

اُسی زمانے سے میرا ارادہ راجہ للتا دتیہ اور بڈشاہ کے سوانحات عمر چھاپنے کا ہے۔ اور اگر صرف تصنیف و تالیف ہی کا کام ہوتا تو شاید اب تک دونوں تذکرے چھپ چکے ہوتے۔ لیکن ایک ہفتہ وار اخبار (کشمیری) اور ماہواری رسالے (طریقت) کی مصروفیتوں اور بعض اور چھوٹی بڑی تصانیف کے مشاغل اور دنیا کے دیگر دھندوں کی وجہ سے میں اپنے اس مقصد میں جلد کامیاب نہ ہو سکا۔

"تاریخ حریت اسلام" کی تصنیف (۱۹۲۰ء کے بعد) میں نے سب سے پہلے بڈشاہ کے حالات فراہم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ کشمیر میں میرے قیام کا بہت سا وقت سرینگر کی پبلک لائبریری میں خرچ ہوتا۔ یا اپنے اُن احباب سے کے پاس جن کے پاس قلمی وغیر مطبوعہ تذکروں، بیاضوں، اور تاریخوں کا مجھے پتہ لگتا۔

۱۹۲۴ء میں مجھے صوفی غلام محی الدین صاحب ایم۔ اے سابق رجسٹرار دہلی یونیورسٹی کشمیر میں ملے۔ ان دنوں وہ اپنی کتاب Islamic culture in Kashmir (اسلامی تمدن کشمیر میں) لکھ رہے تھے۔ اور اس مطلب کے

Marfat.com

لئے کتابیں اور تاریخیں جمع کر رہے تھے۔ "تذکرہ بڈشاہ" کا ان سے بھی ذکر ہوا۔ وہ خود اس جلیل القدر بادشاہ کے مفصل حالات کے متلاشی تھے۔ جب کشمیر سے واپس لاہور تشریف لائے تو ازراہ علم نوازی پھر مجھے ملے۔ میں خود اس معاملہ میں کم مایہ و تہیدست تھا۔ تاہم میرے پاس مطبوعہ و غیر مطبوعہ جو کچھ تھا وہ ملاحظہ فرماتے رہے۔

ان کی کتاب چھپ چکی ہے جس میں انہوں نے بڈشاہ کے حالات کئی سالوں کی مسلسل تحقیق و تفتیش کے بعد تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس کتاب نے میری تحریک و تمنا کو اور بھی تقویت دی۔ میں "بڈشاہ" کے متعلق ہر سال اپنے معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا۔ یہاں تک کہ ۱۹۲۸ سنہ ء کے سفر کشمیر میں۔ باوجود اپنی علالت اور باوجود اپنی اہلیہ کی طویل بیماری کی پریشانیوں کے میں نے توکلت علی اللہ اپنے منتشر مسودوں کو جولائی ۱۹۲۸ سنہ ء میں کتاب کی صورت میں ترتیب دینا شروع کر دیا

"تذکرہ بڈشاہ" کا نام میں نے "شباب کشمیر" رکھا ہے۔ اور بڈشاہ کے زمانہ میں کشمیر کو جو عروج و اقبال حاصل تھا اسکے رو سے یہ نام غیر موزوں نہیں ہے

یہ کتاب اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ دنیا کو اور بالخصوص ہندوستان کو معلوم ہو کہ یہ ملک کبھی اخلاق و ادب اور علم

Marfat.com

وفضل کی کان تھا۔ حق گوئی وحریت اسکی عادت ثانیہ تھی۔ اور اسلام اپنے تمام زیر نگین ممالک پر اگر کشمیر کو فوقیت نہ دیتا تھا تو بڈشاہ کی مسالمت و رواداری اور علماء مشائخ کی قدر دانی کی وجہ سے کسی اور ملک سے اس کو کم بھی نہ سمجھتا تھا۔

یہ کتاب کشمیر کی مٹی ہوئی شان وشوکت اور اس کے گم شدہ عروج واقبال کی ایک ولولہ انگیز کیفیت اور روشن تصویر ہے۔

آج جبکہ وفور علم اور کثرت مطالعہ اور تہذیب جدید نے انسانی ترقیات کو فلک چہارم تک پہنچا دیا ہے۔ صرف ایک چیز ہے جو عنقا نظر آرہی ہے وہ اخلاص واتحاد اور باہمی اعتماد واعتبار ہے۔ یہ کتاب بتائے گی کہ کشمیر کے ایک مسلمان بادشاہ کے زمانہ میں ہندو مسلم اتحاد واعتماد بھائی بھائی کے درجہ تک پہونچا ہوا تھا۔ اور ہندوں کو وہ مراعات وعنایات حاصل تھیں جوان کو ہندو راجہ کی حکومت میں بھی حاصل نہ ہوسکتی تھیں۔

جب لوگ علمی وصنعتی وظائف اور دارالتصانیف دارالترجمہ اور ہمدرد دے نسواں کے نام سے بھی واقف نہ تھے۔ خصوصاً کوئی بادشاہ سرکاری طور پر ان باتوں پر توجہ بھی نہ کرتا تھا۔ اور پبلک کے خزانہ کو اپنی ذاتی ملک سمجھتا تھا۔ تو بڈشاہ ہی ایک ایسا بادشاہ تھا جس نے ہندوستان وسمرقند تک سے اہل علم وفن بلوائے۔ ان کی قدر کی۔ دارالترجمہ اور دارالتصانیف

Marfat.com

قائم کئے۔ اور ان میں ہندؤں و مسلمانوں کو جگہ دی۔ اور "زچہ و بچہ" کی خبر گیری کے لئے قابل دائیوں کا انتظام کیا۔ اور شفا خانے اور دار العلوم قائم کئے۔

یہ کتاب اسی ملک اور اسی قوم کی تہذیب و ترقی کا مٹا ہوا خاکہ ہے جس نے پنجاب و سندھ اور تبت و چین کے درو دیوار سے کبھی اپنی شجاعت و بسالت کی شہادت دلوائی تھی۔

بڑا ظلم ہوتا اگر ایسے نیک دل نیک نام علم پرور بے تعصب بادشاہ کے حالات جس نے اپنی تمام رعایا کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا۔ اور جس کے ساتھ غیر ممالک کے بادشاہ راہ و رابطہ پیدا کرنا باعث فخر سمجھتے تھے۔ اس روشنی کے زمانہ میں بھی جبکہ پریسوں اور کتابوں نے علم کے دریا بہا دئے ہیں تاریکی اور اندھیرے میں رہتے اور ان سے کوئی استفادہ نہ اٹھایا جاتا۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد جو کشمیر کے سیاسی اقتدار اور کشمیر کی علمی عظمت کی زندہ تصویر ہے۔ اہل کشمیر کو غور کرنا ہوگا کہ سلف ایسے تھے تو کیوں تھے اور خلف ایسے نہیں تو کیوں نہیں ہیں۔

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

اور اگر اس کتاب کے مطالعہ نے کسی اہل وطن کے دل میں احساس۔ احساس میں حرکت۔ حرکت میں جوش اور جوش

Marfat.com

میں استقلال پیدا کر دیا تو میں سمجھوں گا کہ میری سالہا سال کی محنت و عرق ریزی رائیگاں نہیں گئی۔

ذیل میں ان کتابوں کی فہرست دی جاتی ہے جن کے مطالعہ اور جن کی مدد سے "شباب کشمیر" عالم وجود میں آیا ہے۔ ان میں قلمی و غیر مطبوعہ دونوں قسم کی کتابیں شامل ہیں۔ جن کے لئے میں مولوی سعادت صاحب مفتی میونسپل کمشنر المعروف "مؤرخ کشمیر" سری نگر کشمیر، مولوی قوام الدین صاحب مفتی خلف اکبر مولانا شریف الدین صاحب مفتی اعظم کشمیر، راجہ شیر علی خان صاحب جاگیردار راجپورہ کشمیر اور پیر شمس الدین صاحب حیرت پانداں سرینگر کا شکر گذار ہوں۔

بعض انگریزی تراجم کے لئے پنڈت گواشہ لعل صاحب بی اے مصنف شارٹ ہسٹری آف کشمیر اور میر محمد نیازنہ صاحب جرنلسٹ (لاہور) کا بھی رہین منت ہوں۔

(۱) فہرست کتب مطبوعہ

۱۔ مکمل تاریخ کشمیر (اردو) محمد الدین فوق، سنہ ۱۹۱۰ء

۲۔ گلدستہ کشمیر (اردو) پنڈت ہرگوپال کول سنہ ۱۸۸۳ء

۳۔ تاریخ خواجہ اعظمی (فارسی) خواجہ محمد اعظم دیدہ مری ابتدا ۱۱۴۸ھ اختتام ۱۱۶۹ھ، طباعت سنہ ۱۳۰۳ھ

۴۔ تذکرہ راجگان راجوری (اردو) مرزا ظفر اللہ خان وزیرآبادی ۱۹۰۷ء

۵۔ ترجمہ راج ترنگنی مع جغرافیہ قدیم ہر دو جلد (اردو) مترجم

Marfat.com

ٹھاکر اچھر چند، ۱۹۱۲ سنہ

۶ - دربار اکبری (اردو) محمد حسین آزاد، ۱۸۹۸ سنہ

۷ - ترجمہ سیر المتأخرین (اردو) مترجم گوکل پرشاد لکھنوی، ۱۸۷۱ سنہ

۸ - اسلامک کلچر ان کشمیر (انگریزی) صوفی غلام محی الدین، ۱۹۲۵ سنہ

۹ - شارٹ ہسٹری آف کشمیر (انگریزی) گوانشہ لعل، ۱۹۲۸ سنہ

۱۰ - ویلی آف کشمیر (انگریزی) سر والٹر لارنس، ۱۸۹۵ سنہ

۱۱ - تاریخ ہندوستان (اردو) مولوی ذکاء اللہ، ۱۸۹۷ سنہ

۱۲ - تاریخ جدولی کشمیر (فارسی) محمد سیف الدین کشمیری، ۱۳۲۴ سنہ

۱۳ - گلزار کشمیر (فارسی) دیوان کرپا رام، ۱۸۶۴ سنہ

فہرست کتب غیر مطبوعہ

۱ - تاریخ بہاؤالدین متو (فارسی) بلا بہاؤالدین متو، ۱۲۸۳ سنہ

۲ - اسرار الابرار (فارسی) بابا داؤد مشکوتی، ۱۰۶۳ سنہ

۳ - بیان واقعہ حالات جامعہ (اردو) مولوی محمد سعادت مفتی، ۱۳۲۹ سنہ

۴ - تاریخ رشیدی (فارسی) مرزا حیدر کاشغری ۹۴۷ سنہ تا ۹۵۷ سنہ

۵ - مختصر التواریخ کشمیر (فارسی) پنڈت بیربر کاہرو ۱۹۰۷ سنہ بکرمی

۶ - تاریخ کشمیر (اردو) خواجہ حسن ملک

۷ - خوارق السالکین (فارسی) اخوند ملا احمد بن عبد الصبور ۱۱۰۹ سنہ

۸ - احسن التواریخ (فارسی) مولوی عزیز الدین مفتی ۱۳۰۰ سنہ

۹ - وجیز التواریخ (فارسی) ملا عبدالنبی ۱۲۷۴ سنہ

۱۰ - فتحیات کبرویہ (فارسی) شیخ عبدالوہاب نوری گنائی ۱۱۵۳ سنہ

Marfat.com

۱۱- معارف الحقانی (فارسی) یعقوب بن عبدالعزیز حقانی، سنہ ۱۱۶۴ھ
۱۲- تذکرۃ الصادقین (فارسی) مفتی صدرالدین وفائی، سنہ ۱۲۰۴ھ
۱۳- تاریخ حسن ہر چہار جلد (فارسی) پیر حسن شاہ کھویہامی، سنہ ۱۳۰۱ھ
۱۴- بیاض (فارسی) مملوکہ محمد اسمعیل نامی
۱۵- تاریخ کشمیر (فارسی) نرائن کول عاجز، سنہ ۱۱۳۲ھ
۱۶- تاریخ خلیل (فارسی) اخوند ملا پیر خلیل مرجانپوری
۱۷- گلشن کشمیر (اردو) مفتی محمد سعادت سری نگر
۱۸- تاریخ کشمیر (فارسی) علامہ مولوی ہدایت اللہ

محمد الدین فوق

لاہور

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شباب کشمیر

پہلا باب

عالم شہزادگی کی کیفیتیں

مؤرخین کشمیر کی فروگذاشتیں

ہندوستان میں شاید خطہ کشمیر کو یہ واحد فخر حاصل ہے کہ وہ اپنی آبادی کی ابتداء سے آج تک کی مسلسل تاریخ اپنے پاس رکھتا ہے اس تاریخ میں قدیم راجاؤں اور مسلمان سلاطین اور ملک کے مشائخ وصلحاء کا بالتفصیل ذکر ہے۔ لیکن سب سے پہلے تاریخ نویس نے چونکہ تاریخ کی بنا نظم پر رکھی تھی۔ چنانچہ سنسکرت زبان میں کشمیر کی جو تاریخیں ہیں وہ سب نظم ہی میں ہیں۔ اس لئے سنسکرت کے بعد کشمیر کی کئی ایک فارسی تاریخیں بھی نظم ہی

Marfat.com

میں لکھی گئیں۔ یہاں تک بھی کوئی قباحت نہ تھی۔ مگر زیادہ افسوس یہ ہے کہ کشمیر کے مؤرخین نے نہ قدیم راجاؤں نہ مسلمان بادشاہوں اور نہ صلحاء و مشائخ کے حالات میں انکے سنین پیدائش وغیرہ کا خیال رکھا۔ بزرگان دین کے سوانحات میں تو زیادہ زور "نقل است روایت است۔ گفتند، می گویند" پر ہی دیا گیا ہے۔ اس بات کا مطلق لحاظ نہیں رکھا گیا کہ جو واقعہ "نقل است" کے ذریعہ وہ تحریر کر رہے ہیں اس میں "عقل است" کی بھی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور گفتند اور می گویند" کی تاریخی واقعات سے بھی تطبیق ہو سکتی ہے۔ یا نہیں۔ صلحاء و مشائخ کے تذکرہ نویسوں نے عقل و تاریخ سے شہادت لینے کی بجائے اظہار کرامات وخوارق عادات ہی کو اپنا مقدس فرض سمجھا ہے۔

مؤرخین کشمیر پر یہ ایک بدنما دھبہ ہے کہ بڈشاہ جیسے مشہور جلیل القدر اور بے تعصب بادشاہ کی جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں ہر دلعزیز تھا۔ کشمیر کی کسی تاریخ میں اس کی تاریخ پیدائش تو کجا، سنہ پیدائش کا بھی ذکر نہیں۔

بادشاہ کا سال پیدائش

تمام مؤرخین نے بادشاہ کا سال وفات سنہ ۸۷۹ھ لکھا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ نے بہت بڑی عمر میں انتقال کیا۔ یہاں تک کہ اس کا ایک بیٹا خود بھی بڑی عمر کا تھا۔ باپ کی طویل زندگی کو اپنی تخت نشینی کے لئے سد سکندری سمجھ

Marfat.com

کہ اس کے قتل پر آمادہ ہو گیا۔ اور پھر تمام مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وفات کے وقت بادشاہ کی عمر سلطنت ۵۲ سال اور عمر طبعی ۶۹ سال تھی [1]

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے ابتداء میں تعلیم بھی حاصل کی اور وہ سات سال تک شاہزادگی کے عالم میں سمرقند میں بھی رہا۔ البتہ ایک مصنف [2] نے لکھا ہے کہ وہ عین عنفوان شباب میں امیر تیمور کے ہمراہ سمرقند گیا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ وہ اپنے باپ (سلطان سکندر) کی حیات ہی میں کشمیر میں واپس آگیا۔ اور بعض نے لکھا ہے جب اسے اپنے باپ کی موت اور بھائی کی تخت نشینی کی اطلاع ملی تو وہ اپنے وطن چلا آیا۔

ان تمام اختلافات و حالات پر غائر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے

"بہت بڑی عمر" کا معیار ۶۹ سال نہیں ہو سکتا۔ کم سے کم اسی ۸۰۔ نوے ۹۰ سال تک "بڑی عمر" کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

اگر یہ فرض کیا جائے کہ پانچ چھ سال کی عمر میں بادشاہ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا تو اقل درجہ پانچ سات سال اس

---

[1] خود راقم الحروف نے بھی مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم میں بادشاہ کی یہی عمر لکھی ہے

[2] صوفی غلام محی الدین صاحب مصنف اسلامک کلچر ان کشمیر (انگریزی)

Marfat.com

کا عرصہ تعلیم بھی سمجھنا چاہیئے۔ پھر ۸۰۱ھ ۱۳۹۹ء میں حملہ تیموری کے بعد وہ سمرقند جاتا ہے۔ اس وقت اس کی عمر بارہ تیرہ سال سے کیا کم ہوگی۔ پھر سات سال وہ سمرقند میں رہتا ہے اور ۸۰۸ھ میں واپس آتا ہے۔ جبکہ اس کی عمر بیس اکیس سال کے قریب تھی۔ یہ بھی سب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ سمرقند میں بہت کچھ سیکھ کر آیا۔ اور صناعوں اور کاریگروں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لایا۔ یقیناً یہ باتیں دس بارہ سال کے بچہ سے ظہور میں نہیں آسکتیں۔ سمرقند سے واپسی یعنی ۸۰۸ھ میں اس کی عمر کا کم سے کم اندازہ بیس سال ہی تصور کرنا پڑتا ہے۔ اس حساب سے وہ اپنے دادا سلطان قطب الدین کے عہد میں ۷۸۸ھ میں پیدا ہوا تھا۔ اور اپنے باپ کی زندگی ہی میں سمرقند سے واپس آگیا تھا۔

بادشاہ کا اصل نام کیا تھا

بادشاہ اپنے بھائی علی شاہ[۱] سے جس کا اصل نام میراں خاں تھا' چھوٹا تھا۔ جب یہ پیدا ہوا تو باپ نے آثار سعادت واقبال دیکھکر نام شاہرخ مرزا رکھا۔ کشمیر میں چونکہ اصل نام سے بہت کم لوگ مشہور ہوتے ہیں۔ ان کا کوئی نہ کوئی عرف ان کے اعمال یا ان کے خاندان یا ان کے مشکل نام کی وجہ سے جو زبان پر آسانی سے نہیں چڑھ سکتا' مشہور ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اس کے اصل نام کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ اسی طرح شاہرخ کا نام

---

[۱] منتخبات کبرویہ۔ غیر مطبوعہ صفحہ ۳۱۹

Marfat.com

اہل کشمیر نے شاہی خان پکارنا شروع کیا۔ اور شہزادگی کے زمانہ تک وہ اسی نام سے مشہور رہا۔ اور اب غالباً کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ اس کا نام شاہرخ تھا یا شاہی خان۔

بچپن اور تعلیم شاہی خان کے بچپن میں کوئی معمولی بات نہ تھی۔ محلات شاہی میں پیدا ہوا۔ وہیں پلا۔ اور وہیں اس کا بچپن گذرا۔ اور بچپن کے صرف دو واقعات مختلف تاریخوں کی چھان بین کے بعد مل سکے ہیں۔ اور ان دونوں کا تعلق بھی مشائخ عظام کی ذات اقدس سے ہے۔

سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں سید حسین خوارزمی[1] ایک بہت بڑے بزرگ کشمیر میں رونق افروز تھے۔ سکندر ایک دن اپنے دونوں شہزادوں کو دعائے حصول دولت و برکت کے لئے سید ممدوح کے پاس لے گیا۔ چنانچہ آپ کی دعا سے دونوں شاہزادے سعادت دارین سے بہرہ ور ہوئے یعنی پہلے علیشاہ تخت پر بیٹھا اور اسکے بعد شاہی خان۔

شاہی خان اپنے بچپن کے زمانہ میں ایک مرتبہ شیخ بہاؤالدین کی خدمت میں گیا۔ وہ اس کی خوش تمیزی و خوش کلامی سے بہت خوش ہوئے۔ نظر فیض اثر سے دیکھا اور فرمایا "بحکم خدا ترا پادشاہ دین و دنیا کردیم و گنج ہائے فراوان بتو بخشیدیم"

شاہی خان کے آئندہ حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ

---

[1] آپکا مزار محلہ سلوارہ میں ہے۔

Marfat.com

نی - بادشاہ دین و دنیا" ہو کر "گنج ہائے فراوان" کا مالک بنا - اُس
سے شیخ بہاؤالدین "بہاؤالدین گنج بخش" کے نام سے مشہور ہو گئے -
سکندر نے اپنے ہونہار فرزند کے لئے مولانا کبیر کو استاد
ر کیا - چنانچہ علوم ظاہری کی تکمیل اس نے مولانا ہی سے حاصل
- بادشاہ کو علوم دینی و دنیوی سے جو محبت تھی وہ سب مولانا
کی فیض صحبت کا نتیجہ تھی - شاہی خان نے بادشاہ ہو کر
لانا کو شیخ الاسلام کا عہدہ عطا کیا - اور ہرات سے جہاں وہ
لندر کے زمانہ ہی میں چلے گئے تھے - بڑی منتوں اور خواہشوں
سے بلوایا -

مولانا کبیر ہی کی تعلیم نے شاہی خان کو علم تفسیر و حدیث
و فقہ و اصول سے باخبر کیا - اور بعد میں وہ اپنے ذاتی شوق
مطالعہ سے ان علوم میں ماہر کامل ہو گیا -

میر تیمور کا حملۂ ہند

سلطان محمود تغلق دہلی کا اور سلطان
سکندر کشمیر کا بادشاہ تھا - کہ تخت
لی کی کمزوریوں کے حالات سن سن کر امیر تیمور[1] ۱۲ - محرم
۸۰۱ھ ۱۳۹۸ء کو سمرقند و کابل عبور کر کے حدود پنجاب میں داخل
ا - اور دہلی پہونچنے تک جو مقام اور جو گاؤں رستے میں آیا
ل عام کرتا اور لوگوں سے سامان خورد و نوش چھین کر کھا ڈا -

پیدائش ۷۳۶ھ حملہ ہند کے وقت اس کی عمر ۶۵ سال تھی -
ریخ وفات ۸۰۷ھ - بابر اسکی چھٹی پشت میں تھا -

Marfat.com

کو جلاتا اور خاک سیاہ کرتا گیا۔ دہلی پہنچکر بھی پانچ دن تک وہ قتل عام کیا کہ ایک لاکھ سے زیادہ انسان موت کے گھاٹ اتر گئے۔ صرف پاک پٹن کہ اس زمانہ میں اس کو اجودھن کہتے تھے۔ بابا فریدالدین شکر گنج کی زیارت کی وجہ سے جہاں امیر خود بھی حاضر ہوا تھا۔ اس کی تیغ وستم سے بچ رہا۔

تیمور دہلی میں تین ہفتہ سے زیادہ نہیں رہا۔ لیکن دہلی کی اس نے اینٹ سے اینٹ بجادی۔ ہندوستان کے تمام راجہ اور بادشاہ اس کے نام سے کانپتے تھے۔ اور اس کا نام سن کر خود بخود طوق غلامی ومتابعت اپنے گلے میں ڈلتے تھے۔

شیخا گکھڑ اور جسرت گکھڑ دو بھائی خاندان تغلق کی کمزوریوں کی وجہ سے پنجاب میں اپنا تسلط بٹھائے ہوئے تھے۔ تیمور نے جسرت گکھڑ کو شکست دی۔ جب تیمور دہلی میں قتل عام کر کے اور ایک لاکھ ہندی اپنے پنجہ قہر میں گرفتار کر کے واپس آیا تو اس وقت جسرت گکھڑ کا بھائی شیخا گکھڑ قلعہ لاہور پر قابض تھا۔ تیمور نے اس کو گرفتار کر کے قتل کیا۔ اور لاہور دیپالپور اور ملتان کی حکومت خضر خان کے سپرد کی۔ جو پہلے تو تیمور کے نام سے ہی حکومت کرتا رہا۔ اور بعد ازاں اپنا خطبہ وسکہ جاری کر کے خاندان سادات کی حکومت کا بانی بنا۔

امیر تیمور اور کشمیر ترکستان وخراسان بلکہ تمام وسط ایشیا میں سکہ بٹھانے کے بعد امیر تیمور نے جب

Marfat.com

تسخیر ہند کا ارادہ کیا تو ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا۔ کشمیر میں اس وقت سکندر کی حکومت کو ابھی چار پانچ سال ہی گذرے تھے۔ اس نے بھی اسی دانشمندی سے کام لیا جو دوسرے والیان ملک تیمور کے مقابلہ میں ظاہر کر رہے تھے۔ چنانچہ جب تیمور ملک کو عبور کر چکا تو سلطان نے اپنا ایک ایلچی تیمور کے پاس اظہار متابعت کے لئے بھیجا۔ تیمور سلطان کی حسن قابلیت سے بہت خوش ہوا۔ اور اس نے اپنے ایلچیوں کے ہمراہ دو زنجیر فیل ایک تمغہ شاہی اور ایک خلعت گران قدر سلطان کے پاس بھجوایا۔ سلطان نے اس کے جواب میں ایک وفد کے ہاتھ جس کے سرکردہ مولانا نورالدین تھے۔ بہت سے تحائف صاحبقران امیر تیمور کی خدمت میں بھیجے۔ اور اخلاص اور بندگی کا اظہار کر کے لکھا کہ جس مقام پر حکم ہو۔ ملاقات کے لئے حاضر ہوں۔ اور امیر کے ایلچیوں کو زر خطیر اور علیحدہ علیحدہ خلعت دے کر با اعزاز و اکرام رخصت کیا۔

ایلچیوں نے صاحبقران کے پاس واپس آکر سلطان کے اخلاق حمیدہ بیان کئے۔ صاحبقران بہت خوش ہوئے اور ایک خلعت زر دوزی اور ایک بیش قیمت گھوڑا معہ ساز و یراق مرصع بادشاہ کشمیر کو اظہار خوشنودی کے طور پر بھیجا۔ اور لکھا کہ جب ما بدولت و اقبال دہلی سے پنجاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔ تو آپ کو ملاقات کے لئے آنا لازمی ہوگا۔

Marfat.com

جب تیمور دہلی سے واپس پنجاب کی طرف روانہ ہوا تو سلطان سکندر بھی ملازمت شاہی سے مشرف ہونے کے لئے کشمیر سے باہر نکلا ابھی رستے ہی میں تھا کہ امرائے تیمور کا کا پیغام ملا کہ سلطان کو مناسب ہے کہ صاحبقران کی شان کے مطابق نذرانہ لائے۔ اور کم سے کم تیس ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ اشرفی طلائی پیشکش میں ضرور ہو۔ سکندر نے اس پیغام سے پریشان ہو کر اپنے ایلچی تیمور کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجے کہ پیشکش بندگان حضرت کے لائق بہم نہیں پہونچ سکی اسلئے چند روز توقف کے بعد حاضر ہوں گا۔ جب تیمور کو یہ علم ہوا۔ کہ میرے امراء وزراء نے اس قسم کے لئے بے جا اور نامعقول احکام جاری کر کے سلطان کو متردّد کر دیا ہے تو وہ ان پر بہت ناراض ہوا۔ اور سخت چشم نمائی کی۔ چنانچہ تیمور نے سکندر کے ایلچیوں کی بہت خاطر تواضع کی۔ اور کہا کہ سلطان کو مطلع کر دو کہ نذرانہ اور پیشکش کا کوئی تردّد نہ کرے اور بہ اطمینان تمام دریائے اٹک کے کنارے پر حاضر رہے۔

ایلچیوں نے جب سلطان تیمور کے خیالات کا اظہار کیا تو وہ بہت محظوظ ہوا۔ اور سامان سفر درست کر کے پھر پنجاب کی سمت روانہ ہوا۔ ابھی بارہ مولا ہی پہنچا تھا کہ سلطان کو تیمور کے اٹک سے پار ہو جانے کی خبر ملی۔

Marfat.com

شاہی خان اور امیر تیمور

سلطان سکندر نے تیمور کے جانے کی خبر سن کر اپنا ارادہ تو فسخ کر دیا اور اپنے دوسرے بیٹے شاہی خان کو تمام تحائف و ہدایا دے کر تیمور کے پاس بھیجا۔ خواجہ[1] بدیع اللہ پانڈے جو لاہور کا رئیس تھا، وہ بھی شاہی خان کے ساتھ ہو گیا۔ کھکھی خان اور حاتم خان[2] دو نو مسلم راجپوت کہ دونوں حقیقی بھائی تھے وہ بھی اس سفر میں اس کے ساتھ تھے۔

شاہی خان آندھی اور بگولے کی طرح دوڑا۔ امیر تیمور کو رستے ہی میں جا ملا۔ وہ سلطان کی وعدہ وفائی اور شاہی خان کی سعادت مندی سے بہت خوش ہوا۔ اور حکم دیا کہ میرے ساتھ سمرقند میں چلو۔ یہ واقعہ اخیر رجب سنہ ۸۰۱ھ یا مئی، جون سنہ ۱۳۹۹ء کا ہے۔

شاہی خان سمرقند میں

شاہی خان کبھی کشمیر سے باہر نہ نکلا تھا۔ اور نہ ناز و نعمت کے پروردہ

---

1 وجیز التواریخ۔ غیر مطبوعہ۔

2 راجگان کھکھہ شمال بو بیتے مظفرآباد کے علاقہ چکار تحصیل اوڑی میں ریاست کشمیر کے جاگیردار ہیں۔ انہی دونوں بھائیوں کی اولاد ہیں۔ ان کے ہندوانہ نام کھکو و ہاتو تھے۔ مسلمان ہو کر انہوں نے اپنے نام کھکھی خان و حاتم خان رکھے۔

(از تاریخ حسن قلمی۔ جلد اول۔ صفحہ ۱۸۱)

Marfat.com

سے ایسا دشوار گذار اور طویل سفر کبھی اختیار کیا تھا۔ اس کے وطن کی ایک جماعت چونکہ اس کے ساتھ تھی اسلئے اس کی دل بستگی رہتی تھی۔ کھکھی خان اور حاتم خان نے ایام سمرقند میں شاہی خان کی خدمات بہ آئین شائستہ ادا کیں۔ شاہزادہ نے خوش ہو کر ایک سندان کو اس قسم کی لکھ دی کہ اگر خدا نے مجھے بادشاہی عطا کی۔ یا کشمیر میں مراجعت نصیب ہوئی تو تم دونوں بھائیوں کو عطائے جاگیر سے سرفراز کیا جائے گا۔

چنانچہ شاہی خان نے اپنی بادشاہی کے زمانہ میں علاقہ کھادرہ میں ان کو جاگیر عطا کر کے اپنا وعدہ پورا کیا۔

شاہی خان کی عمر بہت زیادہ نہ تھی۔ ابھی عنفوان شباب کا عالم تھا اور ہر چند بعض مؤرخین کے قول کے مطابق وہ سمرقند میں بطور یرغمال رہائش رکھتا تھا تاہم گرد و پیش کے حالات سے وہ بے خبر نہ تھا۔ سمرقند اور ترکستان میں تمام ایسے حالات کو جو اس کے اپنے وطن کے لئے مفید تھے وہ بہ نظر غایر دیکھتا تھا۔

اس نے دیکھا کہ اس کے ملک میں صناعوں، پیشہ وروں اور کاریگروں کی بہت کمی تھی۔ ان سے میل جول رکھتا۔ ان کو بلاتا اور ان کی حوصلہ افزائی کرتا۔ اسی طرح سمرقندی علماء و مشائخ سے اس نے علوم دینیہ حاصل کئے۔

شاہی خان کی واپسی کشمیر میں

شاہی خان سات سال تک کشمیر میں رہا۔ اس نے امیر تیمور

Marfat.com

سے کئی مرتبہ مراجعت وطن کی اجازت طلب کی۔ لیکن تیمور اس شاہزادے پر بہت مہربان تھا۔ اس کو اس نے اپنی زندگی میں کبھی واپسی کی اجازت نہ دی۔ شاہی خان شاہزادہ تھا۔ وہاں بھی شاہزادوں کی طرح رہا۔ تیمور نے اس نو عمر شاہزادے اور اس کے ہمراہیوں کے آرام کے لئے ہر قسم کا سامان ضرورت سے زیادہ ان کو عنایت کیا۔ شاہزادہ کو وہاں کوئی تکلیف نہ تھی۔ لیکن مہجوریٔ وطن کا ایک ایسا آزار تھا کہ اس کو کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا تھا۔

آخر جب ۱۷ شعبان سنہ ۸۰۷ھ کو چہارشنبہ کے دن امیر تیمور کا انتقال ہو گیا تو شاہی خان کو واپسی وطن کی امیدیں ہونے لگیں۔ چنانچہ وہ اوائل سنہ ۸۰۸ھ میں کشمیر پہونچ گیا۔ سلطان سکندر اس کا باپ زندہ تھا۔ اس نے اپنے بیٹے کو لڑکپن کی عمر میں دیکھا تھا۔ جوان دیکھ کر اس کی باچھیں کھل گئیں۔ دھوم دھام سے استقبال کر کے محلات شاہی میں لایا۔

سلطان سکندر کی وفات اور علیشاہ کی تخت نشینی

تب محرقہ جب مرض الموت بن کر سلطان سکندر کا دامن گیر ہوا۔ تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں میر خان

۱؎ از تذکرۃ العارفین - غیر مطبوعہ - سال تصنیف سنہ ۱۲۰۱ھ بعد تیمور شاہ درانی و بہ نظامت کشمیر سردار جمعہ خان الکوزئی - مصنف مفتی صدرالدین وفائی دختر زادہ شیخ الاسلام ملا قوام الدین کاشمیری۔

Marfat.com

شاہی خان اور محمد خان کو بلوایا۔ اتفاق و اتحاد کی نصائح کیں۔ بیٹے کلان میر خان کو خلعت ولی عہدی عطا کیا۔ اور باقی دونوں کو اس کی متابعت کا حکم دیکر آپ ۲۲ محرم سنہ ۸۲۰ھ کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گئے۔
ملک سیف الدین جو سکندر کے زمانہ میں سلطنت کا مختار جزو کل تھا۔ بدستور میر خان کا جس نے اپنا نام بادشاہ ہو کر علیشاہ رکھا تھا۔ وزیر بنا رہا۔ شاہی خان اور محمد خان کو جاگیرات عطا کی گئیں۔ پانچ سال کے بعد سنہ ۸۲۵ھ میں ملک سیف الدین انتقال کر گیا۔

شاہی خان منصب وزارت پر

علیشاہ نے منصب وزارت پر اپنے چھوٹے بھائی شاہی خان کو سرفراز کیا۔ اس وقت ملک کی یہ حالت تھی۔ کہ چاروں طرف ملک سیف الدین کے خوف و تشدد سے سناٹا چھایا ہوا تھا۔ ہندو بالخصوص سہمے ہوئے تھے۔ اور کھلے میدانوں پوجا پاٹ تک بھی نہ کر سکتے تھے۔

شاہی خان نے نہایت نازک حالت میں وزارت کا قلمدان اپنے ہاتھ میں لیا۔ حکمرانی کے جو طور طریقے سمرقند میں دیکھ آیا تھا۔ اور اسلام کی تعلیم نے اخلاق و مساوات کا جو سبق اُسے دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے ملک میں بھی رائج کرے۔ اور اسلام اور مسلمانوں سے جو بدگمانی ماتحت قوم کو ہو رہی ہے۔ اس کو دور کرے۔ اس نے بادشاہ سے کامل انتظامی اختیارات

134082

طلب کئے۔ جو اس نے عنایت کر دئے۔

شاہی خان نے تھوڑی ہی مدت میں عدل و انصاف کا وہ سکہ بٹھا دیا کہ ہنود جو ہمیشہ مضطرب الحال رہتے تھے، امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ بادشاہ نے بھی محسوس کیا کہ اب میرے ملک میں کوئی بے چینی اور بدمزگی نہیں ہے۔ چنانچہ وہ شاہی خان کو اپنا نائب السلطنت بنا کر زیارت حرمین شریفین کے لئے روانہ ہو گیا۔ اس وقت اسکی سلطنت کو چھ سال چھ ماہ کا عرصہ گذر چکا تھا۔

علیشاہ کی حج کو روانگی اور جموں پہنچکر ارادہ کی تنسیخ

علیشاہ شاہی خان کو نائب السلطنت اور اس سے چھوٹے بھائی محمد خان کو اس کی فرماں برداری کے احکام دے کر جاہ و جلال اور دھوم دھام کے ساتھ حج کا ارادہ لئے ہوئے کشمیر سے باہر نکلا۔ جب جموں پہنچا۔ تو راجہ جموں نے جس کو مختلف مؤرخین نے علیشاہ کا خسر لکھا ہے۔

لے تاریخ فرشتہ۔ تاریخ نادری۔ تاریخ کشمیر پنڈت نرائن کول عاجز غیر مطبوعہ سال تصنیف ۱۱۳۲ھ تاریخ اعظمی۔ وجیز التواریخ قلمی تاریخ پنڈت بیربر کاچرو قلمی وغیرہ۔

Marfat.com

ترک جہانداری پر ملامت کی۔ شہاب الدین[1] راجہ راجوری بھی بادشاہ کے آنے کی خبر سن کر سلام و ملاقات کو جموں آیا ہوا تھا۔ اس نے بھی راجہ جموں کی تائید کی۔ اور حج کے ارادہ سے باز رکھا۔ سلطان بھی آخر انسان ہی تھا۔ ان کی باتوں میں آ گیا۔ اور پشیمان ہو کر بازگشت کا ارادہ کرنے لگا۔ لیکن یہ خوف لحظہ بہ لحظہ غالب آ رہا تھا۔ کہ ملک بھائی کے قبضہ میں ہے۔ فوج سپاہ خزانہ سب اس کے پاس ہے۔ میں تنہا بازگشت بھی کروں گا۔ تو کونسا پہاڑ ڈھا لوں گا۔

راجہ جموں کو جب یہ خبر ہوئی۔ تو اس نے اپنی تمام فوج

---

[1] از تذکرہ راجگان راجور۔ مطبوعہ ۱۹۰۷ء۔ صفحہ ۶۳، ۶۴۔ جہانگیر توزک میں لکھتا ہے۔ فیروز شاہ خلجی کے زمانہ میں راجگان راجور مشرف بہ اسلام ہوئے۔ مصنف راجگان راجور صفحہ ۶۴ پر لکھتا ہے کہ راجہ صاحب سینہ اور اسکے بیٹے تیل سینہ اور دیگر متعلقین نے بر زمانہ سلطان شہاب الدین غوری بہ طیب خاطر اسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ راجہ کا اسلامی نام شیر افگن خان اور اس کے بیٹے کا نام نور الدین خان رکھا گیا۔ صاحب تاریخ حسن راجگان راجور کے حالات میں لکھتے ہیں "در عہد بڈشاہ دین اسلام قبول کردہ مطیع صوبہ کشمیر شدہ بودند۔" لیکن ہمارے خیال میں توزک جہانگیری یا راجگان راجور دونوں میں سے کسی ایک کی تحریر صحیح ہے۔

Marfat.com

اس کے سپرد کی۔ بلکہ راجہ راجوڑ نے بھی علیشاہ کو اپنی فوج سے بہت مدد دی۔ اور نقد روپیہ بھی دونوں راجوں نے کافی تعداد میں دیا۔

دونوں بھائیوں کی باہمی خونریز جنگ

شاہی خان کو جب راجگان راجوری و جموں کی اس سازباز کا علم ہوا۔ تو اس نے بھائی کی اس حالت پر جس سے وہ دین و دنیا دونوں سے محروم نظر آ رہا تھا۔ بہت افسوس کیا۔ لیکن اس نے اپنے ملک کے ماتحت راجگان کی فوجی مدد کے خوف سے دب کر ہاتھ میں آئی ہوئی سلطنت کا واپس دینا بھلا سب نہ سمجھا۔

چنانچہ جب اس نے یہ سنا کہ علیشاہ دو راجوں کی فوج لیکر براہ پکھلی (ہزارہ) کشمیر پر حملہ آور ہونے کی غرض سے آ رہا ہے۔ تو وہ بھی مقابلہ کے لئے باہر نکلا۔ لیکن یہ ابھی چونکہ نائب السلطنت تھا۔ اور عوام پر بادشاہ کا رعب غالب تھا۔ اس لئے اہل ملک نے اس کی خواہش کے مطابق اس کا ساتھ نہ دیا۔ تاہم اوڑی کے مقام پر دونوں بھائی آمنے سامنے ہو گئے۔ اس لڑائی میں ہر چند کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ مگر شاہی خان کی حکومت کا چونکہ ابھی استقلال نہ ہوا تھا۔ اس لئے وہ ہزیمت اٹھا کر پنجاب کی طرف بھاگا۔ اور سیالکوٹ میں پہنچکر اس نے دم لیا۔

ف از تذکرہ راجگان راجور۔ صفحہ ۶۳، ۶۴

Marfat.com

علیشاہ پھر کشمیر کا بادشاہ ہو گیا۔ مبارک سلامت کے شور غل سے پہاڑ گونج اٹھے۔ راجہ جموں و راجور کے احسانات سے بادشاہ کی گ... دلی جا رہی تھی۔ کہ تین ماہ کے بعد شاہی خان ہجرت گکھڑ سے جو نواح پنجاب میں اثر سے عروج پر تھا۔ مدد لے کر کشمیر پر چڑھ آیا۔ دونوں بھائیوں میں پھر ایک سخت خونریز جنگ ہوئی۔ مگر اس مرتبہ تقدیر شاہی خان کے سر پر چتر شاہی کا سایہ کر رہی تھی۔ اسلئے شاہی خان نے کامل فتح پائی۔ علیشاہ گرفتار[1] ہو کر پھکلی[2] میں نظر بند کیا گیا۔ اور اسی حالت نظربندی میں وہ انتقال کر گیا[3]۔

---

۱ وجیز التواریخ و دیگر تواریخ ہائے کشمیر۔

۲ سرکار پھکلی میں تین ولایتیں ہیں۔ بنیر۔ سواد۔ باجور۔ میر سید علی ہمدانی کشمیر سے واپس اپنے وطن جاتے ہوئے اسی علاقے میں وفات پا گئے تھے۔ اور اپنی وصیت کے مطابق ختلان میں دفن ہوئے تھے۔ یہ علاقہ بڑا سرسبز اور گلریز ہے۔ یہ تینوں ولایتیں جن کا نام سرکار پھکلی تھا۔ سلاطین کشمیر کے ماتحت تھیں۔ (از سیر المتأخرین جلد اول در ذکر سرکار پھکلی)

۳ صاحب سیر المتأخرین جلد اول و صاحب تاریخ فرشتہ جلد اول میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ جمادی الاول ۹۲۳ھ

Marfat.com

دوسرا باب

بادشاہ کی تخت نشینی

جشن جلوس۔ ملکی ومالی تغیر و تبدل
طائفہ کوچکان کا استیصال۔ بادشاہ کے نام
میں تبدیلی۔ ہندوؤں کی دلجوئی شفاخانے
اور دوائیاں۔ بادشاہ کے تجارتی احکام
اور کسٹم چوکیاں۔ وغیرہ

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

میں پیش آیا۔ اور اسوقت علیشاہ ٹھٹھہ (سندھ) سے واپس آرہا تھا۔ جسرت گکھڑ اسکی قلیل جمعیت دیکھ کر پنجاب میں اسکا سدراہ ہوا۔ اور حرب وضرب کے بعد اس نے علیشاہ کو زندہ گرفتار کرلیا۔ اور غنیمت بیشمار

Marfat.com

حصول سلطنت پر بھائی بھائی اور باپ بیٹے میں جنگ

جب جہانگیر کی تخت نشینی پر اس کے بیٹے خسرو نے بغاوت کی اور وہ آگرہ سے بھاگ کر لاہور کی طرف اپنی جمعیت بنانے اور باپ کا مقابلہ کرنے کے لئے بھاگ آیا۔ اور بادشاہ نے اس کے تعاقب میں اپنے معتمد افسر بھیجے تو افسروں نے بادشاہ سے دریافت کیا کہ اگر وہ بغیر لڑائی کے قابو نہ آئے۔ تو کیا ارشاد ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ معاملات سلطنت میں

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ۔

حاصل کر کے مغرور و متکبر ہوگیا۔ اس زمانے میں خضر خان کا بیٹا مبارک شاہ دہلی کا بادشاہ اور ملک رجب بن سدہومی نادری دیپال پور اور پنجاب کا گورنر تھا۔ کشمیر کی بیسیوں تاریخیں جن میں غیر مطبوعہ کی کثرت ہے۔ سیر المتأخرین اور تاریخ فرشتہ کی تائید نہیں کرتیں۔ اور نہ علیشاہ کے حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نواح پنجاب میں کبھی جسرت کے ہاتھ میں گرفتار ہوا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ شاہی خان نے جسرت سے امداد لے کر جو حملہ علیشاہ پر کیا تھا۔ اس میں جسرت بھی شامل ہو۔ چونکہ اسی لڑائی میں علیشاہ گرفتار ہوکر پکھلی میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اسلئے مؤرخین ہند نے اس خیال سے کہ شاہی خان کے ساتھ افواج جسرت ہی کی کثرت تھی۔ جسرت ہی کے ہاتھ میں علیشاہ کا گرفتار ہونا لکھدیا۔

Marfat.com

کوئی خویشاوندی نہیں ہے ۔ نرمی سے گرمی سے ۔ جس طرح وہ دام ہو سکے اُسے قابو کرو ۔ اور اگر دوران جنگ میں اس کی جان بھی چلی جائے تو اس کی کوئی باز پرس نہ ہوگی ۔ بلکہ وہ اپنے کئے کی سزا پائے گا ۔

معاملات سلطنت تو بڑی بات ہیں ۔ معمولی معمولی باتوں پر حقیقی بھائیوں اور باپ بیٹوں تک میں خون خرابے ہو جاتے ہیں ۔ لیکن بعض امورات میں کوئی نہ کوئی حکمت الٰہی بھی پوشیدہ ہوتی ہے ۔ مثلاً اگر خسرو تخت پر بیٹھ جاتا تو وہ اپنی عادات اپنے اخلاق اور اپنی اور اپنے ہم جلیسوں کی نالائقیوں کی وجہ سے حکومت کے قطعی ناقابل تھا ۔ ملک میں خانہ جنگیوں اور بغاوتوں کا بازار گرم ہو جاتا اور رعیت و راعی دونوں تباہ ہو جاتے ۔

دارا شکوہ اور اس کے بھائیوں کے قتل اور شاہجہاں کے قید کے واقعات واقعی بڑے دردناک ہیں اور اس لحاظ سے اورنگ زیب کی تصویر نہایت ہیبت ناک اور خونریز نظر آتی ہے اور یہ بھی صحیح ہے ؎

شربت سلطنت و جاہ چنان شیرین است
کہ شہان از پئے آن خون پدر اور ریزند

لیکن کوئی نہیں جانتا کہ دارا شکوہ باوجود شاہجہان کی ہر قسم کی امداد کی کسی لڑائی میں کامیاب نہ ہو سکا ۔ اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ وہ ایک صوفی مزاج شہزادہ تھا ۔ اور سلطنت کی اہلیت نہ رکھتا تھا ۔ اسکے دوسرے بھائی اخلاقی حیثیت سے

Marfat.com

تمام عیوب کے ملجاد و ماویٰ تھے۔ اورنگ زیب گو سب سے چھوٹا تھا۔ لیکن نواب سعد اللہ خان وزیر شاہجہاں نے اورنگ زیب کی شاہزادگی کے عالم ہی میں کہہ دیا تھا۔ کہ اورنگ زیب ہی زیب اورنگ ہوتا نظر آتا ہے۔ اور کون نہیں جانتا کہ اس فرزانہ وزیر کی پیشین گوئی حرف بہ حرف صحیح نکلی۔

یہی حال شاہی خان اور علیشاہ کے متعلق قیاس کیا جاتا ہے۔ علیشاہ سے تمام رعایا ناراض تھی۔ شاہی خان نے وزیر ہو کر تمام رعایا کی دلجوئی کی۔ جب علیشاہ حج کو روانہ ہوا ہے اور جموں اور راجور کے راجاؤں نے اُسے بھائی کی طرف سے بدگمان اور ثواب حج سے محروم کر کے بھائی کے ساتھ جنگ کرنے بھیجا ہے تو شاہی خان نے اس بدگمانی کو اپنی ذلت و تحقیر کا باعث سمجھ کر جنگ کا مقابلہ جنگ سے کیا۔ ظاہر بین نگاہوں میں شاہی خان کو ایسا نہ کرنا چاہئے تھا۔ لیکن کس کو خبر تھی کہ درحقیقت اس بدگمانی و سرکشی اور بڑے بھائی کی شکست و نظربندی اور چھوٹے بھائی کی تخت نشینی و بادشاہی کے پردہ میں کشمیر کے انتہائی عروج کے اسباب پیدا کر رہی ہے۔

شاہی خان سے زین العابدین قدرت نے جسکو بطن مادری سے باہر آتے ہی شاہ رخ بنا دیا تھا۔ عوام نے اس کو شاہی خان کا خطاب دیا۔ اور جب سید حسین خوارزمی جیسے عابد و مرتاض بزرگ کی قبولیت دعا کا

Marfat.com

وقت آیا۔ تو شاہی خان کا نام زین العابدین رکھا گیا۔ جو واقعی اپنے تزکیۂ نفس اور اپنی عبادت و ریاضت سے زین العابدین اور اپنی طویل حکومت و رعایا پروری اور ہر دلعزیزی سے بڈشاہ یعنی بادشاہ اعظم ثابت ہوا۔

تخت نشینی کا ایک مصرع

بادشاہ نے تخت نشین ہونے کی خوشی میں عظیم پیمانہ پر ایک جشن کیا۔ اور شان و شوکت سے ایک جلوس نکلا۔ شاعروں نے جلوس و جشن۔ اور تخت نشینی پر قصیدے لکھے۔ تاریخیں بھی کہیں۔ جو مقدر میں تھا۔ وہ انعام بھی لیا۔ لیکن ایک تاریخ جس سے ایک اس کی مسند آرائی کا مادّہ نکلتا ہے۔ نہ صرف اس سے بادشاہ کی آئندہ زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ بلکہ اس عام احساس کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ جو رعایا اس کے متعلق رکھتی تھی۔ یہ تاریخ ہے۔ ؎

سایہ الطاف خدائے واہب

۸۲۶ھ میں بادشاہ نے تخت کو قدموں کے نیچے اور تاج کو جو اس کا خاندانی اور پشتینی کلاہ تھا۔ سر پر رکھا۔

عہدوں کی تقسیم

بادشاہ نے اپنے بڑے بھائی علیشاہ کو جس کا وہ نائب السلطنت تھا۔ پکھلی میں نظر بند رکھا تھا۔ چھوٹا بھائی محمد خان۔ ۔ مرچکا تھا۔ اس کو نائب السلطنت یعنی وزارت عظمیٰ کا عہدہ تفویض کیا۔ بہت رینہ اور احمد رینہ کو منصب سپہ سالاری عطا کیا۔ ملک مسعود ٹھاکر کو اپنے بھائی

Marfat.com

کے ماتحت مدارالمہامی کا عہدہ عنایت کیا۔ لیکن محکمہ عدالت وانصاف کا اعلیٰ عہدہ جس کا نام قاضی القضاۃ تھا۔ اس وقت تک اپنے ہاتھ میں رکھا۔ جب تک اُسے قاضی جمال الدین جیسا قابل جج نہ مل گیا۔

تخت نشینی پر قیدیوں کی رہائی

تخت نشینی پر بادشاہ کے کسی خاص اعلان کا پتہ نہیں ملتا۔ لیکن تخت کے بعد اس نے اپنی قابل تقلید رعایا پروری سے جو لازوال شہرت حاصل کی ہے۔ وہ ظاہر کر رہی ہے کہ بادشاہ کی نظروں میں سب مذاہب کی یکساں عزت تھی۔ اس کا طرز عمل ہی اس کے گفتار و کردار کا مظہر ہے۔ اس نے تخت نشین ہو کر نہ صرف اپنے بھائی کے زمانہ کے بلکہ سلاطین سابق کے عہد کے بھی تمام قیدی رہا کر کے زندان خانے بالکل سنسان کر دئیے۔

بادشاہ کے رضاعی بھائی

بادشاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی جب نگاہ دوربین سے چاروں طرف دیکھا۔ تو اس سے نظر آیا کہ ملک میں فتنہ پردازوں کی ایک جماعت موجود ہے جو اپنی ذاتی اغراض یعنی لوٹ مار کے لئے ملک میں شورش وسرکشی کے آثار پیدا کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے نہایت نرمی وملائمیت اور کمال حکمت وتدبر سے خون کا ایک قطرہ بہانے کے بغیر اس جماعت کے کئی سرکردہ لوگوں کو وظائف وجاگیرات عطا کر کے یا تو اپنا فرمان

Marfat.com

بردار بنالیا یا اپنی حکمت عملی سے کام لیکر ان کو ذلیل و خوار اور کمزور و بے جان کردیا۔

لیکن کوچکان جو کئی پشتوں سے سلاطین کے کوکہ چلے آتے تھے۔ اور بادشاہ کے دودھ بھائی کہلاتے تھے۔ اس قدر عروج پا چکے تھے کہ امورات سلطنت میں داخل انداز ہوتے تھے۔ اور اپنے رسوخ کی وجہ سے بعض اوقات بادشاہوں کے احکام کو بھی پس پشت ڈال دیتے تھے۔ زین العابدین ان کا تسلط و تغلب نائب السلطنت ہونے ہی کے زمانہ سے دیکھ رہا تھا۔ لیکن اب جبکہ وہ بادشاہ ہوگیا۔ اس نے ان کا رعب و داب اور اثر و رسوخ کم کرنا شروع کیا۔

بادشاہ کے دودھ بھائی اپنی یہ بے عزتی نہ دیکھ سکے۔ انہوں نے بادشاہ کا مقابلہ کیا۔ اور بادشاہی احکام بلکہ شاہی افواج کو تنگ کرنے لگے۔ بادشاہ نے اپنی حکمت عملیوں سے ان میں پھوٹ ڈالی۔ کئی ایک کو جاگیریں عطا کیں۔ کئی ایک انعام واکرام کی وجہ سے جاسوسی کا کام دینے لگے۔ آخر اس جماعت کے تین سرکردہ کسی نہ کسی طرح بادشاہ کے پاس نوشہرہ میں پہنچائے گئے۔ بادشاہ نے ان کو اور ان کے چند ساتھیوں کو اس حکمت و دانائی اور حسن تدبیر سے قتل کرادیا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔

فرقہ کوچکان کے باقی لوگ شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں سے

Marfat.com

باز آکر بادشاہ کے دربار میں آ گئے۔ اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ بادشاہ رحم والطاف کا مجسم نمونہ تھا۔ اُسنے سب کی جان بخشی کی۔

بادشاہ کو تخت نشین ہوتے ہی سب سے زیادہ زبردست طاقت جو اپنے مقابلہ کی نظر آئی۔ وہ سلطان کے کوکوں کا غلبہ واقتدار تھا۔ اب اس کے مٹ جانے اور رضاعی بھائیوں کے راہ راست اختیار کر لینے پر اس نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا۔

ہندؤں کی دلجوئی

زین العابدین کی تخت نشینی سے پیشتر ہی اس کے باپ اور بھائی کے زمانہ میں کشمیر کے کئی ہندو بعض جدید قوانین کی سختیوں کی تاب نہ لاکر یا تو اسلام قبول کر چکے تھے۔ یا ترک وطن کر کے ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ جب زین العابدین خود تخت پر بیٹھا اور ملک کو سرکشوں اور اور باغیوں اور رضاعی بھائیوں کے فتنہ وفساد سے پاک کر چکا۔ تو اس نے رعایا کی آبادی وسرسبزی کی طرف توجہ کی۔ سب سے پہلے اس نے ہندوؤں کی دلجوئی کی۔ جو اب کشمیر میں خال خال نظر آتے تھے۔ اس نے "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّین" کی تفسیر وتشریح کے لئے بڑے بڑے علماء سے گفتگو کی۔ اور بتایا کہ میرے باپ اور بھائی کے زمانہ میں "لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْن" کے خلاف عمل ہوتا رہا ہے۔ انہوں نے غیر اقوام اور غیر ممالک میں اسلام کو ایک خوفناک مجسمہ بنا کر پیش کیا ہے۔ حالانکہ اسلام ایک خوشنما قابل عمل اور آسانیاں پیدا کرنے والا مذہب ہے۔ جو فطرت کے

Marfat.com

عین مطابق ہے۔

چنانچہ زین العابدین نے باپ اور بھائی کے عہد کے تمام قوانین و آئین جو عزقوم کے لئے سوہان روح کا باعث تھے۔ یک لخت موقوف کر دئے۔ جو لوگ ترک وطن کر چکے تھے۔ ان کو واپس بلوایا۔ ان کو بہت سی مراعات دیں۔ اور ان کو اپنا بندہ بے دام بنا لیا۔ ان تمام مراعات و احسانات کا ذکر علیحدہ ایک باب میں کیا جائے گا۔

سوکن کے جلاپے کا ایک دلچسپ مقدمہ

اس کی فراست میں بہت کچھ کتابوں میں لکھا ہے۔ مسطور ہے کہ ایسے کام کی تہ کو جس کے حل کرنے میں اکثر لوگ عاجز ہو جاتے تھے۔ وہ بخوش اسلوبی پہونچ جاتا تھا۔ ایک شقی القلب عورت کا ذکر ہے کہ اس نے سوکن کے جلاپے کی عداوت سے اندھی ہو کر اپنے صغر سن بچے کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر کے مشہور یہ کر دیا۔ کہ اس کی سوتیلی ماں نے اس کو مار ڈالا ہے۔ ماتحت عدالتوں سے ہوتے ہوتے یہ مقدمہ سلطان تک پہونچ گیا۔ اس نے ملزمہ کو خلوت میں طلب کیا۔ اور معافی کا وعدہ دیکر اصل حقیقت دریافت کرنی چاہی۔ لیکن وہ بدستور اس حرکت کے ارتکاب سے انکار کرتی رہی۔ آخر سلطان نے بہت کچھ سخت و سست کہنے کے بعد کہا کہ اگر تو سچی ہے اور بے گناہ ہے تو کپڑے اتار کر تمام لوگوں کے سامنے برہنہ کھڑی ہو جا۔

Marfat.com

اور اسی برہنگی کی حالت میں کوچہ و بازار سے ہوتی ہوئی اپنے گھر چلی جا - عورت نے شرم و حیا سے سر نیچا کر لیا - اور کہا "نزد من مُردن بہ ازیں عمل است - بہ خون خود راضی شدم - ولیکن اختیار ایں عمل بخود قرار نمے توانم داد"[1]

سلطان نے اس کے بعد مدعیہ کو بلوایا - اور اسے بھی وہی کچھ کہا جو متہمہ عورت کو کہا تھا - مدعیہ نے برہنہ ہونے اور برہنگی کی حالت میں اپنے گھر تک جانے پر آمادگی ظاہر کی - بلکہ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لئے کپڑے اتارنے لگی - بادشاہ نے اس بے حیائی و برہنگی سے اُسے منع کیا - اور کہا یہ کام تمہارا ہی ہے - تم نے اپنی سوکن پر محض عداوت کی وجہ سے تہمت لگا رکھی ہے - لیکن اس عورت نے پھر بھی انکار کیا - اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو تازیانے لگائے جائیں - چنانچہ اس نے اپنے مجرمہ ہونے کا اقبال کر کے اس دردناک قتل کی تمام کیفیت من و عن بیان کر دی - اور آخر اپنے کئے کی سزا پائی -

چوری کا انسداد صاحب طبقات لکھتے ہیں - اس کے عہد میں جہاں کہیں چوری کا کوئی واقعہ ہوتا - مال و اسباب کا نقصان اس موضع کے باشندوں سے وصول کر لیا جاتا اس طریق سے اس کے زمانہ میں چوری بالکل بند ہو گئی تھی -

---

[1] طبقات اکبری - صفحہ ۳۰۶

Marfat.com

صاحب وجیز التواریخ بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں جہاں کہیں چوری کی خبر سنی جاتی۔ شہر کے رئیس اور علاقہ کے کوتوال سے مال مسروقہ کی قیمت وصول کی جاتی۔ اور یہ رقم جو اس زمانہ میں تاوان کے نام سے موسوم تھی۔ اس شخص کو باخذ رسید دی جاتی۔ جس کا مال چوری ہو جاتا۔

مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم میں ان دونوں کی تصدیق کی گئی ہے۔ اور لکھا ہے اس قسم کے قوانین اور اشتہارات سے چوری اس کے عہد میں بالکل عنقا ہو گئی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات بادشاہ کے ذہن نشین ہو گئی تھی کہ گاؤں میں جو لوگ صاحب اثر ہوتے ہیں۔ چوریاں ان کے ایما سے ہوتی ہیں۔ اور وہ ان میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ اسی لئے اس نے چوروں کو سزا دینے کی بجائے گاؤں کے ذمہ دار لوگوں پر مال مسروقہ کی قیمت کا تاوان ڈال رکھا تھا۔

مجرموں کو سزائیں بادشاہ نے کسی کے قتل سے اپنے ہاتھ بہت کم آلودہ کئے ہیں۔ محکمہ انصاف ملت تک اس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ بلکہ سمجھنا چاہئے کہ وہ بادشاہی

ل یہ حقیقت آج بھی واقعات پر مبنی ہے۔ کشمیر کے دیہات میں عموا چوریاں وغیرہ اکثر نمبرداروں چوکیداروں بلکہ بعض مقامات پر ذیلداروں تک کے ایما وعلم سے ہوتی ہیں۔

Marfat.com

کے علاوہ عرصۂ دراز تک جب تک کہ اس نے قاضی جمال الدین کو عہدہ مفتاء اعلیٰ مرحمت نہیں فرمایا۔ چیف جج کے فرائض بھی خود ہی ادا کرتا تھا۔ اس نے کسی کے قتل کا حکم دینے میں بڑی پس وپیش اور مقدمہ کے نشیب و فراز اور واقعہ کے صدق وکذب پر گھنٹوں غور کیا ہے۔ اس کے عہد میں بڑی سے بڑی سزا یہ تھی کہ مجرموں کے پیروں میں بیڑیاں ڈالکر ان سے سلسلۂ تعمیرات میں مٹی اور پتھر کی ڈھلائی کا کام لیا جاتا تھا۔

بادشاہ کے جشن ہائے سالگرہ

بادشاہ اپنی سالگرہ ہر سال مناتا تھا۔ اس تقریب پر جشن بڑی دھوم سے ہوتا تھا۔ رات کو دریائے بہت (جہلم) کے کناروں پر اس آب وتاب سے جشن چراغاں کرتا تاکہ تمام شہر بقعۂ نور بن جاتا۔ مستحقین اپنے حقوق حاصل کرتے۔ غرباء اور نادار لوگ خیرات کی مدد سے اپنا پیٹ پا لیتے۔

شفاخانے اور دوائیاں

شری بٹ پنڈت نہ صرف افسر الاطباء ہی تھا۔ بلکہ بادشاہ نے جو شفاخانے تیار کرائے تھے۔ جن میں مریضوں کو دوائیں مفت ملتی تھیں۔ وہ سب بھی اُس کی نگرانی میں تھے۔ بادشاہ نے بہت سی طبی کتب بھی ہندی سنسکرت اور عربی و فارسی میں ترجمہ کرائیں۔

معلوم ہوتا ہے اس کی ہمدردی عورتوں کے ساتھ بھی تھی۔ سمرقند سے واپسی کے وقت دیگر ارباب صنائع کے ساتھ دائیوں

Marfat.com

کی ایک جماعت بھی اپنے ہمراہ لایا۔ جیساکہ تاریخ اعظمی[1] میں مذکور ہے۔

جمعے از ارباب صنائع را مثل کاغذگر و صحاف و قالین باف و زین ساز و قابلہ با کہ وقت وضع حمل خدمت عورات بہ کنند۔ باخود بہ کشمیر آورد۔

حرمت ماہ رمضان بادشاہ کو اپنی انتہائی رحم دلی کی وجہ سے شکار سے نفرت تھی۔ بلکہ رمضان کا سارا مہینہ گوشت سے قطعی پرہیز کرتا تھا۔ اس سے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ حرمت ماہ رمضان کے لئے اور کیا کچھ نہ کرتا ہوگا۔ افطاری کا انتظام بادشاہ کی طرف سے کس اہتمام سے ہوتا ہوگا۔ اور نوشہرہ کی شاہی مسجد میں بادشاہ کس ذوق و شوق سے تراویح کے لئے آتا ہوگا۔

زینہ جامہ بادشاہ نے اپنے عہد میں زینہ گیر کو آبادی و آبپاشی و باغات و ایوانات کی کثرت سے نمونہ خلد بنا رکھا تھا۔ اُس زمانے میں یہاں پٹو سازوں کی بھی کثرت تھی۔ اور تمام کشمیر میں زینہ گیری پٹو سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا۔ بادشاہ نے ایک کرتہ ایجاد کیا تھا جس کو زینہ جامہ[2] کہتے تھے۔ اور وہ عموماً

---

۱ صفحہ ۴۸، مطبوعہ لاہور

۲ تاریخ خواجہ اعظمی صفحہ ۶۷

Marfat.com

اُسی پٹو کا بنتا تھا۔[1]

کشمیر میں لباس کی تبدیلی سنہ ۱۳۸۵ء سے شروع ہوئی ہے۔ جبکہ امیر کبیر میر سید علی ہمدانی تیسری مرتبہ کشمیر آئے۔ اور سلطان قطب الدین کو کشمیر کے قدیم لباس سے جو تنگ اور چست ہوتا تھا۔ منع کیا۔ اور عرب کا لباس ایک لمبا کرتہ جس کو اب ہم پھرن کی شکل میں دیکھ رہے ہیں۔ پہننے کا مشورہ دیا۔ یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کرتہ کس قسم کا تھا۔ جس کو زینہ جامہ کہتے تھے۔

پولیس چوکیاں

کشمیر کی پہاڑیوں نے کشمیر کی وادی کو چاروں طرف سے محفوظ رکھنے میں بہت مدد دی ہے۔ لیکن ملک کی زیادہ حفاظت کے لئے کوہستانی دروں پر زمانہ قدیم ہی سے چوکیوں کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے۔ یہ چوکیاں عموماً قلعہ یا گڑھی کی صورت میں ہوتی تھیں۔ جن میں فوج اور پولیس کی تعداد رہا کرتی تھی۔ جو اس بات کی ذمہ دار ہوتی تھی۔ کہ کوئی شخص بلا اجازت یا بلا پروانہ ملک سے باہر نہ جا سکے نہ اندر آسکے۔ چنانچہ حبیب راجہ سسل کا قاتل اتل پشیان نازکی طرف

[1] صالحہ باجی بیگم سلطان محمد شاہ نے خانقاہ معلی کی مرمت و تعمیر کے اختتام پر معماروں نجاروں اور مزدوروں کو بجز اکرام پوش پٹو کے علاوہ زینہ گیری پٹو کے بارہ سو زینہ جامہ بھی انعام میں دیئے تھے۔ تاریخ اعظمی صفحہ ۷۶

Marfat.com

سے جس کا موجودہ نام پشیان ہے۔ کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا۔ تو ہور پور کی چوکی کے محافظوں نے اس کو گرفتار کر لیا۔

پولیس اور فوج کی ذمہ داریاں علیٰحدہ علیٰحدہ بھی تھیں۔ پولیس تو انتظام کو برقرار رکھتی اور پروانہ راہداری دیکھتی تھی۔ اور فوج پہاڑی شورہ پشتوں سے میدانی لوگوں کو محفوظ رکھتی تھی۔ قدیم ہندو زمانہ میں ان تمام سرحدی مقامات کے اختیارات ایک اعلیٰ سرکاری افسر کے سپرد ہوتے تھے۔ جسے دوارپتی یا اسی قسم کے کسی اور نام سے مخاطب کیا جاتا تھا۔

اس طریق کار کا حوالہ عہد بڈشاہ کے نامور مؤرخ پنڈت زونراج نے بھی دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ پروانہ راہداری کے سلسلہ میں بڈشاہ کے زمانہ میں بھی اس کے سخت احکام کے باوجود عہد قدیم کا جبر و تشدد قائم تھا۔ اور پولیس لوگوں سے جبریہ رقمیں وصول کر کے ان کو ملک سے باہر جانے یا اندر آنے کی اجازت دیتی تھی۔

تجارتی احکام سوداگروں کا قاعدہ تھا۔ کہ جو مال وہ نیہاتِ و مضافات یا بیرون کشمیر سے لایا کرتے تھے۔ اس کو گراں تر بیچنے کے لئے چھپا رکھتے۔ تجارت کے متعلق اسلام

لہ اس کا قدیم نام شورپور ہے۔ راجہ اونتی ورمن کے وزیر شور نے اسے نویں صدی عیسوی میں آباد کیا تھا۔ اکبر کے زمانہ میں اس کا نام ہورپور یا ہیرہ پور تھا۔ اب بھی یہی نام ہے۔

Marfat.com

نے جو احکام دے رکھے ہیں۔ بادشاہ خود فقہ و حدیث کا عالم ہونے کی وجہ سے ان سب سے آگاہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رسول خدا[1] کا ارشاد ہے کہ جو شخص غلہ روک رکھے اور زیادہ تر گرانی کا منتظر رہے۔ وہ سخت گنہگار ہے۔ وہ اس حدیث سے بھی باخبر تھا کہ جو شخص غلہ لاکر بہ نرخ حال بیچتا ہے۔ اس کی روزی میں خدا برکت دیتا ہے۔ اور جو شخص گرانی کی خاطر غلہ کو روکے رکھتا ہے وہ رضائے حق سے دور کر دیا جاتا ہے۔

اس لئے بادشاہ نے نہایت سختی سے سوداگروں کے نام احکام جاری کئے کہ جو شخص اپنا مال گراں بیچنے کے لئے پوشیدہ رکھتا ہے اور زیادہ منافع لگاکر فروخت کرتا ہے وہ سرکار کا مجرم ہے۔ کوئی شخص اپنا فروختنی مال پوشیدہ نہ رکھے۔ بلکہ بہت کم منافع پر فروخت کر دیا کرے[1]۔

محصول تجارت معاف تھا۔

سٹین صاحب اپنے ترجمہ راج ترنگنی میں ہند و عہد قدیم کی پولیس چوکیوں کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے ایک موقع پر یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ پولیس کے فرائض میں تجارت کا محصول کرنا بھی داخل تھا۔ پھر ایک اور جگہ لکھتے ہیں کہ شور پور (موجودہ نام ہیرپور) ہر زمانہ میں محصول درآمد کی ایک زبردست چوکی رہی ہے۔ پنجاب

---

[1] طبقات اکبری مطبوعہ۔ و وجیز التواریخ غیر مطبوعہ۔

سے کشمیر کے تجارتی تعلقات زیادہ تر اسی رستے قائم تھے۔[1] ان حوالجات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ازمنہ ہنود میں تجارت پر محصول تھا۔ اور پولیس کے ذریعہ وصول کیا جاتا تھا۔ بڈشاہ کے زمانہ میں اس محصول کا کوئی ثبوت کہیں نہیں ملتا۔ اور صاحب وجیز التواریخ تو صاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ اس بڈشاہ کے زمانہ میں تجارت پر کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا۔ اور غالباً اسی رعایت کی وجہ سے وہ سوداگروں کو مال گران نہ بیچنے اور بہت کم منافع لگانے کے احکام صادر کیا کرتا تھا۔

حمالوں اور قلیوں کی بستی

انقلاب حکومت و مذہب کی وجہ سے ہیرہ پور کی چوکی کی پہلی شان قائم نہ رہی تھی۔ زین العابدین نے اس تجارتی رستہ کی اہمیت کو دوبارہ قائم کر کے مسافروں کے لئے ایک لنگر خانہ جاری کیا۔ اور علاقہ الھبیار (موجودہ نام بھمبر) سے حمال اور قلی لا کر یہاں آباد کئے۔ چنانچہ ہیرپورہ پشیان اور دنہ بیر پنچال کے قریب اب بھی پیشہ ور حمال اور قلی بکثرت پائے جاتے ہیں۔

---

[1] ہیرہ پور ایک رفیع پہاڑی کا نام ہے۔ جو گجرات بھمبر تھنہ سے کشمیر کو جانے ہوئے رستہ میں آتا ہے۔ یہ مقام شاہی سڑک کا مشہور پڑاؤ ہے۔

[2] راج ترنگنی مری در ترنگ ع ۱ شلوک ع ۴۸ بحوالہ اردو ترجمہ راج ترنگنی کلہن

Marfat.com

بادشاہ کی دریائی سیاحتیں

بادشاہ بالعموم سیر و سیاحت میں رہتا۔ میدانی سیر کی طرح وہ دریائی تفریحات کا بھی عاشق تھا۔ اور بلند و رفیع پہاڑوں پر بھی جہاں وسیع و عمیق چشمے ہوتے تھے۔ وہ کشتی کی سیر کیا کرتا تھا۔

سب سے پہلے ہم بتاتے ہیں کہ اس کے زمانے میں کشتیاں کس قسم کی اس ملک میں رائج تھیں۔ ایک قسم لرۂ ناؤ کہلاتی تھی۔ اس کو آج کل کا ہاؤس بوٹ سمجھنا چاہیئے۔ اس کا طول ۲۰ گز سے ۳۰ گز اور عرض چار سے پانچ گز ہوتا تھا۔ اس کشتی کے درمیان اس کی نوکدار سمت کی طرف جو سطح آب سے بہت اونچی رہتی تھی۔ ایک قد آدم آشیانہ یعنی سقف بنایا جاتا تھا۔ جس کو حکام و سلاطین کے لئے سجایا جاتا۔ اس کے ہر دو جانب چالیس پچاس ملاح بیٹھتے اور اس ہاؤس بوٹ کو اس طرح چلاتے کہ وہ پانی پر چلتا نہیں بلکہ ڈولتا نظر آتا۔ اس قسم کی کشتی۔ دریا۔ ڈل اور ولر کے سوا اور کہیں استعمال نہ ہو سکتی تھی۔

کشتی کی دوسری پرندہ کہلاتی تھی۔ اس کا طول بیس سے تیس گز اور عرض چار گز تک ہوتا۔ اس کی نوک پر ایک مربع بنگلہ تیار کیا جاتا۔ جس میں حکام و سلاطین نشست فرماتے۔ لرۂ ناؤ اور پرندہ یہ دونوں قسم کی کشتیاں بادشاہ

Marfat.com

اور حکام کے لئے مخصوص تھیں۔

چشمہ کوثر ناگ میں بادشاہی کشتی

شوپیاں کے بلند پہاڑ پر یہ مشہور و معروف چشمہ واقع ہے۔ اس کا دور تین چار میل تک بتایا جاتا ہے۔ اور شکل اس کی کف پا سے مشابہت رکھتی ہے۔ ملہنڈوں کا خیال ہے کہ یہاں وشن جی بیٹھے تھے۔ ان کے پاؤں کے نیچے سے یہ چشمہ پھوٹ نکلا۔ اس کا پانی ہمیشہ نیلگوں رہتا ہے۔ اور اس کے عین درمیان برف کے ٹکڑے نظر آتے ہیں۔ اس کی بلندی سطح سمندر سے ۱۲۵۵۳ فٹ ہے بیان کیجاتی ہے۔

بادشاہ کی ہیر نگئی فطرت اور نظارہائے قدرت کا عاشق تھا۔ اس قدرت بلند مقام پر پہنچا اور مرغزار و چشمہ سار کے لطف اٹھاتا۔ کوثر ناگ میں سیر کرنے کے لئے اس نے چوب صندل کی ایک خوشنما کشتی بنا رکھی تھی۔ جو ہمیشہ اس چشمہ پر رہا کرتی تھی۔ صاحب تاریخ حسن زینہ ترنگنی کے حوالہ سے لکھتے ہیں "مصنف زینہ ترنگنی می نگارد۔ کہ سلطان زین العابدین درموسم تابستان برائے سیر و سیاحت و کسب ہوا برکوہ کوثر قطع فرصت می کرد۔ واکثر اوقات دریں کوثر ناگ بہ سوارئے سفینہ یکے از بندگان آن زماں کہ مربی او بود۔ ہمراہ گرفتہ در مطالع و مزاولہ تصانیف۔ تصوف و بحث دقائق و نکات

Marfat.com

آن اوقات خود در سیر چشمہ مصروف می داشت"۔
بادشاہ کی علم دوستی کی انتہا یہ ہے کہ سیر و تفریح کے اوقات کو بھی مطالعہ و علمی مباحثہ میں صرف کرتا۔

کوثر ناگ پر ایک ہولناک واقعہ

مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے "میں ایک مرتبہ احباب کے ہمراہ اس چشمہ پر گیا۔ ایک ہمراہی نے اس میں نہانا شروع کیا۔ تھوڑا سا تیرنے کے بعد وہ باہر آیا ابھی اس کے پاؤں پانی کے اندر ہی تھے کہ اس نے شور مچانا شروع کر دیا۔ ہم اس کو کشاں کشاں ساحل پر لائے۔ دیکھا کہ ایک جانور نے جو دو گز لمبا سمت اسفل سے ایک گز اور سر کی جانب سے آٹھ گرہ چوڑا ہے اس کے دونوں پاؤں کو منہ میں ڈالا ہوا ہے"۔ "ہر چند از سنگ و چوب و تبر مضروب ساختیم۔ مؤثر نگشت" یہاں تک کہ ہمارا رفیق زانو تک اس کے منہ چلا گیا۔ جب ہم نے کوئی تدبیر اس سے چھٹکارے کی نہ پائی تو ہم نے اس کے سر پر لکڑیاں رکھکر ان کو جلانا شروع کیا۔ جب آگ زیادہ بھڑکی تو بندوق و توپ کی سی ایک آواز نکلی۔ وہ جانور ہمارے رفیق کو لئے ہوئے ہوا میں اچھلا۔ اور دریا میں جا پڑا" "آن اجل رسیدہ طعمہ خود نمود"
مصنف مذکور لکھتے ہیں۔ اس جانور کا پوست دانہ

دار تھا- اور اس پر چوب وحجر کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا-
اس چشمہ کا پانی اپنے منبع سے نکل کر دو حصوں میں تقسیم ہو جاتا ہے- جنوبی حصہ کا پانی دریائے چندر بھاگا (چناب) میں اور دوسرے حصہ کا پانی کشمیر کی طرف آجاتا ہے- اور اس چشمہ کی گہرائی بحساب اوسط دو سو گز عمیق بتائی جاتی ہے-

ہرمکھ گنگا میں بادشاہ کی دریائی سیر

کوہ ہرمکھ کے دامن میں بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر قریب ½ میل لمبا اور ۲۵۰ گز چوڑا چشمہ ہے- کشمیر کے ہندو اسے ہردوار کے برابر مقدس خیال کرتے ہیں- ہر سال ماہ اگست میں یہاں میلہ ہوتا ہے- جس میں ہزاروں ہندو جمع ہوتے ہیں- دریائے گنگا کی طرح اس میں بھی مردوں کی سوختہ ہڈیاں یعنی پھول اڑائے جاتے ہیں- گرمیوں کے ایک دو مہینوں کے سوا یہاں بھی کوثر ناگ کی طرح ہمیشہ برف جمی رہتی ہے-
اس وسیع وعریض چشمہ کو گنگابل بھی کہتے ہیں- بادشاہی کشتیاں یہاں بھی موجود رہتی تھیں- جب کبھی بادشاہ آتا اور ہر تابستان میں ضرور آتا- تو وہ اس آسمانی تالاب میں جو قلہ کوہ پہ قدرت نے پیدا کر رکھا تھا- کشتیاں ڈالتا- اس کے قدیم مصاحب اس کے ہمراہ

Marfat.com

ہوتے - اور وہ سب دریائی تفریحات سے اپنے دلوں کو بہلاتے -

ڈل اور ولر کی سیر

ڈل میں سونہ لنک اور ولر میں زینہ لنک اُس کی یادگاریں اب تک کسی نہ کسی صورت میں موجود چلی آتی ہیں - جب وہ دریا اور دریا سے ڈل اور ولر کی طرف نکل جاتا تو اپنے "لنکوں" میں اقامت گزین ہوتا - اور وہاں مختصر سے مصاحبوں کا جو اس کے ہمراہ ہوتے ایک چھوٹا سا دربار منعقد کرتا - اور کبھی امورات ملکی اور کبھی مذہبی نکات کی موشگافیوں میں اپنا وقت صرف کرتا -

Marfat.com

تیسرا باب

بادشاہ کے فوجی کارنامے

اہل کشمیر کی فوجی سپرٹ، فرق چک کی تباہی، جنگ کاشغر و تبت، پنجاب و دہلی پر حملے، فیروز شاہی عہد نامہ کی تکمیل، مفتوحہ ممالک کے ساتھ بادشاہ کا سلوک

اہل کشمیر کی فوجی سپرٹ

کشمیر کے راجگان قدیم میں اکثر راجے کشمیر ہی پر قناعت نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ہندوستان میں بنگال اور ہندوستان سے باہر لنکا، اور چین و افغانستان۔ اور ترکستان تک مار کرتے تھے۔ اور کامیاب ہو کے واپس آتے تھے۔ راج ترنگنی[1] جو آج سے تقریباً آٹھ سو سال پیشتر ک

---

[1] اندازہ حال تصنیف راج ترنگنی ۱۱۴۸ء یا ۱۱۴۹ء بعد راجہ جے سنگھ والی کشمیر

Marfat.com

تاریخ ہے۔ اس قسم کے جرأت آفرین واقعات سے لبریز ہے۔
کشمیر کے مسلمان مذہباً گوان سے مختلف تھے۔ مگر نسلاً انہی لوگوں کی اولاد تھے۔ اور جو نہیں تھے۔ یعنی بیرون ممالک سے کشمیر میں آئے تھے۔ وہ کشمیری تمدن و معاشرت اختیار کر کے کشمیر ہی کو اپنا وطن قرار دے چکے تھے۔
مسلمان بادشاہوں میں سلطان شہاب الدین کشمیر میں نامور بادشاہ گذرا ہے۔ اپنی فتوحات عظیمہ اور شجاعت بے نظیر کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہاب الدین غوری کی غیور فاتح روح اس کے اندر تڑپ رہی ہے۔
کشمیر کی تاریخوں میں عام اس سے کہ ہندوؤں نے لکھی ہیں یا مسلمانوں نے اس کے شجاعانہ کارناموں کا تفصیل سے ذکر ہے۔ لکھا ہے۔ ہزارہ، سورت۔ باجوڑ کو پامال کر کے یہ کابل تک جا پہنچا۔ وہاں سے بدخشان، نعمان، غزنی، غور، قندہار، ہرات کو فتح کرتا ہوا خراسان اور وہاں سے مراجعت کر کے کوہ ہندوکش کے رستے کشمیر آ گیا۔ اس کی فوج اس کے کمانڈر اس کے سپہ سالار سب کشمیری ہی تھے۔ اور اگر اس کی ہمت و جرأت اور اس کے شوق ملک گیری و ملک بخشی کا ساتھ اس کی افواج بھی دیتیں اور وطن کی محبت ان کے اوپر غالب نہ آجاتی تو معلوم نہیں وہ کہاں تک پہنچتا۔
تاریخ فرشتہ کا مصنف بھی اس کی فوجی سپرٹ کا اعتراف کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے "یہ بادشاہ (حاشیہ لہ بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

نہایت شجاع تھا۔ اس کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ جس دن فتح نامہ کسی مقام سے نہ آتا تھا۔ اس دن کو ایام عمر میں محسوب نہ کرتا تھا۔ اور کدورت کے آثار اس کے چہرہ سے ظاہر ہوتے تھے۔ یہ بادشاہ[1] آبِ سندھ کے کنارے تک پہنچا۔ وہاں کے حاکم کو جام کہتے تھے۔ اُسے شکست دی۔ قندھار اور غزنی تک اس کے نام سے لرزتے تھے۔ باسپ[2] نگری کی راہ سے جو اب باش نغر مشہور ہے۔ وہ پشاور میں گیا اور مخالفوں کی جماعت کثیر کو قتل کر کے کوہ ہندوکش میں داخل ہوا۔

شہاب الدین نے کشمیر میں سنہ ۷۶۰ھ / ۱۳۶۰ء سے سنہ ۷۸۰ھ / ۱۳۷۸ء تک حکومت کی ہے۔ ہندوستان میں اس زمانہ میں فیروز شاہی تغلق کی حکومت تھی[3]

شہاب الدین نے اس سے جنگ کی اور آخر سنہ ۷۷۵ھ میں ایک عہد نامہ لکھا گیا۔ جس کے رو سے سرہند سے کشمیر تک کا تمام علاقہ

---

۱ (حاشیہ صفحہ گزشتہ) تاریخ فرشتہ جو جہانگیر کے زمانہ میں لکھی گئی ہے۔ اس کے حصہ دوم میں بذمرہ سلاطین کشمیر اس کا ذکر ہے۔

۲ شہاب الدین کا بیٹا حسن خان سندھی بیگم کے بطن سے تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے سندھ کے حاکم کی جو اس زمانہ میں حاکم ٹھٹھہ کہلاتے تھے۔ بیٹی سے شادی بھی کر لی تھی۔

۳ باسپ نگر جس کا نام جہانگیر کے زمانہ میں باش نغر تھا۔ معلوم نہیں یہ جد کے کس مقام پر واقعہ ہے۔ ۳ عہد حکومت سنہ ۷۵۲ھ تا سنہ ۷۸۹ھ

سلطان شہاب الدین کے قبضہ میں آیا۔ چنانچہ صاحب گلزار کشمیر[1] شہاب الدین کے حالات میں کابل و بدخشان کے تصرف وتسخیر تبت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں " ازاں جا متوجہ دہلی گردید۔ برلب دریائے ستلج۔ فیروز شاہ مملکت طراز ہند محاربہ پیوست و فیروز شاہ چوں سرپنجۂ نبرد آزمائی را قوت تقابل ندید۔ بہ مصالحت از کشمیر تا سرہند جنوب رویہ مملکت سلطان شہاب الدین مسلم شد"

شہاب الدین کے بعد قطب الدین، پھر سکندر بت شکن اس کے بعد علیشاہ اور زین العابدین بڈشاہ یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے۔ یہ سب بہادری و شجاعت اور تلوار کے دھنی تھے۔ بلکہ بڈشاہ کے پڑپوتے سلطان محمد شاہ کے عہد (۸۹۳ھ) تک یہ جنگی روح اہل کشمیر میں موجود تھی۔ اور اس کا ثبوت تاریخ فرشتہ کے حوالہ سے جو معاملات کشمیر میں تاریخ رشیدی اور طبقات اکبری جیسی قدیم و مستند تاریخوں کا نچوڑ ہے۔ دیا جاتا ہے۔ فرشتہ لکھتا ہے۔

محمد خاں حسن شاہ بادشاہ کشمیر کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات کے وقت ۸۹۲ھ میں اس کی عمر صرف سات سال کی تھی۔ جب وہ مسند حکومت پر فائز ہوا۔ اس کا نام محمد خان کی بجائے محمد شاہ رکھا گیا۔ اور وزراء اور تمام وہ لوگ جن کے

---

[1] دیوان کرپارام مدار المہام مہاراجہ رنبیر سنگھ والی جموں و کشمیر

Marfat.com

سپرد خزانے اور فراش خانے تھے۔ تخت نشینی کے دن طلائی و نقرئی ہتھیار۔ قیمتی لباس اور متاع نفیسہ اس کے سامنے لائے۔ وہ خورد سال بچہ سب کچھ بغور دیکھتا رہا۔ (نہ اس نے خزانوں کی طرف نظر کی نہ قیمتی ملبوسات پر توجہ کی۔ نہ دوسرے سامان تعیش پر نگاہ ڈالی اس نے ان سب میں سے ایک کمان (اور بقول مؤرخین کشمیر تلوار) ہاتھ میں لے لی اور کہا یہ میرے پاس ہے تو ہر چیز میرے قبضہ میں ہے۔" اہل دربار اس خورد سال بادشاہ کی ذہانت وزیرکی پُر آفرین اور جزاک اللہ کہتے تھے۔ اور اپنے مشاہدہ کو اس کی بزرگی و مردانگی پر محمول کرتے تھے۔

کیا کسی اور ملک میں بھی بادشاہ ایسی شہادت موجود ہے۔ کہ سات سال کے بچہ کو جب تخت حکومت نصیب ہوا ہو اور خزانے اور جواہرات اور عجائبات اور اصطبل خانے اور ملبوسات نفیس اس کے سامنے پیش کئے گئے ہوں۔ تو اس نے ان سب کو کھلونے سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہو۔ اور تلوار یا تیر کمان کو ہاتھ میں لے کر کہا ہو۔ کہ یہ میرے قبضہ میں ہیں تو بادشاہی کے تمام لوازمات بھی میرے ہی پاس سمجھنے چاہئیں۔

غرض محمد شاہ میں بھی وہ تمام شاہانہ و شجاعانہ صفات تھیں

Marfat.com

موجود تھے جو شہاب الدین میں اور اس کے بعد سلاطین میں تھے۔
جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اس نے سب سے پہلے فرقہ کو چکان یعنی
اپنے دودھ بھائیوں کے فتنہ وفساد سے اپنے ملک کو پاک کیا۔

فرقہ چک کی تباہی

اس کے بعد فرقہ چک کی طرف توجہ کی۔
جس کا رئیس پانڈو چک زینہ گیر کی شاہی
عمالت کو اس لئے تباہ کر جاتا تھا۔ کہ بادشاہ کا قرب اس کی غارت
گریوں میں رکاوٹیں ڈالتا تھا۔ جب پانڈو چک دروستان کی طرف
بھاگ گیا۔ تو بادشاہ نے اس کا پورا تعاقب کیا۔ اور دروستان
پر چڑھائی کر دی۔ اور حاکم دروستان کو یہ بھی لکھا کہ پانڈو چک کو تلاش
کرکے بادولت کے پاس جلد بھیجدو۔ ورنہ اس کے ساتھ اپنی تباہی کے
لئے بھی تیار رہو۔ حاکم دروستان کی حقیقت وحیثیت ہی کیا تھی۔
کہ وہ مقابلہ کرتا۔ اس نے فوراً تعمیل کی۔ پانڈو چک گرفتار ہو کر آیا۔
اور بادشاہ نے اس کو ہلاک کرکے ملک کو اس کے فتنہ وشر سے نجات دی۔

چنگ کاشغر و تبت

تبت کلاں[1] جس کو لداخ کہتے ہیں اور
تبت خورد جس کو اسکردو کہتے ہیں۔

---

[1] تبت کلاں لداخ سطح سمندر سے ۱۱ ہزار فٹ اور اسکردو ۷۲۰۰
فٹ بلند ہے۔ یہاں کے باشندے بدھ اور مسلمان ہیں۔ مسلمان
(بقیہ صفحہ آئندہ)

Marfat.com

سلاطین کشمیر کے قبضہ میں تھے۔ لیکن علیشاہ کے زمانہ میں سلطان کاشغر نے ان پر قبضہ کر لیا تھا۔ اور جب دونوں بھائی یعنی علیشاہ اور شاہی خان آپس میں لڑ رہے تھے۔ وہ ہر دو تبت پر قبضہ کرنے کے بعد کشمیر پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔

بادشاہ فرقہ کوہگان اور فرقہ چک کے فسادات مٹا کر اب ان ممالک کی طرف متوجہ ہوا جو اس کے بھائی کے زمانہ میں اور ان کی باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے اس کے خاندان سے نکل گئے تھے۔ اس کو تبت کے نکل جانے ہی کا صدمہ کچھ کم نہ تھا۔ کہ بادشاہ کاشغر کے حملہ کشمیر کی خبروں نے اسے اور بھی برآشفتہ کر دیا۔

بادشاہ کی دل آویز شخصیت اس کے افسروں بلکہ اس کی تمام رعایا پر مقناطیسی اثر رکھتی تھی۔ اور اس کی رعایا کا ہر فرد اس کے ہر دشمن کا مقابلہ کرنے اور ناموس وطن کی خاطر بے باک و خون

(بقیہ صفحہ گذشتہ) سب سنی تھے۔ مگر بادشاہ کی وفات کے ۲۲ سال بعد ۹۰۰ھ میں میر شمس عراقی نے وہاں شیعہ عقائد کی تبلیغ کی۔ اس کے بعد نوربخشی فرقہ میں بھی اکثر لوگ داخل ہو گئے۔ یہاں بعض جاگیردار راجے بھی ہیں جو شیعہ مسلمان ہیں۔ اور اپنے آپ کو سلطان سکندر کاشغری کی اولاد بتلاتے ہیں۔

Marfat.com

فلطیدن" ہونے کے لئے ہر وقت مستعد رہتا تھا۔ اس نے امراء مملکت اور سرداران لشکر محمد ماگرے ملک مسعود ٹھاکر۔ ملت رینہ۔ احمد رینہ اور محمد رینہ وغیرہ کو جمع کیا۔ اور ان" ترکتازان رستم نشان" کے مشورہ سے نہ صرف کشمیر کو دشمن کے حملہ سے بچانے بلکہ تبت کو واپس لینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حیدر ملک چاڈورہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ اوتہ رینہ جو اس فوج کے سر لشکر تھے۔ وہ میر سید محمد ہمدانی کے زیر تربیت رہ چکے تھے

ساعت سعیدہ میں افواج نوشہرہ کی چھاونیوں سے باہر نکلیں اور پہلی منزل لار میں ہوئی۔ یہاں بادشاہ نے فوج کا جائزہ لیا۔ جس کی تعداد مختلف مؤرخین نے مختلف بتائی ہے۔ صاحب اسلامک کلچر ان کشمیر لکھتے ہیں۔ ایک لاکھ پیادہ اور تیس ہزار سوار تھے۔ تاریخ ملا بہاؤالدین گلزار کشمیر اور تاریخ حسن میں پیادہ فوج کی تعداد تو ایک لاکھ ہی ہے مگر رسالہ کی تعداد بیس ہزار درج ہے۔ تکملہ تاریخ کشمیر میں سواروں کی تعداد پچاس ہزار بتائی گئی ہے۔ پیادہ فوج کی تعداد میں سب متفق ہیں۔

والئے کاشغر کو جب یہ خبر ہوئی تو اس نے بھی جمعیت کثیر کشمیری افواج کے مقابلہ کے لئے بھجوائی۔ علاقہ تبت میں ایک موقع شی زنی یا سشبہ زنی ہے۔ وہاں دونوں افواج آمنے سامنے ہوگئیں۔ محاربہ عظیم نے خون کی ندیاں بہادیں۔

Marfat.com

کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ دونوں طرف کے سپاہیوں اور سرداروں نے دادِ مردانگی دی۔ اور بقول تاریخ ملّا بہاؤ الدین "نسبت بہ لشکر کاشغر لشکر کشمیری بسیار کم بود" اما جرأت و مردانگی بہ حدے کردند" بادشاہ کاشغر کی افواج نے ہزیمت اٹھائی۔ اور ہر دو تبت پر بادشاہ نے بنا عمل دخل کر لیا۔

بادشاہ کی غیر حاضری میں ملک کا انتظام بادشاہ کے چھوٹے بھائی محمد خان کے سپرد تھا۔ جس کو بادشاہ نے نائب السلطنت بنا کر مہمات جزوی و کلی کا مختار کر دیا تھا۔

کشمیری افواج کا حملہ پنجاب پر

زمانہ گزشتہ میں ہندوستان کی حدود اس مقام تک تھیں۔ جس کا نام آج سرہند ہے اور یہ نام بھی اس کا اسی وجہ سے ہے۔ کہ وہ ہندوستان کی سرحد سمجھا جاتا تھا۔ جب سلطان شہاب الدین کاشمیری اور فیروز شاہ تغلق کے درمیان جنگ کے بعد صلح ہوئی تو سرہند اور پنجاب شہاب الدین کے حصہ میں آئے تھے۔ اور سرہند سے دہلی اور دہلی سے پرے تک کے تمام ممالک میں فیروز شاہ کی حکومت تسلیم کی گئی تھی۔

شہاب الدین کے بعد کشمیر کے جو بادشاہ ہوئے ان کے زمانہ میں، جو ممالک کشمیر سے دور تھے ان کی طرف ان کی توجہ کم ہوتی

Marfat.com

گئی۔ ادھر تغلق بادشاہوں اور تیموری حملہ اور اس کے بعد خضر خان کے جانشینوں کی کمزوری و غفلت کی وجہ سے کئی صوبے خود مختار ہو گئے۔ اور پنجاب میں ہر چند کوئی علیحدہ صورت مستقل طور پر قائم نہ ہو سکی۔ لیکن گکھڑوں نے جن کے سرکردہ شیخا گکھڑ اور جسرت گکھڑ دو بھائی تھے۔ ہمیشہ اس کو فتنہ و فساد اور بدامنی ذبے چینی کا گھر بنائے رکھا۔ یہاں تک کہ پنجاب سلاطین کشمیر کے ہاتھ سے نکل گیا[1]

بلکہ ایک وقت ایسا آیا کہ بڈشاہ کو شاہزادگی کے زمانہ میں بھائی سے شکست کھانے کے بعد جسرت گکھڑ کے پاس پناہ لینی پڑی۔ اور اپنی منتشر فوج کے ساتھ جب تک جسرت کی آمد اس نے شامل نہ کی وہ تخت کشمیر پر قابض نہ ہو سکا۔

جسرت کا بھائی شیخا گکھڑ تو تیمور کا مقابلہ کرتے ہوئے تیمور کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا۔ مگر اب جسرت کو بادشاہ بننے کی بڑی تمنا تھی۔ لیکن لوٹ مار اور حرب و ضرب کے سوا چونکہ آئین ملک داری سے وہ بالکل نابلد تھا۔ اور کچھ تقدیر بھی ساتھ نہ دیتی تھی۔ اس لئے کئی مرتبہ کامیاب ہو جانے کے باوجود بھی اُسے استقلال

---

[1] مقدمہ دوم ذکر سلاطین کشمیر (ترجمہ)

Marfat.com

واطمینان نصیب نہ ہو سکتا تھا۔

آخر اس نے اپنے قدیم رفیق شاہی خان سے جو سلطان زین العابدین کے نام سے کشمیر میں جاہ و جلال کے ساتھ داد حکمرانی دے رہا تھا۔ اپنے احسانات کے بھروسہ پر امداد طلب کی۔ اس امداد کا ذکر صاحب طبقات اور صاحب تاریخ فرشتہ دونوں نے کیا ہے۔ صاحب طبقات لکھتے ہیں" جسرت کھوکھر (گکھڑ) بہ قوت سلطان اگرچہ نتوانست تسخیر دہلی نمود۔ اما تمام پنجاب را در تصرف آورد" فرشتہ لکھتا ہے" سلطان نے دہلی و پنجاب کی تسخیر کیلئے افواج کثیر جسرت کے ہمراہ کی۔ اگرچہ جسرت بادشاہ دہلی کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ لیکن (کشمیری لشکر کی) قوت و اعانت سے اس نے پنجاب و ملحقات پر قبضہ کر لیا[1]۔

---

[1] تاریخ ہند جلد چہارم مؤلفہ مولوی ذکاء اللہ مرحوم میں بھی ان الفاظ کی تائید کی گئی ہے۔ صاحب سیر المتاخرین بھی جلد اول میں لکھتے ہیں۔ جسرت کشمیر سے کشمیری فوج لیکر بہلول لودھی پر دہلی میں حملہ آور ہوا۔ مگر کامیاب نہ ہو سکا۔ پھر کشمیر آیا اور سلطان زین العابدین نے پھر اس کو ایک لشکر جرار فتح پنجاب کے لئے دیا۔ جہاں اس نے اس فوج کی مدد سے خوب دست برد کی +

Marfat.com

ان دونوں تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جسرت تسخیر پنجاب ہی کا ارادہ نہ رکھتا تھا۔ بلکہ بادشاہ کشمیر کی امداد سے وہ دہلی پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

اس قدر اہم واقعہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور آپس میں کچھ شرائط بھی طے ہوئی ہوں گے اور چونکہ پنجاب و سرہند پر سلاطین کشمیر کے حقوق غالب تھے۔ اسلئے کچھ تعجب نہیں ہے۔ اگر یہ طے ہوگیا ہو کہ فتح دہلی کے بعد دہلی کی بادشاہی تو جسرت کو ملے۔ اور پنجاب و سرہند پر زین العابدین اپنے اجداد کی وراثت سمجھ کر قابض رہے۔

دہلی پر تو وہ قابض نہ ہو سکا۔ لیکن پنجاب پر اس نے اپنا تسلط جما لیا۔ یہ واقعہ کب پیش آیا۔ اسکے متعلق سب تاریخیں خاموش ہیں۔ لیکن جسرت کے واقعات و حالات پر غائر نظر ڈالنے سے یہ معمہ بھی حل ہو سکتا ہے۔

سنہ ۸۲۶ھ یا سنہ ۸۲۸ھ میں جسرت رائے بھیم والئ جموں کو شکست دیتا ہے۔ اسکے بعد سنہ ۸۳۱ھ میں پھر اسکے حملۂ لاہور و جالندھر کی خبر ملتی ہے۔ سنہ ۸۳۵ھ میں وہ پھر کہیں سے سر نکال کر جہلم۔ راوی اور بیاس کو عبور کر کے جالندھر جاتا اور ملک سکندر تحفہ حاکم لاہور کا گھوڑا زندہ گرفتار کر کے اور بیشمار مال واسباب

Marfat.com

لوٹ کر لاہور آتا ہے۔ لیکن دو چار مہینوں کے بعد ہی بادشاہ حملہ (مبارک شاہ بن خضر خان) کے خوف سے وہ پھر کوہستان میں بھاگ جاتا ہے۔ سنہ ۸۳۶ھ میں پھر اسکے حملہ لاہور کی خبر ملتی ہے۔ اس زمانہ میں ملک اللہ داد لودہی یہاں کا حاکم تھا۔ جسرت اس کو شکست دے کر لاہور و جالندھر پر قابض ہو گیا۔ سنہ ۸۳۷ھ ۹ رجب کو مبارک شاہ کے قتل ہو جانے پر سلطان محمد شاہ اس کا جانشین ہوا۔ جس نے کئی سال کی خاموشی کے بعد سنہ ۸۴۰ھ میں جسرت کو لاہور سے باہر نکالا۔ اور مختلف حاکموں کے بعد سنہ ۸۴۵ھ میں ملک بہلول لودھی کو خان خانان کا خطاب دیکر لاہور و دیپال پور کا حاکم بنایا۔ اور تاکید کی کہ جسرت کا قلع قمع کر دیا جائے۔ اس کے بعد صفحات تاریخ میں جسرت اور لاہور کا تعلق نظر نہیں آتا۔

متذکرہ واقعات سے پایا جاتا ہے کہ سنہ ۸۳۶ھ/۱۴۳۳ء سے سنہ ۸۴۰ھ/۱۴۳۶ء تک جسرت لاہور پر امن و امان سے قابض رہا۔ اسکے تمام حملوں میں صرف یہی تین چار سال اسکو اطمینان کے ساتھ لاہور میں رہنا نصیب ہوا ہے اور نہ کبھی دو ماہ کبھی چار ماہ وہ لاہور پہ قابض رہا۔ اور کئی دفعہ تو اُسے ناکام ہی جانا پڑا۔ اس سے یہ بات بالکل قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ سنہ ۸۳۶ھ ہی میں بادشاہ نے اسکو فوج اور خزانہ اور جملہ لوازمات جنگ کی مدد دی ہوگی۔

Marfat.com

فیروز شاہی عہد نامہ کی تکمیل

خاندان تغلق کی کمزوریوں - اور باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے امیر تیمور نے سمرقند سے تسخیر ہند کا ارادہ کر لیا تھا - اور خاندان سادات کی اپنی نااہلیوں اور انکے وزراء امراء کی باہمی سازشوں کی خبریں سن کر ہندوستان کے کئی صوبے آزاد ہو گئے - اور کئی ممالک آزاد و خودسر ہونے کیلئے تڑپ رہے تھے - اور ملک بہلول پنجاب کی حکومت پر قانع نہ رہ کر دہلی کا بادشاہ بننے کے منصوبے سوچ رہا تھا - ان حالات میں کوئی تعجب کی بات نہیں اگر سلطان زین العابدین بھی پنجاب و سرہند بلکہ دہلی تک اپنی فوجیں لے آیا ہو۔

کشمیر کی قریباً تمام تاریخوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ زین العابدین نے اپنی حکومت کو پشاور سے سرہند تک تمام پنجاب پر حاوی کر لیا اور بہت سی خونریزیوں کے بعد شاہ دہلی سے آخری فیصلہ اس بات پر ہوا - کہ فیروز شاہ تغلق کے عہد نامہ (۷۷۵ھ) کے مطابق سرہند سے کشمیر تک کا تمام ملک زین العابدین کے پاس رہے -

صاحب اسلامک کلچر ان کشمیر لکھتے ہیں "وہ فتح پنجاب کے دوران میں اس مقام پر بھی ٹھہرا جس کو اب امرتسر کہتے ہیں - وہاں اس

۱؎ صفحہ ۸۶

نے اپنی فوجی ضروریات کی وجہ سے کنواں کھدوایا تھا - وہ اب تک بڈکھوہ یا بٹکھوہ کے نام سے مشہور ہے -

صاحب اسلامک کے خیال میں یہ واقعہ ۱۴۲۶ء سے ۱۴۲۷ء کے درمیان کا ہے۔ شمس العلماء مولوی ذکاءاللہ اپنی ضخیم و جسیم تاریخ ہند میں لکھتے ہیں - جب کشمیری افواج نے جسرت کی امداد سے پنجاب پر قبضہ کیا تو دہلی کا بادشاہ سلطان بہلول لودھی تھا - یا بہ الفاظ دیگر یہ حملہ ۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۱ء کے درمیان ہوا ہے -

لیکن راقم الحروف کو ان دونوں باتوں سے اختلاف ہے - اور اسکی وجہ یہ ہے کہ بہلول لودھی کے اور زین العابدین کے تعلقات نہایت شگفتہ تھے - یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان تعلقات کی موجودگی میں زین العابدین نے پنجاب و دہلی پر خود حملہ کیا ہو - یا جسرت کو اپنی افواج فتح پنجاب و دہلی کے لئے دی ہوں - فیروز شاہی عہدنامہ کی تکمیل اگر ہوتی ہے تو اسی زمانہ میں جب جسرت کو زین العابدین نے حملہ پنجاب کے لئے مدد دی تھی یعنی ۱۴۳۳ء سے ۱۴۳۶ء کے درمیان پنجاب کا حملہ اور سرہند کے عہدنامہ کی تکمیل ایک ہی سال کا واقعہ ہیں -

بڈشاہ کی وسعت سلطنت

زین العابدین کے حالات جب آئندہ صفحوں میں پڑھوگے۔

Marfat.com

تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک زمیندار کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو زراعت و کاشت کو ترقی دینے کی تدابیر میں سرگرم رہتا ہے۔ یا وہ ایک انجینیئر ہے جو نئی نئی عمارتیں تعمیر کراتا اور نہریں کھداتا رہتا ہے۔ یا ایک باغبان ہے جو باغات کی تیاریوں اور انواع و اقسام کے ثمردار و بے ثمر مگر سایہ دار درختوں کی آبیاریوں میں محو رہتا ہے۔ جس بادشاہ کے اس قسم کے خصائل ہوں۔ جس کو اپنے ملک کی آبادی و شادابی کی تجاویز ہی سے فرصت نہ مل سکتی ہو۔ وہ شجاعانہ اوصاف رکھنے کے باوجود اپنے ملک کو قتال و جدال میں کس طرح تباہ کرا سکتا ہے۔

باایں ہمہ ہر دو جہت پر اسکا قبضہ تھا۔ اور کاشغر بھی اسکے زیر اثر تھا۔ کشمیر کی تاریخیں سرہند تک اسکی وسعت سلطنت کا پتہ دیتی ہیں۔ ابو الفضل کی آئین اکبری کے مطابق زین العابدین سندھ میں بھی جا پہنچا۔ ہزارہ کا ضلع جس کا نام اس زمانہ میں پکھلی تھا بڈشاہ ہی کے ماتحت تھا۔ اور کئی سرحدی مقامات میں جو آج یاغستانی یا آزاد علاقہ کہلاتے ہیں۔ اسکا رعب و داب قائم تھا۔

لارنس صاحب نے بھی اپنی تصنیف دیلی آف کشمیر میں تسلیم کیا ہے کہ بڈشاہ کی حکومت کشمیر میں تو تھی ہی مگر پشاور سے پنجاب و سرہند تک بھی اس کا قبضہ تھا۔

Marfat.com

مفتوحہ ممالک کے ساتھ بادشاہ کا سلوک

جب بادشاہ اپنے بھائی علیشاہ کو گرفتار اور نظر بند کر کے کسی کے کھٹکے کے بغیر کشمیر میں حکومت کرنے لگا۔ تو علیشاہ کے دونوں معاون راجگان راجور و جموں اپنے اعمال و کردار کی وجہ سے اس کے آگے سر بسجود ہونے لگے۔ تاریخ راجگان راجور میں راجہ راجوری کی معافی کے متعلق لکھا ہے "چند روز بعد راجہ راجور نے سلطان سے معافی چاہی۔ چونکہ سلطان رحیم الطبع عالی حوصلہ اور بلند خیال تھا۔ اسلئے معافی دیدی۔ اور ویسے ہی روابط ریاست اور سلطنت میں ہو گئے۔ جیسے کہ پہلے تھے۔" راجہ جموں کو بھی اپنی حرکت پر نادم ہوئے۔ اور معافی مانگنے کے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ معافی بھی ملی اور جموں کی حکومت بھی ؎

سالکان رہ ہمت چو ارادت بلیند

ملک کاؤس فریدوں بہ گدائی بخشند

پانڈو چک نے اس کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں۔ اسکو عالیشان و سر بفلک عمارات کو نذر آتش کر کے خاک میں ملا دیا۔ بادشاہ نے گو پانڈو چک کو اس کی بداعمالیوں کی سزا دیدی۔ مگر اسکے بیٹے حسین چک کو نوازشات شاہی کا مورد بنا دیا۔ اور رفتہ رفتہ چکوں نے وہ زور و اقتدار حاصل کیا کہ بڈشاہ کی وفات کے بعد سے

Marfat.com

سال بعد ہی وہ کشمیر کے بادشاہ ہو گئے۔

جس ملک پر فتح پاتا اس پر اس کی حیثیت و طاقت سے زیادہ خراج مقرر نہ کرتا اور نہ اس سے نذرانہ اس قدر زیادہ طلب کرتا کہ اس کو اپنی رعایا پر ظلم کر کے روپیہ فراہم کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی۔ اور اپنے باپ سلطان سکندر اور امیر تیمور کا واقعہ ہمیشہ یاد رکھتا۔ جبکہ تیموری امراء نے اس کے باپ کو تیس ہزار گھوڑوں اور ایک لاکھ اشرفی کے نذرانہ کا پیغام بھیجا تھا۔

بادشاہی افواج اور ممالک مفتوحہ کے خزانے

اس کا قاعدہ تھا کہ جب کسی ملک پر قبضہ کرتا تو اس ملک کا خزانہ اور مال غنیمت جو اس کے ہاتھ آتا سب کا سب اپنی فوج میں بانٹ دیتا۔ اس ترکیب و زر پاشی سے تمام افواج اس کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار رہتی تھی۔ اس کی اپنی حکمت عملیوں کی وجہ سے اس کی فوج جہاں گئی۔ کامیاب ہو کے آئی۔ تبت و پنجاب اور پشاور کے علاوہ اسی فوج کے بھروسہ پر اس نے ساحل سندھ تک اپنی فتوحات کا سکہ بٹھا دیا۔ جیسا کہ صاحب طبقات بھی لکھتے ہیں۔

"و تمام ولایت کہ در کنار آب سندھ واقع است در تصرف سلطان زین در آمد"

Marfat.com

چوتھا باب

بادشاہ کی پریشانیاں اور موت

بادشاہ کی بیگمات۔ بادشاہ کے بھائی کی وفات
بادشاہ کے دردہ بھائی۔ شہزادیوں کی باہمی
خانہ جنگیاں۔ باپ بیٹے میں خونریز جنگ۔
سوپور میں جنگ عظیم۔ بادشاہ پر ان خانہ جنگیوں
کا اثر۔ بادشاہ کو ہلاک کرنے کی کوشش میں ہیبت المرگ
بادشاہ مسند شاہی پر۔ امرائے دربار کے حاجی خان
سے عہد و پیمان۔ بادشاہ کی وفات۔ بڈشاہ اور اکبر اعظم

بادشاہ کی بیگمات

ہندو کہتے ہیں کہ ان کے مذہب میں ایک عورت کی زندگی میں کوئی شخص دوسری عورت نہیں کر سکتا۔ مسلمانوں کو گو چار بیویوں کی اجازت ہے۔ لیکن ان کے ساتھ

Marfat.com

عدل و مساوات سے سلوک کرنے کی ایسی سخت شرائط ہیں۔ کہ بہت کم لوگ انکے پابند ہو سکتے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ والیان ملک کا درجہ مذہب و اخلاق دونوں سے بالاتر سمجھ لیا جاتا ہے۔ اور وہ ایک دو نہیں۔ بلکہ درجنوں اور سینکڑوں عورتیں کر لیتے ہیں۔ اور کوئی مذہب۔ اور کوئی اخلاق۔ اور کوئی مولوی۔ اور کوئی برہمن انکو اس قسم کی نازیبا حرکات سے منع کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔

اکبر چونکہ خود کئی درجن "بیگمات" کا خاوند تھا۔ اسکے عہد میں ہندو مسلمان امراء اس سے بھی کئی درجہ بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ راجہ مان سنگھ حاکم بنگال کی بارہ سو رانیاں تھیں۔

تاریخ میں شاذ و نادر ہی کوئی ایسی مثال ملتی ہے۔ کہ بادشاہ یا راجہ نے ایک دو بیویوں پر اکتفا کیا ہو۔ انہی شاذ و نادر مثالوں میں ایک نظیر بڈشاہ کی بھی ہے۔ بادشاہ کی ایک بیگم بیہقی بیگم کے نام سے موسوم تھی۔ جو سید میر حسن منطقی بیہقی کے باپ سید نور الدین کی بہن اور سید تاج الدین[۱] کی بلند اختر دختر تھی۔ اس کا نام بی بی خاتون[۲]

۱؎ آپ کا سلسلہ نسب چار واسطوں سے سید جلال الدین بخاری سے ملتا ہے۔ فتحیات کبرویہ قلمی صفحہ ۳۱۲

۲؎ از احسن التواریخ قلمی مصنفہ مولوی عزیز الدین صاحب مفتی وقائع کشمیر مرحوم۔ جو کشمیر کے مشہور مفتی شریف الدین صاحب کے والد تھے۔

Marfat.com

تھا۔ وہ لاولد تھی۔ سید حسن بیہقی نے اپنا سب سے چھوٹا نو زائیدہ بچہ محمد امین اویسی جب بادشاہ کو بطور تبرک بخشا تو بادشاہ نے بیگم کی دلدہی و دل بستگی کیلئے یہ بچہ اس کے سپرد کیا۔ فتحیات الکبرویہ میں لکھا ہے کہ بیگم کو دودھ اتر آیا۔ اور اس نے اپنے دودھ سے اس کی پرورش کی۔ بیگم نے اپنی زندگی ہی میں اپنا مقبرہ تیار کرا لیا تھا۔ بلکہ ایک مقبرہ شیخ بہاؤالدین گنج بخش کیلئے بھی اسی احاطہ میں تعمیر کرایا تھا۔ اور ان سے وعدہ لے لیا تھا۔ کہ وہ بعد وفات اسی جگہ دفن ہوں گے۔ بیگم نے ایک مسجد بھی یہاں تیار کرائی تھی۔ اور یہ اپنی زندگی ہی میں آباد کرادی تھی۔ چنانچہ شیخ گنج بخش اسی جگہ مدفون ہیں۔ بیگم کی اپنی قبر بھی دروازہ کے متصل ہے۔ یہ مقبرہ بیگم نے ۸۸۲ھ میں تیار کرایا تھا۔[1]

بادشاہ نے دوسری شادی[2] اولاد کے لئے کی اور غالباً شاہی خاندان میں کی۔ اور شاید یہ بھی اس وجہ سے کی کہ محمد امین شاہانہ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے باوجود سلوک و تصوف کی طرف زیادہ مائل اور امورات مملکت سے بالکل دلچسپی نہ رکھتا تھا۔

---

[1] ادا حسن التواریخ قلمی مصنفہ مولوی عزیز الدین مرحوم

[2] صاحب اسلامک کلچر ان کشمیر صفحہ ۸۸ پر بادشاہ کی صرف ایک ہی بیگم کا حوالہ دیتے ہیں جو غلط ہے۔

Marfat.com

بادشاہ کی دوسری بیگم سے تین بیٹے ہوئے۔ جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

بڈشاہ چاہتا تو دیگر بوالہوس اور عیش پرست بادشاہوں کی طرح عورتوں کے بینا بازار لگا سکتا۔ اور اپنے محل کو نمونہ پرستان بنا کر رنگ رلیاں منا سکتا تھا۔ لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس نیک خصلت بادشاہ نے اپنی دو بیگمات کے سوا کسی تیسری عورت کا منہ نہیں دیکھا۔

بادشاہ کی اولاد

بادشاہ کا ایک بیٹا محمد امین اویسی لے پالک تھا۔ جو اس کے مرشد سید حسین منطقی نے اس کو بطور تبرک دیا تھا۔ اور جس کو بیبھتی بیگم نے بچوں کی طرح پالا تھا۔ لیکن افسوس ہے اس ہونہار اور زیرک بچہ نے امورات سلطنت کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔

بیبھتی بیگم لاولد تھی۔ دوسری بیگم کے بطن سے بادشاہ کے تین بیٹے ہوئے۔ سب سے بڑا ادہم خان تھا۔ دوسرا بیٹا حاجی خان اور تیسرا بیٹا بہرام خان تھا۔ ان لڑکوں نے جوان ہو کر اپنی بے اعتدالیوں خانہ جنگیوں اور منافقوں سے ایسے اولوالعزم سلطان اور ایسے نیک دہردلعزیز بادشاہ کی زندگی تلخ کر دی۔

Marfat.com

بادشاہ کے بھائی کی وفات

بادشاہ نے اپنی آغاز سلطنت ہی سے اپنے چھوٹے بھائی محمد خان کو وکیل مطلق بلکہ بقول صاحب تاریخ فرشتہ ولی عہد مستقل مقرر کر رکھا تھا۔ بھائی نے بھی پوری متابعت سے کام لیا۔ جب زین العابدین تبت کی مہم پر گیا۔ تو محمد خان نے اندرون ملک میں کوئی خرابی نہ آنے دی۔ بلکہ ایسا انتظام کیا کہ بادشاہ نے واپس آکر اپنی دلی خوشنودی کا اظہار کیا۔

لیکن محمد خان کی وفات نے اسکے دست و بازو کمزور کر دئے۔ بھائی کے مرنے کا اس نے بڑا غم کیا۔ اور اسکے فرزند حیدر کو اس کا جانشین بناکر اسکی دستار بندی کرائی۔ اور بھائی کی جگہ مہمات ملکی کے تمام اختیارات اپنے بھتیجہ کو سونپ دئے۔

بادشاہ کی خیرات اپنے رضاعی بھائیوں کی موت پر

بادشاہ کے دو کوکہ یعنی دودھ بھائی تھے۔ ایک کا نام مسعود تھا۔ دوسرے کا شیر زو لٹو حقیقی بھائی تھے۔ اور دونوں بادشاہ کو اپنی حسن خدمات کی وجہ سے نہایت عزیز تھے۔ بدقسمتی سے قرب سلطانی نے دونوں میں بغض و حسد پیدا کر دیا۔ اور اس نے یہاں تک ان دونوں

Marfat.com

بھائیوں میں خصومت وعداوت بڑھائی کہ وہ مادر زاد دشمن معلوم ہونے لگے۔ آخر شیر نے موقعہ پاکر اپنے بڑے بھائی مسعود کو ہلاک کر دیا۔ بادشاہ کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ تو بہت رنج کیا۔ چونکہ دامن انصاف کو اس نے کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس لئے شیر کو اس کے قصاص میں قتل کرا دیا۔ مگر دونوں چونکہ اس کی نظروں میں یکساں عزیز تھے۔ اس لئے سلطان نے ایک کروڑ کشمیری اشرفیاں جن کو صاحب تاریخ فرشتہ نے "چار سو شتر بار طلا" لکھا ہے۔ ان کی روح کی ترویج کیلئے کم عمر نادار بچوں میں بطور خیرات تقسیم کیں۔

شاہزادوں کی باہمی خانہ جنگیاں

اپنے فرزندوں کے باہمی خانہ جنگیوں اور عداوتوں سے بادشاہ کی عمر کے آخری ایام بڑے تلخ گذرے۔ ادہم خان سب سے بڑا تھا۔ لیکن اپنی شرارتوں اور شوخ چشمیوں سے بادشاہ کی نظروں میں ذلیل و حقیر تھا۔ منجھلے بھائی حاجی خان سے جس کو بادشاہ بہت چاہتا تھا۔ اس کی سخت عداوت تھی۔ تیسرا بیٹا بہرام خان بھی اپنے دونوں بھائیوں سے صاف نہ تھا۔ ان کے باہمی رشک و حسد نے جب ایک خوفناک صورت اختیار کرلی۔ تو ملک میں تین پارٹیاں شہزادوں کی اور ایک پارٹی بادشاہ کی ہو گئی۔ اور بدامنی اور فتنہ فساد کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ رفع شر کے لئے بادشاہ نے ادہم خان کو بغاوت تبت کے فرو کرنے کے لئے

Marfat.com

ایک لشکر جرّار دے کر دار الخلافہ سے دور بھیجدیا۔ وہ ہوا کی طرح گیا۔ اور ملک کو تہہ وبالا اور باغیوں کا قلع قمع کر کے بگولے کی طرح واپس آگیا بلکہ بہت سا مال غنیمت بھی سلطان کے پاس لایا۔ اور اپنی مردانگی وشجاعت اور فتح ونصرت کی بدولت نوازش ہائے خسروانہ کا مورد ہوا

باپ بیٹے میں خونریز جنگ

ادہم خان کے اس طرح مظفر ومنصور ہوکر واپس آنے اور بادشاہ کی نظروں میں وقار وعزت حاصل کرنے سے حاجی خان کو بڑا صدمہ ہوا۔ بھائیوں کی کدورت لڑائی کی صورت میں ظاہر ہونے والی تھی۔ کہ بادشاہ نے حاجی خان کو لوہر کوٹ کا حاکم بنا کر سری نگر سے دور بھجوادیا۔

دراندازوں اور فتنہ پروروں کا کام اس وقت تک چل سکتا ہے۔ جب تک فریقین میں بدمزگی ونفاق قائم رہے۔ چنانچہ مفسدوں اور خودغرضوں نے حاجی خان کو باپ اور بھائی کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ باپ کو فتنہ سازوں کی ان حرکات کی خبر ہوئی۔ تو بیٹے کو خط وکتابت کے ذریعہ اس کوتاہ اندیشی وخیرہ سری سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن حاجی خان کے سر پر تو "بادشاہ کشمیر بننے کا بھوت سوار ہو رہا تھا۔

Marfat.com

اور اس کے مصاحب اس کو مبارک و سلامت کے نعروں سے باپ اور بھائی سے جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے تھے۔ پہلے تو وہ باز نہ آیا۔ پھر باپ نے ملائمیت کے ساتھ اس کو سمجھایا۔ اور اس کی پچھلی سعادت مندیوں کے حوالے دیئے۔ اور آئندہ کے لئے امیدیں دلائیں۔ اور لکھا کہ ہم تم کو خود بلائیں گے، تم ہماری اجازت کے بغیر لوہر کوٹ سے قدم باہر نہ نکالو۔ اور خلق خدا کے خون سے درگزرو۔ حاجی خان پر باپ کی اس تحریر کا بڑا اثر ہوا۔ ایک عریضہ معذرت آمیز لکھنے کو تھا کہ مصاحبوں نے پھر گمراہ کر دیا۔ اور کہا سلطنت کے معاملات میں اس قسم کی باتوں پر یقین و اعتبار کرنا آئین عقلمندی کے خلاف ہے۔ غرض وہ لشکر لے کر کشمیر پر حملہ آور ہوا۔ باپ اور بھائی بھی مقابلہ کو نکلے۔ میدان تلیل میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے۔ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک جنگ ہوتی رہی۔ حاجی خان شاہی افواج کی تاب نہ لا سکا۔ پیرہ پورہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بہت سے نامی سردار مر چکے تھے۔ اور ایک کثیر تعداد باغیوں کی قتل ہو چکی تھی۔ ادہم خان حاجی خان کی گرفتاری کے لئے اس کا تعاقب کرنا چاہتا تھا۔ مگر باپ نے جو جانتا تھا کہ ادہم خان تعاقب کے بہانے حاجی خان کو جان سے مار دے گا۔ اجازت نہ دی۔

Marfat.com

باغیوں کے سروں کا بلند مینار

حاجی خان تو بیر پور جا کر اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی کراتا رہا۔ اور ادھر بادشاہ نے حکم دیا کہ مقتولوں کے سروں سے ایک بلند مینار قائم کیا جائے تاکہ پھر کسی اور ناخلف بدخو بسر کو بغاوت کی جرأت نہ ہو سکے۔ بلکہ قیدیوں میں سے بھی بہت سے آدمی قتل کئے گئے اس قسم کی سزاؤں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ حاجی خاں سے علیحدہ ہو گئے۔

یہ لڑائی سنہ ۸۷۲ھ مطابق سنہ ۱۴۶۷ء میں ہوئی۔ انہی ایام میں بارش طوفان کی صورت میں آئی۔ اور قحط نے موت کا لباس اختیار کر کے راعی و رعایا دونوں کو پریشان کر دیا۔ موسم کھل جانے پر بادشاہ نے قحط کا انسداد بھی کیا۔ اور لگان میں بھی زمینداروں کو بہت سی رعایتیں دیدیں۔ اور اکثر مقامات پر مالیہ بالکل معاف کر دیا۔

بادشاہ کے بڑے بیٹے کی بغاوت

بادشاہ کا بڑا بیٹا ادہم خان اب باپ کا منظور نظر بلکہ ولی عہد تھا۔ بادشاہ نے امور ملکی و مہمات سلطنت میں بھی اس کو شریک کر لیا۔ لیکن اس قسم کے مراحم خسروانہ اور شفقت پدرانہ نے ایک نا اہل

Marfat.com

پر کوئی اچھا اثر نہ ڈالا۔ ولی عہدی کے غرور نے اس سے بہت سے نامناسب و ناواجب کام کرائے۔ کامراج کے علاقہ میں تو اس نے کسی کے پاس نقد و جنس بھی نہ چھوڑا۔ لوگوں نے تنگ آکر بادشاہ کے پاس اس کے ظلم و ستم کی فریاد کی۔ بادشاہ رعایا آزار حرکتوں سے اس کو منع کرتا۔ مگر وہ بادشاہی احکام کی ذرا پرواہ نہ کرتا۔ اور چونکہ جانتا تھا کہ بادشاہ اب چراغ سحری ہے۔ اسلئے عمداً اور علانیہ باپ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا۔ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ حاجی خان کی شکست کے بعد چھ سال تک ادہم خان بڑے استقلال سے بادشاہ کا محبوب بنا رہا۔ یا بہ الفاظ دیگر چھ سال تک رعایا ادہم خان کے ظلم برداشت کرتی رہی۔ آخر وہ بہت سا لشکر لیکر باپ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا۔ اور قطب الدین پور میں آکر ڈیرے ڈالدئے۔ سلطان کچھ محبت پدری سے کچھ مصلحت ملکی سے کچھ مخلوق خدا کی بہتری کے لئے اس کی گستاخیوں کو نظر انداز کرتا رہا۔ آخر بغیر اس سے ملاقات کرنے کے بادشاہ نے اُسے سمجھا بجھا کر واپس کامراج بھجوا دیا۔

Marfat.com

سوپور میں جنگ عظیم

سوپور سرکاری علاقہ تھا۔ وہاں شاہی دفاتر اور شاہی مکانات بھی تھے۔ ادہم خان جب سرینگر سے واپس کامراج آیا۔ تو اس نے سوپور میں حاکم سوپور سے جنگ کی۔ وہ لڑائی میں مارا گیا۔ ادہم خان نے شہر اور نواحات کو غارت کیا۔ جب باپ کو خبر ہوئی کہ بیٹا یہاں سے تو خاموشی کے ساتھ چلا گیا ہے۔ مگر سوپور میں جا کر اس نے کھیل کھیلا ہے۔ تو اس نے اپنے منجھلے بیٹے حاجی خان کو جو باپ اور بھائی۔ کے خوف سے چھ سال سے پونچھ اور ہیرہ پور کے پہاڑوں میں سر چھپائے بیٹھا تھا۔ بہ تعجیل تمام بلوایا۔ اس سے آگے طبقات میں لکھا ہے۔ کہ بادشاہ خود افواج قاہرہ لے کر بیٹے کی سرکوبی کے لئے سوپور روانہ ہوا۔ تاریخ کشمیر میں لکھا ہے کہ وہ آپ دارالخلافہ میں رہا۔ اور حاجی خان کو اس نے بھائی کے مقابلہ پر سوپور میں بھیجا۔ جس نے بھائی سے شکست کھائی[1]۔ پھر بادشاہ خود سوپور گیا۔ بہرحال لڑائی ہوئی۔ طرفین سے بہت سے لوگ مارے گئے۔ ادہم خان

---

[1] فرشتہ بھی اسی واقعہ کی تائید کرتا ہے۔

Marfat.com

جان سلامت لے کر بیلاب کی طرف بھاگ گیا۔

پلا سوپور جو دریا پر واقع ہے۔ اس افراتفری میں لوٹ گیا۔ جس میں تقریباً تین سو آدمی[1] ادہم خان کی فوج کے غرق ہو گئے۔ بادشاہ سوپور آیا۔ اور رعایا کو دلاسہ دیا۔ جو کچھ ہوا اس پر افسوس ظاہر کیا۔ اور کہا بغیر اس جنگ کے تمہیں امن و امان ملنا مشکل تھا۔

حاجی خان کو خلعت ولی عہدی

حاجی خان بارہ مولہ میں تھا کہ بادشاہ نے اپنے چھوٹے بیٹے بہرام کو اس کے استقبال کے لئے بھیجا۔ چھ برس کے بعد سوپور میں باپ بیٹے ملے۔ سلطان نے بڑی محبت کا اظہار کیا۔ اسے اپنے ہمراہ شہر لایا۔ اور ایک دربار کر کے بڑے بیٹے کو ولی عہدی سے علیحدہ کیا۔ اور حاجی خان کو خلعت ولی عہدی سے علیحدہ کیا۔ اور حاجی خان کو خلعت ولی عہدی عطا کیا۔ حاجی خان نے بھی اخلاص و ادب میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ تقصیرات سابق کی تلافی بوجہ احسن کی۔ اور اپنے ملازمین کو جو سفر و حضر میں اسکے رفیق تھے۔ بادشاہ سے سفارش کر کے منصب ہائے اعلیٰ

[1] طبقات اور مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم میں تین سو اور تاریخ فرشتہ میں تین ہزار کا ذکر ہے۔

تک پہنچا دیا۔ اور جاگیریں ان کے نام مقرر کرائیں۔ باپ نے ایک کمربند اور ایک شمشیر کہ دونوں جواہرات قیمتی سے مرصع و مطلا تھے۔ عنایت کر کے اپنی مزید خوشنودی کا اظہار کیا۔

ولی عہد کی شراب نوشی

حاجی خان اب باپ کا خدمت گذار تھا۔ اور اسکے خلاف کبھی بغاوت میں حصہ نہ لیتا تھا۔ لیکن مے نوشی کا مرض اس کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہا تھا۔ شراب اسکی گھٹی میں پڑ چکی تھی۔ ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو رہا تھا۔ اور دل و دماغ اپنا صحیح کام کرنے سے عاری ہو رہے تھے۔ باپ نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو اُسے اس عادت بد کے نشیب و فراز سمجھائے۔ مذہب نے جو احکام اس لعنت کے متعلق دے رکھے ہیں۔ وہ اس کو بتائے سلطنت پر جو اس کا اثر پڑے گا وہ سمجھایا۔ لیکن حاجی خان اس قسم کی نصیحتوں کو قبول کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ وہ باپ کی باتوں کو اس کان سنتا اور اس کان اڑا دیتا۔

بادشاہ پر ان خانہ جنگیوں کا اثر

بادشاہ بہت ضعیف العمر تھا۔ وہ بیٹوں کی حرکات سے تنگ آچکا تھا۔ حاجی خان کو ولی عہد مقرر کر کے کچھ آرام کا سانس لیا تھا۔ کہ اس کی شراب نوشی نے کار و بار سلطنت میں خلل عظیم پیدا

Marfat.com

کرنا شروع کر دیا۔ اس رنج اور صدمہ سے بادشاہ اس قدر بیمار ہوگیا کہ اس کو اسہال دموی یعنی خون کے دست شروع ہو گئے۔

امراء وزراء نے یہ حالت دیکھی تو بادشاہ کے علم واطلاع کے بغیر ادہم خان کو بلوا بھیجا۔ وہ آیا باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ لیکن باپ نے بیٹے کی طرف کوئی التفات نہ کی۔ بلکہ ضعف کے عالم میں بھی امراء کی اس حرکت پر ناراضگی ورنجید گی کا اظہار کیا۔

بادشاہ کو ہلاک کرنے کی کوشش

جہانگیر نے اپنی توزک میں بڈشاہ کی خوارق عادات کا جو اہل کشمیر میں مشہور ہیں۔ ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے۔

بادشاہ زینہ لنک کے عبادت خانہ میں تھا۔ کہ ایک ناخلف زادہ اس کو قتل کرنے کے قصد سے عبادت خانہ میں تنہا سمجھ کر شمشیر کشیدہ آیا۔ مگر جب اپنے باپ پر اس کی نظر پڑی تو صلابت پدری اور شکوہ صلاح سے سراسیمہ ہو کر الٹے پاؤں پھرا۔ اسی اثناء میں سلطان بھی عبادت خانہ سے نکل کر اسی بیٹے کے کہا۔ کشتی میں بیٹھ کر شہر کو روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں بیٹے سے کہا۔ میں عبادت خانہ میں اپنی تسبیح بھول آیا ہوں۔ کشتی پر سوار ہو کر

Marfat.com

میری تسبیح لے آؤ۔ بیٹا عبادت خانہ میں آیا۔ تو دیکھا باپ بھی وہاں موجود ہے۔ یہ بے سعادت از روئے شرمندگی باپ کے قدموں پر گرا۔ اور معافی کا خواستگار ہوا۔

بادشاہ بیٹوں کے اوضاع واطوار اور اخلاق وعادات سے واقف تھا کہ وہ حکومت وریاست کی طلب میں میری طبعی موت کے بھی منتظر رہنا نہیں چاہتے۔ توزک جہانگیری کے الفاظ میں اس نے اپنے بیٹے کو معافی کا خواستگار دیکھ کر کہا۔ "برہمن ترک حکومت چہ بلکہ گذشتن از حیات بسیار آسان است۔ امّا بعد از من کا رے نخواہید ساخت وبدست دولت شمایاں بقا نخواہد داشت۔ وبہ اندک زمانے بہ جزائے عمل زشت ونیّت خود خواہید رسید۔ این سخن گفتہ ترک خوردن وآشامیدن نمود"۔

اس واقعہ کو ملک حیدر چاڈورہ نے بھی جو کشمیر کا نامور مؤرخ ہے۔ اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ اس نے اتنا اضافہ کیا ہے۔ کہ وہ ناخلف ادہم خان تھا۔ جو سب سے بڑا بیٹا تھا۔ بادشاہ نے اس کو یہ شعر بھی پڑھ کر سنایا تھا ؎

پدرکش بادشاہی را نشاید ... وگر شاید بجز شش مہ نپاید

بادشاہ کا عبادت خانہ میں دوبارہ موجود ہونا صحیح ہو یا

لہ صفحہ ۶۶ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

Marfat.com

غلط[1] لیکن اس میں کلام نہیں کہ توزک جہانگیری کی تحریر کے مطابق جو الفاظ اس نے اپنی ناخلف اولاد کے متعلق بیٹے سے کہے۔ وہ آخر پورے ہو کر رہے۔ یعنی سلطنت اس خاندان کے ہاتھ سے نکل کر چک خاندان کے قبضہ میں چلی گئی۔

بادشاہ کا جانشین مقرر کرنے سے انکار

تینوں شہزادوں نے باہمی صلح و موافقت کر کے آپس میں کچھ عہد و پیمان کر لئے۔ لیکن دل چونکہ کسی کا صاف نہ تھا۔ اس لئے تمام قول و قرار نقش برآب سے زیادہ ثابت نہ ہوئے۔ اور دل ہی دل میں ہر ایک عہد شکنی کے منصوبے کرنے لگا۔ حالانکہ ہر ایک کے لئے غیب سے صدا آرہی تھی سے

بہ نقض عہد دلیری مکن کہ چرخ فلک

نتیجہ عملت زود درکنار نہد

ضعیفی و بیماری روز بروز بادشاہ پر غالب آرہی تھی۔ خیر خواہان سلطنت نے بادشاہ سے عرض کیا کہ سب شہزادے حضور میں حاضر ہیں۔ حضور والا جس کو لائق و افضل سمجھیں۔ کاروبار سلطنت

---

[1] صاحب اسلامک کلچر ان کشمیر (صفحہ ۹۸ پر) اس واقعہ کو دلچسپ مگر غلط قرار دیتے ہیں۔

Marfat.com

سپرد کر دیں۔ تاکہ ملک میں نظام وامن قائم رہ سکے۔ بادشاہ تمام شاہزادوں کی نیتوں اور ان کی ہنگامی و عارضی صلح آرائیوں سے واقف تھا۔ اس نے خیرخواہان سلطنت کی کسی بات کا جواب نہ دیا۔ اور نہ اپنے کسی بیٹے کو کاروبار سلطنت کے قابل خیال کیا۔ البتہ اس کی خاموشی میں جو معنی تھے۔ ان کو ذیل کا شعر شاید صحیح طور پر ادا کر سکتا ہو۔

عروس ملک کسے در کنار می گیرد
کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار زند

شاہزادوں کی منافقانہ صلح کا خاتمہ

اہل نفاق کو بھائیوں کے لڑانے کا موقع مل گیا۔

مختلف پارٹیاں بن گئیں۔ اور ہر شہزادہ اپنی اپنی جگہ ولی عہدی کا دعوی کرنے لگا۔ بہرام خان جو سب سے چھوٹا تھا۔ ان سب سے زیادہ چالاک ثابت ہوا۔ اس نے سخنان نفاق سے دونوں بڑے بھائیوں کو باہم دشمن بنا دیا۔ چنانچہ ادہم خان شاہی محلات سے رخصت ہو کر قطب الدین پور میں چلا گیا۔

بادشاہ کی اب یہ حالت تھی کہ کھانا پینا قطعاً ترک ہو چکا تھا۔ ضعف پیری بیماری سے بھی غالب تھا۔ اور رحیب

Marfat.com

شاہزادوں کی حرکات ناشائستہ کی خبریں اسے پہنچتی تھیں تو اسے اور بھی صدمہ ہوتا تھا۔ چنانچہ امراء نے شاہزادوں کی باہمی منافقت اور آئندہ فتنہ و فساد کو مدنظر رکھکر یہ فیصلہ کر دیا کہ اس کا کوئی بیٹا بادشاہ کے پاس عیادت کے لئے نہ جائے۔

قریب المرگ بادشاہ مسند شاہی پر

بادشاہ کے انتقال کی روز افواہیں اڑتی تھیں۔ اور چونکہ ہر افواہ کے ساتھ بدامنی و بدنظمی کا اندیشہ رہتا تھا۔ اس لئے امراء ہر روز ڈھنڈورا کے ذریعہ ان افواہوں کی تردید کرتے تھے۔ اور رعایا کو اپنے مذہبی طریقوں پر بادشاہ کی صحت و سلامی کے لئے دعا کی طرف توجہ دلاتے تھے۔ اس ڈھنڈورہ کے علاوہ امراء سلطنت نے ایک یہ تجویز بھی نکالی کہ بیمار بلکہ قریب المرگ اور زندگی سے ناامید بادشاہ کو تکلیف و تکلف کے ساتھ محل کے ایک بلند مقام پر لے جاتے جہاں سے سب لوگ بآسانی دیکھ سکتے۔ وہاں اُسے مسند شاہی پر بٹھاتے اور نقارے بجائے جاتے۔ تاکہ لوگوں کو سلطان کے صحت یاب ہو جانے کا یقین آجائے۔ اور شورہ پشت اور شاہزادے بدامنی سے باز رہیں۔

رفتہ رفتہ سلطان کے ہوش و حواس میں بھی فرق آنے لگا۔ اور اکثر بے ہوشی بھی طاری ہونے لگی۔ بلکہ ایک دفعہ سلطان شبانہ روز بے ہوش رہا۔

Marfat.com

امرائے دربار کے حاجی خان سے عہد وپیمان

حاجی خان اور بہرام خان یہ دونوں چھوٹے بھائی اپنے بڑے بھائی ادہم خان کے خلاف تھے۔ ادہم خان انہی کے خوف سے قطب الدین پور میں تنہا رہتا تھا۔ جب اس نے سنا کہ بادشاہ پر اب بے ہوشی طاری رہتی ہے۔ اور معلوم نہیں کہ کس وقت اس کا دم نکل جائے۔ تو اپنی فوج کو شہر کی محافظت کے لئے چھوڑ کر تنہا چند سواروں کے ہمراہ نو شہر میں آیا۔ تاکہ حاجی خان اور اس کے دوسرے دشمن اس پر کچھ بدگمانی نہ کریں۔ فرشتہ لکھتا ہے۔ کہ رات اس نے بادشاہ کے دیوان خانے میں بسر کی۔ طبقات میں لکھا ہے۔ کہ حسن خان کچھی نے جو امرائے بڈشاہی میں بزرگ تر تھا۔ دربار کا رنگ ادہم خان کے خلاف دیکھ کر اس کو کسی آئندہ مناسب وقت کے وعدے پر واپس بھجوا دیا۔ اور امراء کے منشا کے مطابق حاجی خان کو بلوایا۔ اور اُس سے عہد وپیمان کر کے سلطان کا اصطبل خانہ جس میں ہزار با گھوڑے تھے اس کے سپرد کر دیا۔ یہ خبر چشم زدن میں دارالخلافہ بلکہ سارے شہر میں پھیل گئی۔ حاجی خان نے بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت مانگی۔ لیکن امراء نے فتنہ وفساد کے خوف سے اجازت نہ دی۔

ادہم خان کی ہجرت کشمیر سے

ادہم خان نے جب حاجی خان کے استقلال واقبال کا حال سنا تو سمجھ گیا۔ کہ اب نہ صرف تخت کشمیر ہاتھ سے نکل گیا۔ بلکہ میری جان کی بھی خیر نہیں ہے۔ چنانچہ وہ جان بچا کر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے سپاہ نے بھی مایوس وبے دل ہو کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

Marfat.com

حاجی خان نے زین لارک اپنے ایک معتبر کو کچھ سپاہ دیکر ادہم خان کے تعاقب میں بھیجا۔ طبقات اور فرشتہ اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ ادہم خان نہایت شجاع وجوانمرد تھا۔ اور کچھ شک نہیں کہ اگر وہ اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے بادشاہ کو ناراض نہ کر لیتا۔ تو وہ بادشاہ کا بہترین جانشین ثابت ہوتا۔ اس کی شجاعت کے سلسلے میں لکھا ہے کہ ہر چند اسکے تعاقب میں ایک جماعت تھی۔ اور وہ بالکل تنہا تھا۔ دشمن اس کے سر پر بھی جا پہونچا۔ لیکن وہ مردانہ وار دشمنوں کو کاٹتا اور مارتا اور چیرتا ہوا نکل گیا[1]

---

[1] حاجی خان الملقب بہ سلطان حیدر شاہ کے زمانہ میں لولی نام حجام کا اقتدار تمام وزراء پر غالب آگیا۔ اور ملک میں بادشاہ کی غفلت اور وزراء کی خود غرضیوں سے شورش کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ تو ادہم خان ایک فوج کثیر جمع کر کے کشمیر پر حملہ آور ہونے کے لئے جموں پہونچا۔ وہاں اس نے سنا کہ حسن خان بھی جس کی اعانت و مدد سے حاجی خان کو بادشاہی نصیب ہوئی تھی اس حجام کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اسی اثناء میں ملک دیو راجہ جموں پر مغلوں نے حملہ کا ارادہ کیا۔ راجہ جموں نے ادہم خان سے مدد مانگی۔ ادہم خان حملہ کشمیر کا ارادہ فسخ کر کے راجہ کے ہمراہ مغلوں کی لڑائی میں شامل ہوا۔ دوران جنگ میں ایک تیر اسکے مسند پر آکر لگا۔ جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ سلطان حیدر شاہ کو خبر ہوئی۔ اس نے بہت افسوس کیا۔ اور راجہ جموں کی معرفت اسکی لاش منگواکر با اعزاز تمام اپنے باپ کے مقبرہ کے نزدیک دفن کرائی۔

Marfat.com

باپ کی ناراضگی کے ایام میں حاجی خان ہیر پورہ اور پونچھ کے پہاڑوں میں پناہ گزین تھا۔ اور چھ سال کے بعد بادشاہ نے اسے بمقام سوپور ملاقات کی تھی۔ اور پھر اسے دارالخلافہ ہی میں اپنے ہمراہ لے آیا تھا۔ لیکن حالات چونکہ بادشاہ کی ضعیفی اور بھائیوں کی ناہنجاریوں کی وجہ سے بدسے بدتر ہوتے جاتے رہتے تھے۔ اسلئے بال بچوں کو اس نے پونچھ ہی میں رکھا۔ جب اس کے بیٹے حسن خان کو پونچھ میں معلوم ہوا۔ کہ ادہم خان کشمیر سے بھاگ گیا ہے۔ اور اسکے باپ نے عروج حاصل کیا ہے۔ اور اس کا دلوا زین العابدین مرنے کے قریب ہے۔ تو وہ سرینگر میں اپنے باپ کے پاس چلا آیا۔ جس سے حاجی خان کی طاقت و قوت اور بھی زیادہ ہوگئی۔

بادشاہ کی وفات

ضعیف العمری بجائے خود ایک بیماری ہے۔ لیکن جب فرزندان ناہموار باہمی لڑائیوں میں مصروف ہوں۔ بلکہ باپ کا مقابلہ کرنے اور اس کی جان لینے سے بھی دریغ نہ کرتے ہوں۔ اور امراء اور مصاحبین فتنہ پردازیوں اور فتنہ سازیوں سے ایک دوسرے کو گرانے اور ذلیل کرنے کے درپے رہتے ہوں تو ان روحانی صدمات سے موت و حیات کی جو کشمکش ہے۔ اس کو بدنصیب باپ کے لئے دائمی رخصت کا پیام لانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔

سنہ ۸۷۹ھ مطابق سنہ ۱۴۷۴ء کی ایک رات کا وہ وقت تھا۔ جب خدائے قدوس کا نزول اجلال ساری دنیا پر چھا جاتا ہے اور رحمت حق اپنے بہت سے مضطر اور جویائے حقیقت قلوب کو اپنی آغوش میں لینے کیلئے سیماب وار بے قرار ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی وقت

Marfat.com

ایک جلیل القدر بادشاہ کی مقدس اور سعید روح لقائے محبوب کے شوق میں رفیق اعلیٰ سے جا ملی۔ اور اپنے فداکاروں کو تڑپتا ہوا چھوڑ گئی۔

بادشاہ کہنے کو بادشاہ تھا لیکن ایسا بادشاہ نہیں تھا کہ رعایا کی کسی ادنیٰ فرد کی رسائی بھی اس تک ناممکن ہوتی - وہ بیوہ عورتوں، یتیموں، ناداروں، محتاجوں اور ستم رسیدہ افراد کا دستگیر تھا۔ اور اپنے انصاف وعدل میں ہندو مسلمانوں کو یکساں تصور کرتا تھا۔

اس کی موت دنیائے شریعت وطریقت کیلئے ایک سانحہ عظیم تھی۔ اسکی موت ملکی امن و فارغ البالی کیلئے صدمہ روح فرسا تھی۔ امراء، وزراء عالم اور صوفی، مشائخ اور شاعر، ہندو مسلمان سب اس مقدس انسان کے انتقال اور اس متاع عزیز کے لٹ جانے پر جس کو وہ "مرشد عالم و عالمیاں" سے کم نہ سمجھتے تھے۔ جس قلب وزبان سے ماتم کناں تھے۔ کاش یہ ہر دلعزیزی و مقبولیت اسکے جانشینوں کو بھی نصیب ہو سکتی۔

۸۹۶ھ یا اس کے پس وپیش کی پیدائش کے مطابق بادشاہ کی عمر نوے سال سے زیادہ تھی - باون سال اس نے بادشاہی کی سال وفات تو ۸۷۹ھ سب نے لکھا ہے۔ لیکن یوم وفات کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔

رعایا کے ہر طبقہ اور ہر گروہ نے اپنے محبوب بادشاہ کا جو ماتم کیا۔ اس نے ع " دل بیگانگاں بہر تو خون است" کا قول صحیح کر دکھایا۔ بادشاہ کی الم انگیز وفات پر نوحے اور مرثیئے لکھے گئے۔ دو ایک نوحوں کے چند اشعار ذیل میں درج ہیں۔ —

سلطان زین العابدین — زد خیمہ در خلد برین
بے نور شد تاج و نگین — بے نور شد ارض و سماء

Marfat.com

از بہر تاریخش عیان — بے سر شدہ اندر جہاں
عدل و کرم علم و حلم — جاہ و حشم صلح و صفا[1]
دیگر: دریغا بادشاہ مسلمین رفت — امام وقت زین العابدین رفت
جہاں تاریک شد از ماتم او — کہ خورشید زمان زیر زمین رفت
کشید از آسمان سر ہاتف غیب — ندا در داد ماہ ملک دین رفت

آسمان کا سر الف = ١ . ٨٨٠ +١ = ٨٧٩ھ

بڈشاہ کی قبر اس کے باپ کی قبر کے سامنے مزار السلاطین میں بنائی گئی اور وہ نادر الوجود ہستی جس نے اپنی انصاف پرور علم دوست اور بے تعصب حکومت کی وجہ سے کشمیر کی عظمت کا سکہ تمام ہندوستان اور ہندوستان سے باہر عرب و روم اور ایران و خراسان تک بٹھا رکھا تھا۔ فوجی جاہ و جلال کے ساتھ سپرد خاک کر دی گئی۔

زین العابدین عرف بڈشاہ کی قبر کے باعث آج مزار السلاطین

---

[1] عدل، کرم، قلم، جاہ، حشم، صلح صفا کو بے سر کرنے یعنی ان لفظوں کا پہلا پہلا حرف اڑانے سے صرف ٣٥٩ عدد نکلتے ہیں۔ حالانکہ وفات ۸۷۹ھ میں ہوئی ہے۔ نیز مصرع میں حلم کا لفظ بہ فتح پڑھا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ بہ سکون ہے۔ البتہ اگر مصرع تاریخ یہ قرار دیا جائے ؎ عدل و کرم امن و اماں۔
زیب و حشم صلح و صفا تو ہر لفظ کو بے سر کرنے یا اس کا پہلا حرف اڑانے سے ۸۷۹ھ برآمد ہوتا ہے۔ یہ صحیح سال وفات ہے۔ معلوم نہیں غلط مصرع کس طرح نقل در نقل ہوتا چلا آیا۔

Marfat.com

"مقبرہ بڈشاہ" کہلاتا ہے۔ مقبرہ کے احاطہ کے اندر کشمیر کے کئی بادشاہ کئی شہزادے۔ کئی بیگمات۔ اور کئی نامی سردار اور مشائخ دفن ہیں۔ لیکن مقبرہ بڈشاہ کی جو حالت آج نظر آرہی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں کسی کو بھی شیخ سعدی کی اس زرین نصیحت ؎

نام نیک رفتگاں ضائع مکن — تا بماند نام نیکت برقرار

کا خیال نہیں ہے۔

بڈشاہ اور اکبر اعظم

بڈشاہ کو کشمیر میں اور اکبر کو سارے ہندوستان میں عظیم شہرت وہردلعزیزی حاصل ہے۔ اور اس ہر دلعزیزی میں ان دونوں کا مقابلہ بھی کیا گیا ہے۔ اکبر چونکہ سارے ہندوستان کا شہنشاہ تھا۔ بڈشاہ کی حکومت صرف کشمیر کاشغر و تبت و پنجاب اور سرحدات کے بعض حصص پر تھی۔ اسلئے بقول صاحب "اسلامک کلچر ان کشمیر" ان کی مماثلت ومشابہت وسعت ملک کے لحاظ سے نہیں۔ بلکہ وسعت اخلاق کے لحاظ سے ہونی چاہیئے۔

بڈشاہ کے دربار میں بھی ابوالفضل۔ فیضی۔ بدایونی۔ اور ٹوڈرمل جیسے یگانہ روزگار مصاحب موجود تھے۔ لیکن دقت یہ تھی کہ بڈشاہ کے حالات کی کتابیں اور تاریخیں کشمیر کی چاردیواری ہی میں محدود رہیں۔ اور انقلاب روزگار سے آج ان میں سے بھی کئی ایک کو صفحہ عالم سے مٹا رکھا ہے۔

ل یہ مقبرہ زینہ کدل کے پل سے چند قدم آگے برلب دریا ڈاکخانہ مہاراج گنج کے سامنے ہے۔ قبرستان کی چاردیواری تک سلامت نہیں ہے۔ تمام قبریں شکستہ اور خراب ہیں۔ اور روز بروز معدوم ہو رہی ہیں۔

Marfat.com

اکبر کے عہد کی تاریخیں اس کی توسیع حکومت کے ساتھ سارے ہندوستان میں پھیلتی گئیں۔ اور جب ہندوستان میں مطابع کا اجراء ہوا۔ تو ان کی شہرت نے ان کو زیور طبع سے آراستہ ہونے کا موقع بھی دے دیا۔

نیز اس کے دربار میں اہل فرنگ بھی آئے۔ اور انہوں نے اپنے ملکوں میں واپس جاکر مشرقی درباروں کا بطور عجائبات ذکر کیا۔ اور بادشاہ کے حالات پر جس نے نصاریٰ کو اپنے ملک میں ہر قسم کا آرام دیا۔ بلکہ ان کا بڑا اعزاز کیا تھا۔ کتابیں لکھیں اور شائع کیں اور مدارس کی تاریخ ہند نے نمایاں طور پر اکبر کو اپنے صفحات میں جگہ دی۔ پھر اکبر کے حالات جب مولانا آزاد دہلوی نے اردو زبان میں لکھے[1] تو انہوں نے اپنی مشہور جادو نگاری سے اس کی شہرت کو بقائے دوام کا خلعت پہنایا۔[2]

چھاپہ کی برکت سے نہ صرف اکبر کے عہد کی بلکہ اس سے ماسبق زمانہ کی کئی کتابیں بھی آج عام طور پر مل سکتی ہیں۔ لیکن کشمیر کی جلتی فارسی۔ کشمیری[3] یا سنسکرت کی تاریخیں اور دیگر علوم و فنون کی کتابیں ہیں۔ اہل کشمیر کی تنگدلی و جہالت کی وجہ سے ہنوز پردہ گمنامی میں ہیں۔ بلکہ اکثر ضائع ہو چکی ہیں۔ کچھ انگریزی اور جرمن سیاح مزید خرید کر لے گئے۔ اور کچھ مالکان کتب کی نااہلیت کی وجہ سے کیڑوں کی نذر ہو رہی ہیں۔ ورنہ زین العابدین کے حالات

---

[1] دربار اکبری عہد اکبری کی شاندار تاریخ ہے۔

[2] اس کے مقابلہ میں بڈشاہ کے حالات اردو زبان میں لکھے ترجمہ جیسے ہے تا دیم ممکن

[3] دیباچہ اسرار الابرار میں لکھا ہے۔ وتواریخ کشمیر بعضے بہ لغت کشمیری بعضے بہ زبان پارسی۔

Marfat.com

میں ژونہ راج نے زینہ ترنگنی ۔ اور سوم پنڈت نے زینہ چرت کے نام سے جو کتابیں سنسکرت زبان میں لکھی ہیں۔ ان کا ترجمہ اگر کہیں شائع ہوجائے تو دنیا کو بڈشاہ کی طرز حکومت اور اس کی لازوال ہردلعزیزی کا شاید کچھ علم ہوسکے کیا کسی اور مسلمان بادشاہ کے حالات بھی آج تک سنسکرت زبان میں لکھے گئے ہیں۔

یہ دعویٰ نہایت وثوق سے کیا جاسکتا ہے۔ کہ زین العابدین سوائے توسیع مملکت کے تمام باتوں میں اکبر سے زیادہ مرتبہ رکھتا تھا۔ اور یہ تو ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ زین العابدین نے ۸۷۸ھ میں انتقال کیا۔ اور اکبر ۹۶۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ یا بہ الفاظ دیگر اکبر زین العابدین کی وفات کے پچاسی سال بعد تخت پر بیٹھا۔ اور جب اس نے ۹۹۴ھ میں کشمیر پر قبضہ کیا۔ اور اس کی بڈشاہ کی ہردلعزیزی کا علم اور اس کے عہد کی تاریخوں اور کتابوں کا پتہ لگا تو اس نے بڈشاہ کے حالات دریافت کرنے کے لئے کشمیر کی تاریخوں اور کتابوں کے ترجمے کرائے۔ اور بڈشاہ کی زندگی اور اس کی طرز حکومت سے بہت کچھ استفادہ حاصل کیا۔

بڈشاہ خود عالم تھا۔ کئی زبانوں سے آگاہ تھا۔ علم حدیث وفقہ میں درجہ اجتہاد رکھتا ہو۔ لیکن ان علوم پر اس کو کامل عبور تھا۔ مذہبی کتابوں کے لئے سرزمین حجاز تک زادراہ دے کر لوگوں کو بھیجتا تھا۔ علماء ومشائخ کی قدر کرتا تھا۔ اس کے مقابلے میں اکبر "دین ومذہب" سے بالکل کنارہ کش تھا۔ اس نے بڑے بڑے عالموں کو اور مفتیوں تک کو شراب پلوادی۔ وہ علماء ومشائخ کا مضحکہ اڑاتا تھا۔ اور ایک نئے دین کا بانی

Marfat.com

بنا تھا۔ جس کا نام اس نے دین الٰہی اکبر شاہی رکھا تھا۔
وہ کبھی آگ کو پوجتا۔ کبھی مریم و عیسیٰ کی تصویروں کو چومتا۔ کبھی
آفتاب کی پرستش کرتا۔ کبھی ماتھے پر ٹیکہ لگاتا۔ اور کبھی شاہی خاندان
کے کسی فرد کی موت پر ہندوؤں کی طرح سر منہ اور داڑھی منڈواتا۔ اور وہ
اس طرح غیر مسلموں میں ہر دلعزیزی حاصل کرتا۔ بڈشاہ اپنے آخری سانس
تک اپنے مذہب پر قائم رہا۔ نہ اس نے آگ کی پرستش کی نہ آفتاب
کی۔ نہ اس نے بتوں کو پوجا۔ لیکن بایں ہمہ اس کو تمام ہندوؤں نے بڈشاہ
سے بڈشاہ یعنی ہندوؤں کا بادشاہ بنا دیا۔ اس نے مندروں اور بت
خانوں کی جو مسمار اور منہدم تھے از سر نو تعمیر کرائی۔ اور ساتھ ہی مسجدوں کی
تعمیرات سے بھی غافل نہ رہا۔ اس نے ہندو جوگیوں اور یا عمل
سنیاسیوں سے ہمیشہ عقیدت و ارادت کا اظہار کیا۔ لیکن مسلمان علماء
و مشائخ سے بھی کبھی منہ نہ موڑا۔ اس نے ہندوؤں کے علم و فن کی کتابیں ہندوستان
کے مختلف ممالک سے منگوائیں۔ اور سنسکرت کو ترقی دینے کی تدابیر نکالیں
لیکن عربی فارسی کی ترویج و اشاعت کو بھی اپنا فرض سمجھتا رہا۔ اکبر کی
پرائیویٹ زندگی عیش و عشرت کا نمونہ تھی۔ اس کے محلات میں کئی مسلمان
بیگمات اور کئی ہندو رانیاں تھیں۔ راجپوت راجاؤں اور مسلمان امراء کی

ل علامہ سعد کشمیر میں پنڈت بربو یاں لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے
بادشاہ کی ہنود نوازی کی وجہ سے اس کا نام نو ظہر شاہ
مشہور کر رکھا تھا۔

لڑکیوں نے جو اس کے رشتہ مناکحت میں بندھی ہوئی تھیں۔ محل شاہی کو اندر کا اکھاڑا بنا رکھا تھا۔ اس کے خلاف زین العابدین کی صرف دو بیگمات تھیں۔ اور اگر پہلی بیگم صاحب اولاد ہوتی۔ تو وہ کبھی دوسری شادی نہ کرتا۔ اور یہ تزکیۂ نفس اور ضبط نفس کی ایسی لاجواب مثال ہے۔ کہ کسی مشرقی یا مغربی بادشاہ کو کم نصیب ہوئی ہوگی۔ جس نے دین اسلام میں اپنا علیحدہ مذہب قائم کرکے ایک نیا رخنہ پیدا کر دیا ہو اور اس کی تخریب و تضحیک کے درپے رہتا ہو۔ اس سے نماز و روزہ کی پابندی کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ لیکن بڈشاہ کے مقابلہ میں نماز و روزہ کے علاوہ چلہ کشی جیسی سخت ریاضت بھی کیا کرتا تھا۔ اور اس شہادت خود اکبر کا بیٹا جہانگیر اپنی توزک میں دیتا ہے۔

اکبر نے اپنے مذہب پر ملکی مصلحتوں کو ترجیح دی۔ اور اس کو ضعف پہنچا کر دوسرے لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی۔ لیکن بڈشاہ نے ملکی مصلحتوں سے بھی کام لیا۔ غیر اقوام کو بھی خوش رکھا۔ اور دامن اسلام بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر کے مقابلہ میں وہ بہت زیادہ خراج محبت و احترام حاصل کر رہا ہے۔

Marfat.com

پانچواں باب

بڈشاہ کے ہمعصر سلاطین

جس زمانہ میں کشمیر کی مملکت پر سلطان زین العابدین نہایت جاہ وجلال اور استقلال سے حکومت کر رہا تھا ہندوستان شاہان دہلی خصوصاً خاندان تغلق و سادات کی کمزوریوں کی وجہ سے کئی بادشاہیوں میں منقسم ہو چکا تھا۔ دہلی' دکن۔ مالوہ گجرات۔ سندھ۔ بنگال و بہار۔ ملتان اور ممالک شرقی یعنی جونپور وغیرہ سب جگہ الگ الگ بادشاہ تھے۔

شاہان دہلی

بڈشاہ کے ۵۲ سالہ عہد حکومت میں دہلی نے چار بادشاہ دیکھے۔ ابو الفتح مبارک شاہ تخت نشینی سنہ ۸۲۴ھ۔ سلطان محمد شاہ سنہ ۸۳۷ھ۔ سلطان علاؤالدین سنہ ۸۴۹ھ یہ تینوں بادشاہ خضر خان بانیٔ خاندان سادات کی اولاد سے تھے۔ ان کے

Marfat.com

زوال کے ایام میں بہلول لودھی کا اقبال اپنے کمال کی تلاش میں تھا۔ چنانچہ ۸۵۵ھ میں وہ دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔ اور ۸۹۳ھ تک حکومت کرتا رہا۔

شاہان دکن

دکن میں ۸۲۵ھ میں یعنی بڈشاہ سے ایک سال قبل سلطان احمد شاہ بہمنی تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد نظام شاہ اور محمد شاہ بہمنی یکے بعد دیگرے ۸۸۷ھ تک حکومت کرتے رہے

شاہان گجرات

گجرات میں بڈشاہ کی تخت نشینی کے ایام میں سلطان احمد شاہ (بانی احمد آباد گجرات) کی حکومت تھی۔ ۸۴۶ھ میں اس کا بیٹا محمد شاہ اور اس کی معزولی کے بعد ۸۵۵ھ میں سلطان قطب الدین تخت احمد آباد پر بیٹھا۔ اسکے بعد ۸۷۳ھ میں احمد شاہ کے بیٹے داؤد شاہ نے سات دن تک حکومت کی۔ پھر اسی سال سلطان قطب الدین کا چھوٹا بھائی محمود شاہ تخت پر بیٹھا۔

شاہان مالوہ

مالوہ میں جو راجہ بکرماجیت اور راجہ بھوج کا ملک ہے۔ بڈشاہ کے زمانہ اول میں ہوشنگ اور ۸۳۸ھ میں اس کا بیٹا محمد شاہ بادشاہ تھا۔ ۸۳۹ھ میں محمود خلجی نے اس خاندان کو تباہ کر کے اپنی حکومت قائم کی۔ اور طویل حکومت کے بعد ۸۷۳ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین اسکا بیٹا بادشاہ ہوا۔ اسی کے زمانہ میں بڈشاہ نے ۸۷۷ھ میں وفات پائی۔

شاہان بنگال و بہار

بڈشاہ کے ابتدائی چار سالوں میں بنگال و بہار میں سلطان احمد بن سلطان جلال الدین بادشاہ تھا۔ اس کے بعد ناصر الدین نے ایک ہفتہ اور ناصر شاہ نے (وفات ۸۶۳ھ)

Marfat.com

۳۴ سال اور باربک شاہ نے ۱۷ برس کے بعد ۸۷۹ھ میں بڈشاہ کی وفات کے سال ہی میں انتقال کیا۔

شاہان جونپور سلاطین مشرقی میں بہ زمانہ بڈشاہ ابراہیم مشرقی (سال وفات ۸۴۴ھ) اس کے بعد اس کا بیٹا محمود مشرقی (وفات ۸۶۳ھ) اس کے بعد اس کے دو بیٹے تخت نشین ہوئے۔ محمد شاہ صرف پانچ ماہ اور حسین شاہ جو بڈشاہ کی وفات کے زمانہ تک زندہ تھا۔

شاہان سندھ سندھ ٹھٹھہ میں ۸۲۶ھ یعنی بڈشاہ کے سال جلوس میں جام تغلق بن جام سکندر بادشاہ تھا۔ جام تغلق کے بعد جام مبارک۔ جام سکندر۔ جام سنجر اور جام نظام الدین عرف سندا تخت پر بیٹھے۔ جام سندا ۸۶۴ھ میں بادشاہ ہوا اور ۶۱ سال تک حکومت کرتا رہا۔

مملکت پنجاب بڈشاہ کے زمانے میں پنجاب ہر قسم کی بدامنیوں اور بے چینیوں کا مرکز تھا۔ کبھی بادشاہ دہلی کی طرف سے یہاں گورنر مقرر ہو کے آتے تھے۔ اور کبھی گکھڑوں کی قوم اس پر قابض ہو جاتی تھی۔ خود بڈشاہی فوجوں نے بھی جسرت گکھڑ کو یہاں استقلال دیا۔ جسرت گکھڑ اور شیخا گکھڑ کا نام تیمور کے حملۂ ہند ۸۰۱ھ سے بھی پہلے ہی صفحات تاریخ پر نظر آرہا ہے۔ ان کی لوٹ مار سے پنجاب کو کبھی چین نصیب نہیں ہوا۔ جسرت گکھڑ ۸۵۵ھ تک جب بہلول نے دہلی کی سلطنت پر قبضہ کیا ہے۔ زندہ تھا۔

Marfat.com

بادشاہ کشمیر کے تعلقات دیگر بادشاہوں کے ساتھ

اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ سلطان زین العابدین کے معاصرانہ تعلقات ہندوستان میں یا ہندوستان سے باہر کون کن بادشاہوں کے ساتھ تھے۔ کشمیری فرمانرواؤں میں زین العابدین ہی سب سے پہلا بادشاہ تھا جس نے ممالک غیر کے بادشاہوں کے ساتھ سلسلہ اتحاد قائم رکھنے کی ضرورت محسوس کی۔ بلکہ اکثر بادشاہوں نے خود تحفہ و تحائف بھیجکر اس کے ساتھ تعلقات قائم کئے۔ یہ سب بادشاہ بادشاہ کی دوستی پر فخر کرتے۔ اور اس کی خوبیوں کے مداح تھے۔

گوالیار

گوالیار کو اکبر کے زمانہ تک علم موسیقی میں خاص شہرت حاصل تھی۔ تان سین جس نے اکبر کے دربار میں آکر تمام... ہندوستان میں ناموری پیدا کرلی۔ گوالیار ہی کا باشندہ تھا۔ یہاں کے فرمانروا بھی اس فن سے نسبت خاص رکھتے تھے۔ بقول صاحب طبقات راجہ گوالیار کا نام ڈونگر سین تھا۔ جب اس نے سنا کہ بادشاہ کشمیر کو علم موسیقی سے بہت رغبت ہے اور وہ موسیقی والوں کو بہت قدر کرتا۔ اور خود بھی اس علم میں مہارت تامہ رکھتا ہے۔ تو اس نے موسیقی اور سنگیت کے کتابوں کے دو تین نسخے اپنے معتبروں کے ہاتھ کشمیر بھیجے۔ صاحب مختصر التواریخ لکھتے ہیں "راجہ گوالیار چوں اطلاع یافت کہ سلطان را بہ علم موسیقی رغبتے است - دو سہ کتاب این فن مرسل داشتہ سلسلہ اخلاص

ؔ پنڈت بیربر کاہیرو۔

واتحاد مرعی داشت"۔ صاحب طبقات لکھتے ہیں۔ علاوہ کتابوں کے اس نے بادشاہ کے پاس اور بھی کئی تحائف بھیجے۔ اور سلسلہ اخلاص واتحاد قائم کیا۔

راجہ ڈونگرسین ۸۷۲ھ میں انتقال کر گیا۔ اسکی جگہ اس کا فرزند راجہ کیرت سنگھ مسندنشین ہوا۔ گوالیار و کشمیر کے تعلقات و مراسم قائم تھے۔ ظاہر ہے کہ بادشاہ نے ڈونگرسین کی تعزیت اور جدید راجہ کی مسندنشینی پر مبارکباد کیلئے ضرور اپنے معتبر گوالیار میں بھیجے ہوں گے۔

خراسان سلطان ابوسعید نے جو بابر بادشاہ کا جد امجد تھا۔ بادشاہ کشمیر کیلئے خراسان سے اسپان تازی۔ خچران راہوار اور شتران قوی ہیکل بھیجے۔ اور ایک خریطہ کے ذریعہ دوستانہ خیالات کا اظہار کیا۔ بادشاہ نے ان تحائف کے عوض زعفران، کشمیری کاغذ مشک۔ عطر۔ گلاب۔ سرکہ۔ اعلیٰ قسم کے شال اور بلور کے نفیس برتن اور کئی اور تحفے سلطان کے پاس بھیجے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بلور کے برتن بھی کشمیر میں تیار ہوا کرتے تھے۔

لاسہ والئی لاسہ نے جو تبت سے اوپر چین کی سرحد پر ہے۔ دو جانور جن کو راج ہنس کہتے تھے۔ اور جو نہایت خوش رنگ وخوش شکل تھے جھیل مان سرودر سے پکڑ کر اس کے پاس بھجوائے۔ ان جانوروں کی خاصیت یہ تھی کہ پانی اور دودھ ملاکر اگر ان کے روبرو رکھدیا جائے۔ تو وہ اپنی منقاروں سے دودھ کے اجزاء پانی سے جدا کر لیتے تھے۔ بادشاہ نے ان کی اس خاصیت کا خود مشاہدہ کیا۔ اور جب دیکھا کہ ان جانوروں نے پیالوں سے دودھ کے اجزاء پی لئے ہیں۔

Marfat.com

اور باقی پانی ہی باقی رہ گیا ہے۔ تو وہ اس تحفہ سے بہت محظوظ ہوا۔[1]

احمد آباد گجرات گجرات احمد آباد کے بادشاہ سلطان محمود شاہ نے جب زین العابدین کی رعایا نوازی اور علمی سرپرستوں کی دھوم سنی۔ تو اس نے بھی اپنے دور دراز ملک سے ایسے نیک و عادل بادشاہ سے دوستی پیدا کرنا اپنے لئے باعث فخر سمجھا یا۔ چنانچہ اکثر تحائف و نادرات اپنے آدمیوں کے ہاتھ ایک عریضہ شوق کے ہمراہ بادشاہ کو ارسال کئے۔

سندھ بڈشاہ کے طویل زمانہ حکومت میں تخت سندھ نے پانچ بادشاہوں کی قدمبوسی کی ہے۔ ان میں جام تغلق نے ۲۸ سال اور جام سنجرا نے ۶۲ سال بادشاہی کی ہے۔ جام سنجرا کی حکومت سنہ ۹۲۶ھ تک رہی ہے۔ بڈشاہ نے اسی زمانہ میں سنہ ۸۷۷ھ میں انتقال کیا تھا۔ صاحب طبقات لکھتے ہیں۔ بادشاہ سندھ نے اسپان اور دیگر تحائف اور بہت سا اسباب شاہانہ بڈشاہ کے پاس بھیجا۔ بلکہ ایک قصیدہ بھی بادشاہ کی شان میں لکھ کر ارسال کیا۔ صاحب طبقات رقم طراز ہیں کہ قصیدہ پڑھکر بادشاہ کشمیر نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ وہ اس قسم کا بادشاہ ہے کہ خود بادشاہ اس کی شان میں قصیدہ مدحیہ لکھتے اور براعزاز روانہ کرتے ہیں۔

سندھ کا یہ کون بادشاہ تھا۔ اس کی توضیح و تشریح کسی مؤرخ نے نہیں کی۔ غالباً جام تغلق یا جام سنجرا میں سے کوئی ایک ہوگا۔

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم و طبقات اکبری۔

یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ابوالفضل اور صاحب طبقات کی تحریروں کے مطابق زین العابدین سندھ تک بھی جا پہنچا۔

تخت دہلی خاندان سادات کے آخری تین بادشاہوں کے زمانہ میں ہر صوبہ تخت دہلی سے خودسر ہو رہا تھا۔ بلکہ خود زین العابدین نے اسی زمانہ میں پنجاب و سرہند تک اپنی فوجیں پہونچائیں۔ لیکن جب سلطان بہلول لودھی ۸۵۵ھ میں دہلی کا بادشاہ ہوا۔ تو اس نے بڈشاہ کے پاس جو پنجاب میں اس کا زبردست ہمسایہ تھا۔ تحائف و نفائس بھیج کر رابطۂ مؤدت محکم کیا[۱]

مکہ مصر اور روم ہندوستان کے علاوہ بادشاہ کشمیر کے ساتھ بیرون[۲] ہند کے اسلامی ممالک سے بھی رابطہ دوستی قائم تھا۔ جن میں خراسان کا ذکر ہو چکا ہے۔ ترکستان سیستان شریف مکہ۔ خدیو مصر سلطان مصر روم بھی بڈشاہ کی سطوت و شوکت کے قائل تھے۔ چنانچہ صاحب طبقات اکبری (صفحہ ۶۰۳ پر) لکھتے ہیں۔ "حاکم مکہ معظم کرم و مصر و گیلان و غیر آں نیز تحفہ و ہدیۂ فرستادہ ہمیں شیوہ را مرعی می داشتند"

---

[۱] طبقات اکبری

[۲] اسلامک کلچر ان کشمیر (انگریزی)

Marfat.com

چھٹا باب

بڈشاہ کا شوقِ تعمیرات

بڈشاہی عہد کا فن عمارت۔ شفاخانے۔ مسافر خانے۔ ڈل میں بڈشاہی عمارت۔ باغات وقصبات۔ شاہی محلات۔ بڈشاہ کے ہفت زینہ۔ بڈشاہی عہد کے پل وزینہ گیر کی آبادی وشادابی۔ وغیرہ۔

بڈشاہ کے تعمیری شوق کا ذکر تاریخوں میں۔

مرزا حیدر کاشغری[1] جو کشمیر میں صاحب حکومت بھی رہا ہے۔ کشمیر کا سب سے قدیم فارسی مؤرخ ہے۔ جو ہمایوں کے عہد میں گذرا ہے۔ وہ اپنی تاریخ رشیدی میں بڈشاہ کے شوق تعمیرات کا ذکر کرتا ہوا اس کی کئی عمارتوں اور اس کے کئی باغات بالخصوص زینہ لنک کی دلچسپ کیفیت سے اپنی تاریخ کے اوراق کو زینت دیتا ہے۔ اسی طرح بجنشی

[1] ہمایوں بادشاہ کا خالہ زاد بھائی تھا۔

Marfat.com

نظام الدین احمد اپنی کتاب طبقات اکبری میں جو بڈشاہ کی وفات کے قریبا سوا سو سال بعد لکھی گئی ہے۔ بڈشاہی تعمیرات کا ذکر کرتا ہے۔ جہانگیر بھی اپنی توزک میں کشمیر کے اس جلیل القدر بادشاہ کی بزرگی و برتری کا ذکر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ وہ لکھتا ہے۔

"او را بڈشاہ کلامی می گویند۔ خوارق عادات او بسیار نقل می کنند۔ آثار وعلامات وعمارات او در کشمیر بسیار است"[1]

بعض دیگر تاریخوں کے بیانات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان تین نادر مؤرخوں کے علاوہ زونہ راج اور سری ور وغیرہ سنسکرت زبان کے قدیم مؤرخوں نے بھی بڈشاہ کی تعمیری دلچسپیوں کی اکثر جگہ تعریف کی ہے۔ غرض یہ بادشاہ اس قدر تعمیری دلچسپیاں اور جدید عمارات و باغات کا اس قدر شوق مبدار فیاض سے لے کر آیا تھا۔ کہ یقیناً اس لحاظ سے وہ اپنے زمانے کا شاہجہان تھا۔

اس نے علم طب کو رواج دیا۔ حکیم حاذق اور طبیب کامل جگہ جگہ سے بلوائے۔ دارالخلافہ میں تو شفاخانوں کی تعمیرات کا عام ذکر ہے۔ ممکن ہے۔ دارالخلافہ کے علاوہ بعض دیگر مشہور مقامات میں بھی شفاخانے تعمیر کرائے ہوں۔ آمد و رفت کے رستوں میں منزلیں۔ سرائیں اور مسافر خانے تعمیر کرا کے بادشاہ نے اپنی مملکت کو دارالامان اور کشمیر کو جنت نظیر بنا دیا۔

صاحب اسلامک کلچر ان کشمیر[2] آرکیالوجیکل سروے رپورٹ ۱۹۰۶ء

[1] توزک جہانگیری مرتبہ سرسید احمد خان۔ مطبوعہ ۱۸۶۴ء صفحہ ۲۹۶

[2] صفحہ ۲۹ در ذکر فن تعمیرات ۔

کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

"کشمیر میں اسلامی فن عمارت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) مغلیہ عہد سے قبل طرز تعمیرات (۲) چوبی طرز کی عمارت (۳) خالص مغلیہ طرز عمارت"

قدیم طرز عمارت

قسم اول میں دو بڑی شہرہ آفاق عمارتیں اب تک سری نگر میں بڈشاہ کے باپ سلطان سکندر بت شکن اور خود بڈشاہ کے زمانہ کی موجود ہیں۔ ایک والدہ زین العابدین یعنی سلطان سکندر بت شکن کی بیگم کا مقبرہ جو مہاراج گنج میں احاطہ مزار السلاطین کے ساتھ ایک بلند گمٹ (گنبد) کی صورت میں اب تک اقبال سکندری پر نوحہ کر رہا ہے۔ اس عمارت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں روغنی اور سانچہ کی ڈھلی ہوئی نیلے رنگ کی اینٹیں جو بیرونی دیواروں میں کچھ کچھ فاصلوں پر لگی ہوئی ہیں۔ اپنی قدیم صنعت کا ثبوت دیتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عمارت ایک مندر کے چبوترہ پر تعمیر کی گئی تھی۔

اسی طرح شہر میں حضرت سید مدنی کا مقبرہ ایک چھوٹی سی عمارت میں ہے۔ جو شاید اپنی شکستگی و تباہ حالی کی وجہ سے فراموش کر دیا گیا ہے۔ بقول مسٹر نکولسن اس کی رنگین ٹائیلوں کا کام ایک قدامت پسند کے لئے غیر معمولی دلچسپی کا سرمایہ ہے۔ اس رنگین کام کے بعض حصے اب بھی مقبرہ کی دیواروں پر اپنے متعدد پہلوؤں میں اپنے متضاد شوخ رنگ مٹے ہوئے نقش و نگار کی صورت میں دکھا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹائیلوں کا کام مغلیہ عہد سے قبل بھی کشمیر میں رائج تھا۔ کہا جاتا ہے کہ یہ

لہ از اسلامک کلچر ان کشمیر صفحہ ۲۰۹

Marfat.com

مقبرہ سنہ ۱۴۴۳ء میں زین العابدین کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ اس قسم کی قدیم صنعت اب کشمیر میں اس درجہ معدوم ہے کہ ان دو عمارتوں کے سوا اس قسم کی کسی اور عمارت کا نشان ملنا قریباً ناممکن نظر آتا ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی فتوحات اور ان کی عظیم الشان شوکت وسطوت کا اثر وسط ایشیا کے گوشہ گوشہ میں سرایت کر چکا تھا۔ اور خطۂ فردوس کا یہ ٹکڑا جس کا نام کشمیر ہے۔ تہذیب اسلام سے بلاواسطہ متمتع ہو رہا تھا۔ اور زین العابدین کے طویل عہد حکومت نے تو اس ملک کی شہرت چار دانگ عالم تک پہونچا دی تھی۔

زین العابدین کے زمانہ میں جدید طرز عمارت میں نمایاں ترقی ہوئی۔ بادشاہ ہنر پرور تھا۔ وہ ذات وصفات کی پرورش کی بجائے علم وہنر کی قدردانی میں زیادہ لطف پاتا تھا۔ سمرقند اور بخارا اور وسط ایشیا سے جو اہل ہنر اور صاحب فن اس کے ہمراہ آئے تھے۔ ان میں فن تعمیرات کے ماہرین بھی تھے۔ وہ ان کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کرتا تھا۔ اور وہ بھی قدردان بادشاہ کو خوش کرنے کیلئے اپنے اپنے کمال دکھاتے تھے۔

آج کشمیر کی عمارتوں میں جو بھی کچھ رنگینیاں دیکھ رہے ہو۔ اور چھتوں کے نقش ونگار میں جس صنعت پر احسنت ومرحبا کہتے ہو۔ یہ سب بڈشاہی قدردانیوں کا ظہور ہے۔

تعمیرات بڈشاہی

بڈشاہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں جس قدر باغات احداث کئے۔ پل بنوائے۔ نہریں کھدوائیں۔ نئے شہر اور محلے اور دیہات آباد کئے۔ مساجد ومنار آباد اور مرمت وتعمیر کرائے۔ ان کی تفصیل تو بہت طویل ہے۔ مگر چند ایک حسب ذیل ہیں۔ نہروں کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔

Marfat.com

۱۔ زینہ لنک در تالاب ڈل
۲۔ زینہ لنک در تالاب وُلر
۳۔ زینہ کدل در نفس شہر سرینگر
۴۔ زینہ بازار متصل زینہ کدل
۵۔ زینہ سھو در پرگنہ آڈون
۶۔ زینہ ڈب در نوشہر سرینگر
۷۔ زینہ گیر در علاقہ کامراج
۸۔ پل سوپور بر دریائے بہت در وسط سوپور
۹۔ زینہ مرگ در علاقہ پائین
۱۰۔ زینہ کوٹ متصل اندرکوٹ
۱۱۔ نوشہرہ۔ در سری نگر جانب شمال
۱۲۔ زینہ کنڈل۔ کامراج
۱۳۔ سلطان پورہ۔ کامراج
۱۴۔ باغ بڈشاہی۔ ادنی پورہ
۱۵۔ زینہ پورہ۔ پرگنہ آڈون
۱۶۔ جامع مسجد شوپیاں
۱۷۔ جامع بارہ مولا
۱۸۔ مسجد گاڈہ یار در نفس شہر متصل زینہ کدل
۱۹۔ مزار السلاطین " "
۲۰۔ مسجد جامع نوشہرہ در محلہ نوشہرہ
۲۱۔ ہفت پل بڈشاہی
۲۲۔ خانقاہ چرار شریف
۲۳۔ خانقاہ اشم، موضع اشم
۲۴۔ خانقاہ سید برخوردار در سری نگر
۲۵۔ خانقاہ مدنی صاحب
۲۶۔ دشتی شود مندر

ڈل میں بڈشاہی عمارت

ڈل بظاہر ثقیل سست اور ایک بھدا سا نام ہے۔ لیکن اپنے پانی کی صفائی اور لطافت اور اپنی بیش بہا پیداوار اور اپنی زمین چرلئے جانے کی وجہ سے تمام کشمیر میں بلکہ دور دور مشہور ہے۔ ڈل کا طول مشرقی سمت گگری پل سے لیکر تیل بل تک تخمیناً تین میل ہے۔ اس کا عرض خواجہ یار بل سے

Marfat.com

لے کر نشاط باغ کے دروازہ تک دو میل۔ اور اس کے دور محیط کا اندازہ محققین نے دس میل تک لگایا ہے۔

زمانہ سلف میں جب کشمیر کا پانی کم ہو کر یہاں خشک زمین نکلا۔ تو ڈل کا موجودہ طول و عرض بھی ایک وسیع میدان بلکہ صحراء ہوتا۔ پرانی کتابوں میں نام اس صحراء کا تالی مرگ[1] درج ہے۔ جب راجہ پرورسین[2] نے دریائے وتستہ کا پانی کوہ ماران کے نیچے لانے کی تجویز کی۔ تو ناڈپورہ کے مقام پر ایک طویل و مضبوط بند بنایا۔ جس نے دریا کے پانی کو پہاڑ کے قدموں پر لا کر بچھادیا۔

راجہ درلبھ[3] وردن کے زمانہ میں جب باوجود بہت سی احتیاطوں کے نہ تھمنے اور نہ رکنے والی طغیانی آگئی تو یہی میدان جہاں پرورسین کے زمانہ سے صرف تھوڑا سا پانی وہ بھی کوہ ماران کے دامن میں جمع رہتا تھا۔ ایک وسیع اور طویل و عریض جھیل بن گیا۔

ڈل میں مصنوعی جزیرہ سونہ لنک

ڈل تین حصوں میں منقسم ہے ایک ڈل کلاں۔ جو حضرت بل کے سامنے ہے۔ دوسرے ڈل خورد جس کا احاطہ کوہ سلیمان یا ہری پربت سے لیکر نشاط باغ تک ہے۔ تیسرے سدرہ کھون جو ہری پربت یا کوہ ماران کے نیچے ہے۔ اور نہایت عمیق ہے۔ حصہ اوّل یعنی ڈل کلاں کے درمیان سلطان زین العابدین نے بہت سی بھرتی ڈال کر ایک مصنوعی

۱؎ تاریخ حسن صفحہ ۷۶

۲؎ عہد حکومت سنہ ۱۰۲ لغایت سنہ ۱۶۲ء

۳؎ عہد حکومت سنہ ۶۱۷ لغایت سنہ ۶۵۳ء

Marfat.com

جزیرہ سونہ لنک کے نام سے احداث کیا۔ اس پر ایک محل تعمیر کرایا۔ جس کی شکل تاریخوں میں سہ آشیانہ دار لکھی گئی ہے۔ چنانچہ صاحب تاریخ حسن لکھتے ہیں:۔

"قصرے سہ آشیانہ دار بر آن عمارت کردہ بود"

وہ عمارت بڈشاہ کے زمانہ تک پوری رونق پر رہی۔ بادشاہ جب ڈل کی سیر کو آتا۔ یہاں دیر تک قیام کرتا۔ امراء وزراء ساتھ ہوتے۔ کبھی ملکی مشورے ہوتے۔ کبھی سیاسی گتھیاں سلجھائی جاتیں۔ کبھی معرفت و تصوف کے پھول جھڑتے۔ کبھی اس ظرافت و دل لگی سے بھی کام لیا جاتا جس کو استہزاء نہیں بلکہ "کالملح فی الطعام" کہا جاتا ہے۔ بڈشاہ کے بعد سونہ لنک کا کیا حال ہوا۔ تاریخ کہتی ہے۔

"بحادثہ زلزلہ بشکست"

یہ جزیرہ عہد مغلیہ وافاغنہ میں

زوال خاندان کشمیری اور تباہی چکان کے بعد جب کشمیر میں مغل اعظم یعنی شہنشاہ اکبر نے کہ وہ بھی بڈشاہ کی طرح اپنی طبیعت کی بوقلمونیوں سے عجائبات روزگار سے تھا۔ قدم رکھا۔ تو اس کے جانشینوں نے جو بڈشاہ کی بزرگی اور رعایا پروری اور اس کی شان و شوکت کے قائل تھے۔ مرمت و تعمیر کے بعد سونہ لنک کے کھنڈرات کو پھر قصر شاہی بنا دیا۔

افغانوں کے عہد میں جوان شیر امیر خان کشمیر کا ایک نامور گورنر گذرا ہے۔ وہ بڑا امیر طبع اور عیش دوست تھا۔ اس نے سونہ لنک کے چھوٹے سے جزیرہ کو مغل بادشاہوں اور گورنروں سے بھی زیادہ رونق دی۔ صاحب تاریخ حسن لکھتے ہیں:۔

"امیر خان آن ترمیم کردہ بسبیل دولاب بالائے چنار

Marfat.com

آب کشیدہ در صحن عمارت فوارہ روح افزا برداشتہ۔ بہ تماشائے آں صرف اوقات می کرد"

تاریخ حسن ۱۳۰۱ھ میں لکھی گئی ہے۔ جس کو آج ایک سو سال سے زیادہ عرصہ گزرتا ہے۔ اس زمانہ میں سونہ لنک کا کیا حال تھا۔ مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے:۔ "زرین زمان عمارتش ویران"۔ لیکن آج اس جزیرہ کی جو حالت ہے۔ وہ چونہ اور پتھروں کے ڈھیر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ایک دو توت کے درخت ہیں۔ اور ایک چنار کا درخت۔ اب آب اپنی کہنگی و قدامت کا اشتہار دے رہا ہے۔

زین العابدین کے ہفت زینہ

کشمیر میں کئی مقامات ایسے ہیں۔ جو بادشاہ کے نام سے موسوم ہیں۔ مثلاً بڈمقام[1]، بڈسر[2]۔ لیکن سات مقام ایسے ہیں جو زین العابدین کے نام

حاشیہ صفحہ ۱۰۸ [1]
سری نگر کا مشہور پل امیرا کدل اسی کے نام پر ہے۔ عہد حکومت سنہ [illegible] لغایت سنہ ۱۱۸۳ بزمانہ احمد شاہ ابدالی۔

[1]، [2] یہ دونوں مقام بڈمقام و بڈسر موضع ہردشیوہ زینہ گیر کے سر پر واقع ہیں۔ بڈمقام نہایت سرسبز بلند پہاڑ ہے۔ ان دونوں مقامات کو راقم الحروف نے دیکھا ہے۔ بڈسر بالکل خشک تالاب ہے۔ کبھی بارش ہوتی ہے تو تالاب میں پانی جمع ہوتا ہے۔ رام پور راجپور جہاں محکمہ جنگل کا بنگلہ بھی ہے۔ یہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ لولاب یہاں سے بارہ تیرہ میل ہے۔ بڈمقام سے تمام وادی کا منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ بڈمقام ہی میں خادم صاحب کا امرولوں کا باغ ہے۔

Marfat.com

سے تعلق خاص رکھتے ہیں۔ اور کشمیر میں ہفت زینہ کے نام سے مشہور ہیں۔
یہاں ان میں سے بعض کا بالاجمال بعض کا بالتفصیل ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) زینہ کوٹ

اس کا ذکر سب سے پہلے جوناراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۱۲۲۸ میں جین کوٹ کے نام سے کیا ہے۔ جوناراج لکھتا ہے۔ یہ گاؤں زین العابدین نے ملیان پورہ (حال مالر) کامراج کے جنوب مشرقی کونہ میں جہاں زمین ہمیشہ دلدلی رہتی تھی آباد کیا تھا۔

ایک پرانی بیاض میں زینہ کوٹ کے متعلق چند سطریں گذری ہیں۔ صاحب بیاض نے ملا احمد کاشیری ملک الشعرائے دربار بڈشاہی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ موضع زینہ کوٹ میں جب سلطان نے عمارات خاصی کی تکمیل کرلی تو ترکم چینی نام ایک صنعت کار (سنگ تراش) نے بادشاہ کیلئے سنگ سیاہ کا ایک حوض بنایا۔ جس کے فرش میں سنگ سفید لگایا گیا تھا۔ ملا احمد نے اس حوض کی تعریف میں ایک نظم لکھی۔ افسوس ہے وہ نظم مکمل نہیں مل سکی۔ بیاض بہت پرانی اور بوسیدہ ہے۔ اور اکثر مقامات سے کاغذ کرم خوردہ اور پھٹا ہوا ہے۔ اس نظم کا صرف ایک شعر سلامت ہے۔

لہ آباد کردہ راجہ جیا پیڈ۔

ٹہ یہ بیاض خواجہ محمد اسماعیل صاحب نامی تیت بقال سرینگر کے پاس ہے۔

ٹہ معلوم ہوتا ہے کسی چینی صنعت کار کا نام تھا۔ اس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ بادشاہ نے فن تعمیرات کے سلسلہ میں چین تک سے بھی اہل صنعت طلب کئے تھے۔

Marfat.com

ب شعر کا پہلا مصرع سالم اور دوسرا نصف موجود ہے ۔ باقی نظم کیڑوں کی خوراک ہو گئی ہے ۔ چنانچہ یہ اشعار حسب ذیل ہیں ۔

حوضے کہ دست ترکم چینی زبہر شاہ
با صد صفائے دست زسنگ سیاہ بست
فرش سفید در تہ آب زلال حوض
پڑھا نہیں گیا[1] از دل ماہی بہ ماہ بست

زینہ کوٹ میں جو سنبل کے نزدیک ہے ۔ بادشاہی عمارات کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں ۔ حمام اور حمام کے صحن کے پتھر اور حوض کے نشانات اب بھی ایک دردمند کے سینہ میں زخم بے نشان پیدا کرنے کے لئے تیر بے کمان کا کام دے رہے ہیں ۔

زینہ کدل اس کا ذکر پلوں کے بیان میں پڑھئے ۔

زینہ بازار یہ بازار زینہ کدل سے نائدکدل تک چلا گیا ہے ۔ اس زمانہ کی رونق و آبادی پر غور کرو ۔ اور یہ بھی دیکھو کہ بادشاہ کو اپنے آباد کردہ مقامات سے کس قسم کی دل بستگی و دلچسپی ہوتی تھی ۔ پھر اندازہ لگاؤ کہ اس بازار میں کیا کچھ رونق نہ ہوتی ہوگی ۔

زینہ پور اس کا نام سنسکرت کی تاریخوں میں جین پور یا جین نگر درج ہے ۔ یہ گاؤں زین العابدین نے مدو راجیہ (مراج) میں آباد کیا ۔ اور بعد میں اپنی رونق و شادابی کی وجہ سے ایک پرگنہ مشہور ہو گیا ۔ یہ موضع ایک کریوہ پر آباد ہے ۔ سری نگر سے اس کا فاصلہ

---

[1] مولانا شمس الدین حیرت پانڈانی سری نگر نے ایک پیوند لگا کر مصرع کو اس طرح روشن کیا ہے ۔ ع "پیوند نور از دل ماہی بہ ما بست"

Marfat.com

بجانب گوشہ جنوب قریباً پندرہ میل ہے۔ اس کی بناء کے متعلق مشہور ہے۔ کہ شیخ شمس الدین بغدادی ایک بزرگ تھے۔ جو بڈشاہ کے زمانہ میں کشمیر آئے۔ جب اس کریوہ پر پہنچے۔ تو اس کی غیر آبادی و سنسانی کے باوجود جب یہاں ہوائے دل کشا اور فضائے روح افزاء دیکھی تو اسی ویرانہ کو اپنا مسکن بنالیا۔ فقراء کی ایک جماعت بھی ساتھ تھی۔ مطبخ ہر وقت گرم رہتا تھا۔ اور جو آتا تھا۔ وہ خالی نہ جاتا تھا۔ بادشاہ نے بھی شیخ بغدادی کی شہرت سنی۔ ان کو بلوانے کے بجائے خود وہاں جانا مناسب سمجھا۔ چنانچہ گیا۔ اور ارادت مندی کا تحفہ نذر کر گیا۔ بادشاہ نے شیخ کی خاطر یہاں زینہ پور کے نام سے ایک گاؤں آباد کیا۔ ایک نہر جاری کی۔ جسکی سد بندی آج تک زینہ ستھو کے نام سے مشہور ہے۔ اس نہر کی آبپاشی سے کئی دیہات آباد و سرسبز ہو گئے۔ شیخ بغدادی کا مزار بھی زینہ پور ہی میں مرجع خلائق ہے۔ شیخ کے ساتھ بادشاہ کو عقیدتمندی تھی۔ اس لئے وہ اکثر یہاں آیا کرتا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب شیخ نے اپنی عبادت میں ہرج آتے دیکھا تو بادشاہ سے فرمایا "فقیران ہمسر بادشاہاں ہستند و بادشاہ در یکجا کجا می گنجند" بادشاہ تو عجائبات کا مجموعہ تھا۔ اس نے وہاں جانا ترک کر دیا۔ اسی واقعہ کے بعد بادشاہ نوشہرہ کی راجدھانی کو آباد کرتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے۔ زین العابدین کی وفات سے قریباً ایک سو سال بعد تک زینہ پورہ کو خاصی اہمیت رہی ہے۔ چنانچہ خاندان چک کے بادشاہ حسین شاہ والئی کشمیر نے اپنے آخری عہد میں جب اپنے چھوٹے بھائی علی خان کو مملکت و حکومت سپرد کر کے تخت پر بٹھا دیا۔ اور آپ

ے تاریخ خواجہ اعظم مؤلف خواجہ محمد اعظم دیدہ مری۔

موضع زینہ پورہ میں جو زین العابدین کا آباد کردہ تھا۔ اور طراوت و نظارت اور باغ و بہار کی وجہ سے دار السرور تھا۔ چلا آیا اور وہیں ۹۷۷ھ میں جان بحق ہو گیا۔

علی خان نے بادشاہ ہو کر اپنا نام علیشاہ رکھا۔ ۹۷۸ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس کا بھائی حسن خان ہنگامہ برپا کر کے تخت و سلطنت کے دعویٰ کیلئے ایک جماعت کو اپنا طرفدار بنا رہا تھا۔ علیشاہ نے قلعہ زینہ پور میں اس کو محبوس کیا۔ تین ماہ کی صعوبتوں کے بعد حسن خان نے اسی قلعہ میں وفات پائی۔

آج زینہ پورہ میں نہ وہ قلعہ ہے۔ نہ شاہی عمارات ہیں۔ نہ ایسی اور علامتیں باقی ہیں۔ جن سے یہ شبہ تک بھی نہ ہو سکے۔ کہ یہ مقام بھی کبھی دار الخلافہ کی ہمسری کیا کرتا تھا ؎

کیا عجب مرقد بڈشاہ سے آئے جو ندا!

ہائے زین پور تیرا کیا حال ہوا میرے بعد

تاریخ حسن سے معلوم ہوتا ہے کہ زین پور کے باغہائے دلکش اور عمارات عالیہ اعجوبہ روزگار تھیں۔ اور یہ سب قراقرم کرپورہ پر تھیں۔ مغلیہ دور حکومت تک ان کے آثاروں میں کچھ نہ کچھ جان موجود تھی۔

زینہ ڈب یا راجدھانی نوشہرہ یہ مقام جو آج سری نگر کا ایک دور افتادہ محلہ ہے

دار الحکومت شیر گڈھی (سرینگر) سے قریباً چار پانچ کے فاصلے پر ملہ شاہی باغ کو جاتے ہوئے رستہ میں آتا ہے۔ نوشہرہ نئے شہر کو کہتے ہیں۔ اور بڈشاہ نے بھی عالیشان عمارتوں کا ایک رفیع و وسیع سلسلہ قائم کر کے سری نگر کے شمالی پہلو میں ایک نیا شہر آباد کیا تھا۔

Marfat.com

چونکہ بادشاہ خود یہاں رہتا تھا۔ اور یہیں دفاتر وغیرہ تھے۔ اس لئے نوشہرہ کو راجدھانی بھی کشمیری زبان میں کہتے تھے۔ دب یا دیب کے معنی محل یا منزل ہے۔ اس لئے سرکاری کاغذات میں یہ محلات زینہ دب کے نام سے موسوم تھی۔

بادشاہ نے اس مقام کو بھی کھول کر رونق دی۔ نالہ بل کے پاس ایک وسیع خوشنما باغ بنوایا۔ اسی باغ کے کھنڈرات پر شاہجہاں کے زمانہ میں نواب علی مردان خان گورنر کشمیر نے "حویلی بائے سنگین و فوارہ و آبشار دلنشین برائے بود و باش خود احداث" کرائے۔ نواب علی مردان خان نے اس کا نام باغ حیدر آباد رکھا۔

بادشاہ نے نوشہرہ میں بارہ منزلہ عمارت کا جو دربار عام تعمیر کرایا۔ صنعت و حرفت، نقش و نگار اور وسعت و سربلندی میں رشک زمانہ اور عجوبہ روزگار تھا۔ ہر منزل میں پانچ حجرے تھے۔ اور ہر حجرے میں پانچ سو آدمی سما سکتے تھے۔ گویا اس مکان میں ۲۵ ہزار آدمیوں کی گنجائش تھی۔ اور پھر لطف یہ کہ اس تمام عمارت میں اینٹ پتھر چونہ کہیں نام کو نہ تھا۔ تمام عمارت لکڑی کی تھی۔ اور کشمیری صنعت کا بے مثل نمونہ تھی۔ مرزا حیدر کاشغری تاریخ رشیدی میں اس عمارت کے متعلق لکھتا ہے :-

" عمارتے بہ این رفعت و وسعت در عالم مثل کوشک ہشت بہشت سلطان یعقوب در تبریز۔ و کوشک باغ زاغان و باغ سفید و باغ شہر در ہرات اند۔ و کوک سرائے و غاق سرائے و باغ دلکشا و باغ بوللری کہ در سمرقند است دیدہ شدہ۔ اما طرح سیاق و لطافت کہ آن با دارند۔

Marfat.com

این ندارد۔ وغرابت ایں عمارت بیشتر ازاں است"[1]

بادشاہ بزمانہ شہزادگی سمرقند میں کئی سال تک رہا ہے۔ اس نے جس قسم کے باغات وہاں دیکھے ہوں گے۔ ان کا نمونہ اپنے ملک میں بھی تیار کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ مرزا حیدر یہ تسلیم کرتا ہے۔ کہ بلحاظ خوبصورتی و وضع کشمیر کا زینہ دب گو سمرقند و ہرات اور تبریز کی تعمیرات کا مقابلہ نہیں کر سکا۔ تاہم وہ دنیا کی عجیب تر عمارتوں میں سے ہے۔ صاحب طبقات[2] اکبری تعمیرات بادشاہی کے دوران میں نوشہرہ کی آبادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"و بہ نزدیک کوہ ماران جوئے را آوردہ۔ شہرے بنا کردہ۔ کہ آبادانیئے او ہیچ کردہ بود۔ و دیگر شہر بارا آبادان کردہ"

اس زمانہ میں نوشہرہ کی رونق کس عروج پر ہوگی۔ اس کا اندازہ لگانا آج جبکہ اس محلہ میں سناٹا چھایا رہتا ہے۔ بہت دشوار ہے۔ ان مقامات پر اس نے علماء و فضلاء اور مساکین کو خود آباد کیا۔ اور ہمیشہ ان کے حال پر نظر شاہانہ رکھی۔ امراء و وزراء نے بھی بادشاہ کی تقلید میں یہیں مکانات تعمیر کرائے۔

بادشاہ علاقہ لار سے نالۂ سندھ کو کاٹ کر ایک نہر لایا۔ جو محلات زینہ دب کے مختلف صحنوں سے گذرتی اور حوضوں اور فواروں کی خوبصورتی سے محلات کی شان کو دوبالا کرتی تھی۔ المؤلف

---

[1] بحوالہ تاریخ حسن

[2] صفحہ ۶۰۲

Marfat.com

فیض آب لاہو سے پہنچا ہے کہاں قصر بڈشاہی بنا باغ جناں

بادشاہ نے باغات و عمارات کے علاوہ ایک عالیشان مسجد جامع یہاں تعمیر کرائی۔ جو ۱۱۵۳ھ تک یعنی آج ۱۲۰۳ھ ڈیڑھ سو سال پیشتر تک موجود ہے۔ چنانچہ صاحب فتحیات کبرویہ[1] لکھتے ہیں۔ "بنزد مسجد بنا نمودہ و بے اثر عمارت او بوی دہد"۔ یہ مسجد چشمہ محنتہ ٹھیکری کے بالکل متصل تھی۔

بڈشاہی زمانہ سے اس محلہ میں کاغذ ساز رہتے ہیں۔ بادشاہ نے ان کے مدد معاش کے طور پر پرگنہ پھاگ کی آمدنی بطور جاگیر و پرورش ان کو عطا کر رکھی تھی۔ مغل بادشاہوں کے زمانہ میں بھی کاغذ سازوں نے کشمیری کاغذ کی شہرت قائم رکھی۔

اخوند ملا کبیر (استاد بادشاہ) خواجہ حبیب اللہ اور اخوند ملا شمس الدین کی زیارت گاہیں نوشہرہ کے عین وسط میں واقع ہیں۔ راجہ ٹھانی یا راز دانی جو اوپن کے نام سے بھی مشہور ہے کے ٹوٹے پھوٹے آثار ابھی تک نواحات نوشہرہ میں چشم عبرت کو نظر آتے ہیں ؎

آسمان سے بھی تھا پایہ جن کی رفعت کا بلند
ہائے کیوں کر کھا گئی ان آسمانوں کو زمیں

وُلر میں زینہ لنک کی تعمیر بڈشاہ ایک دن سید جان باز ولی[2] کے ہمراہ دریا کی سیر کرتا ہوا

---

[1] شیخ عبدالوہاب نوری گنائی مصنف فتحیات کبرویہ سال تصنیف ۱۱۵۳ھ غیر مطبوعہ

[2] وجیز التواریخ قلمی مصنفہ ملا عبدالغنی سال تصنیف ۱۲۷۲ھ

Marfat.com

ڈلر[1] کی طرف جا نکلا۔ جب عین وسط ڈلر میں پہنچا۔ تو بادشاہ نے سید صاحب سے کہا۔ کہ یہ جگہ بڑی خوفناک ہے۔ اس کے چاروں طرف دریا حائل ہے۔ جب اس کا پانی موجزن ہوتا ہے۔ اور پھر اس میں تلاطم و طوفان پیدا ہوتا ہے۔ تو لوگوں کو کوئی جائے پناہ نظر نہیں آتی۔ سب ورطۂ ہلاکت میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور کوئی بھی اپنی جان کو ساحل تک سلامت نہیں لے جا سکتا۔ (بقول محوی صدیقی) ؎

وہ منظر بھی الٰہی کیا قیامت خیز منظر تھا

کہ میں ڈوبا کیا دیکھا کئی احباب ساحل سے

اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ڈلر کے عین درمیان ایک جزیرہ آباد کروں۔ جس پر ایک عبادت خانہ اور ایک احاطہ تعمیر کروں۔ تاکہ ڈلر کے مسافروں کو ڈلر کے اندر کچھ تو آرام و آسائش کی جگہ نظر آئے۔ لیکن یہ کام بہت مشکل ہے۔ اس میں ہمت مرداں کے ساتھ دعائے بزرگاں کی بھی ضرورت ہے۔ کہ "انفاس زندہ دلاں مددگار بادشاہان است"[2]۔ میں آپ سے اس کام کیلئے فاتحہ خیر کی درخواست کرتا ہوں۔ سید جان باز نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔ بادشاہ اور سید رات کو سوپور میں ٹھہرے۔ صبح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی سید تو بارہ مولا روانہ ہو گئے اور بادشاہ سری نگر چلا گیا۔

---

[1] ولر کشمیری زبان میں سوراخ کو کہتے ہیں۔ اور چونکہ زمین میں سوراخ ہو کر ایک عظیم چشمہ نکلا تھا۔ اس لئے اس جھیل کا نام ولر مشہور ہو گیا۔

[2] اسرار الابرار در حالات سید جان باز ولی رح

Marfat.com

اب یہ شہر ہر برنادپیر اور ہر کوچہ و بازار تک جا پہونچی تھی۔ کہ بادشاہ وُلر میں ایک محل تیار کرنے والا ہے۔ اسکے لئے ایّام زمستان سازگار زمانہ تھا۔ کیونکہ اس موسم میں پانی کم ہوجاتا ہے۔ اور ماہی گیر بھی اس زمانہ میں کچھ نہ کچھ ایسی چیزیں دستیاب کر لیتے تھے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کسی زمانہ میں کوئی عظیم الشان شہر آباد رہ چکا ہے۔

جب یہ موسم آیا تو بادشاہ نے بڑے بڑے غوّاص بلوائے جو چھ چھ سات سات گھنٹوں تک پانی کے نیچے رہ سکتے تھے۔ حکم دیا کہ وُلر کے وسط میں جاکر سطح آب کے نیچے سب کچھ چھان مارو۔ جو جگہ بلند اور سخت نظر آئے۔ اسکو دیکھو اور بتاؤ۔ تاکہ وہاں بسہولت تمام عمارت بن سکے۔

ایک بُت خانہ کے آثار

چنانچہ بڑی کوشش کے بعد ایک سنگی بت خانہ کے آثار ملے بادشاہ کو اطلاع ہوئی۔ فرط خوشی سے خود کشتی پر سوار ہوکر آیا۔ غوّاصوں کو حکم دیا کہ اس بُت خانہ کے اندر جائیں۔ اور دیکھیں وہاں کیا کیا ہے۔ غوّاصوں نے پھر غوطے لگائے۔ پانی کے اندر جاکر بُت خانہ کے کونہ کونہ کی تلاشی لی۔ آخر غوّاص دو بت کہ ہندو ان کو مورتیاں کہتے تھے۔ نکال لائے۔

ؔ تاریخ ملّا بہاؤالدین میں چار بتوں کا ذکر ہے۔ چنانچہ ملّا بہاؤالدین لکھتا ہے "غوّاصان بہ کوشش تمام در بُت خانہ رفتہ۔ چہار بُت یافتند و برآوردند دو بت روئیں بودند۔ و دو بت طلائی لیکن صاحب الابرار صاحب تاریخ حسن اور مؤلف تکملہ تاریخ کشمیر اور دوسرے مؤرخ صرف دو مورتیوں کی تصدیق کرتے ہیں ✦

زینہ لنک کی بنیاد و تعمیر

جہانگیر نے اپنی توزک میں جہاں سلسلہ جشن دو یمین نوروز[1] کا ذکر کیا ہے۔ وہاں کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے بڈشاہ کے متعلق بھی بہت کچھ لکھا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ ایسا ہی لکھا ہے۔ جیسا ایک بادشاہ کو دوسرے بادشاہ کے متعلق لکھنا مناسب تھا۔ اسی سلسلہ میں زینہ لنک کا ذکر اس نے ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔ وہ لکھتا ہے "کشمیر میں ... زین العابدین کی جس کو بڈشاہ یعنی شہنشاہ معظم بھی کہتے ہیں۔ بہت سی علامات و عمارات ہیں۔ منجملہ ان کے ایک آبگیر کے درمیان جس کا نام اولر ہے۔ اور عرض و طول جس کا تین کوس سے زیادہ ہے ایک عمارت زینہ لنک بنائی ہے۔ جس کی بنیاد رکھنے میں بڑی کوشش سے کام لیا گیا ہے۔ اس آبگیر کی تہ عمیق ہے۔ بادشاہ نے اوّل اوّل اس میں کشتیوں میں پتھر بھر بھر کے ڈالے۔ مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھر کئی ہزار کشتیاں پتھروں سے بھر کر اس میں ڈبوئیں"۔

اس کے بعد بقول صاحب اسرار الابرار سلطان نے ایک نہایت طول و طویل کشتی تیار کرائی۔ جس کو دراصل چھوٹا سا جہاز کہنا چاہیئے۔ اور جس کی ساخت کے لئے کشمیر کے علاوہ گجرات وغیرہ دور دور مقامات سے سنی ربلوائے گئے تھے۔ اس کشتی کو بادبانوں کے ذریعہ جھیل وُلر میں اس مقام پر ڈالا گیا۔ جہاں سے وہ بت خانہ نکلا تھا۔ کشتی میں مٹی اور پتھر بکثرت ڈالا گیا۔ اس کو ہموار و مسطح بنا کر اس پر زینہ لنک کی بنیاد رکھی گئی۔

---

[1] صفحہ ۲۵ مرتبہ سرسید احمد خان مرحوم۔ مطبوعہ ۱۸۶۴ء

جہانگیر لکھتا ہے۔ بادشاہ نے پانی کے اوپر اس طریق سے جو زمین پیدا کی۔ وہ سو گز مربع تھی۔ اسکے چاروں طرف اس نے عمارات بنوائیں۔ ایک عبادت کدہ بھی اپنے پروردگار کی عبادت کے لئے تعمیر کرایا۔ اکثر اوقات وہ کشتی میں بیٹھ کر یہاں آتا۔ اور بہت سے چلّے کھینچتا۔

زینہ لنک کا قطعہ تاریخ

یہ عالی منظر کاشانہ جو زینہ لنک کے نام سے موسوم تھا۔ تین طبقوں پر تھا۔ پہلا طبقہ پتھروں سے دوسرا اینٹوں سے اور تیسرا لکڑیوں کی خوشنما عمارت سے تیار کیا گیا تھا۔

بادشاہ نے اس محل اور عبادت کو اور آرام گاہ عوام کی تیاری میں سید جان باز ولیؒ جیسے خدا رسیدہ بزرگ سے دعائے خیر و کامیابی کرائی خود محنت و جانفشانی سے اس کو اختتام تک پہنچایا۔ ملک کا بہت سا روپیہ اس کام پر خرچ کیا۔ ظاہر ہے جب یہ عمارت تکمیل کو پہونچی ہوگی تو اسے بے انتہا خوشی حاصل ہوئی ہوگی۔ اس چھوٹے سے ٹکڑے کو اس نے علاوہ عمارت کے ایک باغ دلکشا اور مختلف اشجار بار ثمر و بے ثمر سے سجایا۔ امراء وزراء نے مبارک بادیں دیں۔ شعراء نے قصائد لکھے۔ جن میں سے صرف ایک قطعہ تاریخ مختلف تاریخوں میں درج ہے اور جو حسب ذیل ہے۔

این بقعہ چو بنیاد فلک محکم باد
مشہور بہ زینہ ڈینب زعالم باد

شہ زین عبادتا کہ در وجشن کند
پیوستہ چو تاریخ خودش خرم باد

زینہ لنک کا طول و عرض

جہانگیر جس کی حکومت کشمیر کا زمانہ بڈشاہ سے قریباً ڈیڑھ سو سال بعد ہوا ہے۔ اس

ۓ مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف مطبوعہ ۱۹۱۰ء

Marfat.com

جزیرہ کی وسعت سو مربع گز لکھتا ہے۔ مرزا حیدر جو بڈشاہ سے قریباً ستر سال بعد کشمیر میں سلطان نازک شاہ کے نام پر حکومت کرتا رہا ہے۔ اس حکومت کی وسعت دو سو مربع گز اور اس کی بلندی ہو فٹ یا دس گز لکھتا ہے اور یہ بھی لکھتا ہے۔ اس جزیرہ میں بادشاہ نے دلکش محل کے علاوہ بہت سے درخت بھی نصب کرائے۔ یہاں تک کہ اس خوشنما نظارہ کا اور ایسی موزون جگہ کا کوئی اور مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔

اسکے بعد پیرزادہ حسن شاہ اپنی تاریخ حسن میں اس جزیرہ کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔ "جزیرہ وسیع کہ طول آں از شمال تا جنوب یک صد درعہ و عرض ۵۰ درعہ می باشد بلند افراشتہ" جزیرہ کی وسعت کے متعلق تینوں مؤرخوں کے بیان مختلف ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ تینوں صحیح ہیں۔ مرزا حیدر کے زمانہ میں جو بڈشاہ کا قریب تر زمانہ ہے۔ جزیرہ لنک اپنی پوری شان و شوکت پر ہوگا۔ اس لئے اسکی وسعت اور اس کی خوشنمائی میں بھی چنداں فرق نہ آیا ہوگا۔ جہانگیر کے زمانہ میں جس کو بڈشاہ کے بعد ڈیڑھ سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ پہلے باہمی خانہ جنگیوں پھر انقلاب سلطنت کے بعد زینہ لنک کسمپرسی کی حالت میں رہا ہوگا۔ اس لئے اس کی خرابی و بربادی کی وجہ سے عمارت جوں جوں گرتی جاتی ہوگی۔ پانی نزدیک آتا ہوگا۔ اور اس طرح اس جزیرہ کی وسعت کم ہوگئی ہوگی۔ تاریخ حسن کا مصنف بھی جو وسعت اس کی لکھتا ہے۔ وہ صحیح سمجھنی چاہیئے۔ اسلئے کہ عمارت اور چاردیواری اور اشجار وغیرہ کے انہدام سے تمام کھنڈرات تہ آب ہوگئے ہوں گے۔

لے بحوالہ اسلامک کلچر ان کشمیر صفحہ ۲۱۳

Marfat.com

زینہ لنک کی موجودہ حالت

تاریخ حسن میں جس کی تصنیف کو آج صرف ۷۷ سال گذرے ہیں۔ لکھا ہے۔
"و مسجد رنگین تا حال موجود است تعمیر ساخت" وہی مسجد رنگین ہے۔ جس کو جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھا ہے۔ " عبادت کدہ بہ جہت پرستش پروردگار خود ترتیب دادہ" اسی طرح خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ اعظمی میں جس کی تصنیف کو دو سو سال کا عرصہ گذرا ہے زینہ لنک کے قطعہ تاریخ "پیوستہ چو تاریخ خودش خرم باد" کے چاروں مصرعوں کے متعلق لکھتے ہیں۔ یہ تاریخ تا حال ایک پتھر پر منقش ہے۔ لیکن جب راقم السطور ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں زینہ لنک کے کھنڈرات دیکھنے گیا۔ تو نہ وہاں قطعہ تاریخ کسی پتھر پر منقش تھا اور نہ مسجد اپنی رنگینیوں کے ساتھ موجود تھی۔

زینہ لنک جس کے تین آشیانے تھے یعنی ایک پتھروں کا ایک اینٹوں کا ایک لکڑی کا۔ ان میں سے کوئی بھی سلامت نہ تھا۔ دو بالائی آشیانوں کا تو وجود ہی نہیں تھا۔ جو طبقہ سب سے نیچے تھا۔ اس کے کچھ بُرے بھلے آثار قائم تھے۔ چوہے ہر طرف دوڑ رہے تھے۔ پتھروں کے ڈھیر چاروں طرف لگے ہوئے تھے۔ اور توتوں[1] کے چند درخت اپنے خشک پتوں اور بوسیدہ وجود سے اپنی کہنگی کا ثبوت دے رہے تھے۔ اور اس عالی شان عمارت پر جس کے متعلق جہانگیر نے لکھا ہے کہ "کشمیر کے اور بادشاہوں نے بھی زینہ لنگ کے تین ضلعوں میں عمارتیں بنائیں۔ لیکن کو

---

[1] تاریخ ملا بہاؤالدین میں لکھا ہے" سلطان مذکور برآں جزیرہ درخت ہائے توت وغیرہ اشجار میوہ دار وگلہائے رنگارنگ بنا لی کرد" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں توتوں کی بنیاد اسی زمانہ سے ہے۔

کوئی عمارت زین العابدین کی عمارت کے پایہ کو نہ پہنچی تھی۔ حسرت وافسوس کے بادل چھا رہے تھے۔

زینہ لنک یا خرم آباد

قطعہ تاریخ "خرم آباد"[1] کی وجہ سے اس عمارت کا نام خرم آباد بھی مشہور ہو گیا۔ بادشاہ اس کو زینہ لنک بھی کہتا تھا۔ اور خرم آباد بھی۔ لیکن عوام میں زینہ لنک کے نام نے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔

سوپور سے صفاپور تک طویل ستھو

سوپور سے صفاپور تک دس میل کا فاصلہ ہے۔ بادشاہ نے زینہ لنک یا خرم آباد کی حفاظت کے لئے اس طویل فاصلہ پر ایک طویل ستھو بنایا۔ اور ایک گاؤں راد وگام اس ستھو کی مرمت وغیرہ کے لئے وقف کر دیا۔ بقول صاحب وجیز التواریخ ایک گاؤں نہیں بلکہ دو تھے۔ اور سالہا سال تک ان کا مالیہ اس ستھو کی مرمت و حفاظت پر صرف ہوتا رہا۔ آج بھی شاہ گنڈ اور جہانگیر گنڈ اور صاحن میں اس ستھو کا وجود موجود ہے۔

اس ستھو پر جو پتھر صرف ہوا ہے وہ بت خانہ تاپر[2] سے جس کو سلطان بت شکن نے مسمار کر دیا تھا۔ حاصل کیا گیا تھا۔ جیسا کہ سطور ذیل سے ظاہر ہوگا۔ "از صفاپور[3] تا سوپور سنگ محکمے بنا کردہ

۱؎ از فتوحات کبرویہ سال تصنیف ۱۱۵۳ھ غیر مطبوعہ و تاریخ خواجہ اعظمی

۲؎ مکمل تاریخ کشمیر۔ اس مندر کا نام سرنیدر یشور تھا۔ اس کو راجہ پرتاپ پیڑ (۶۵۳ء لغایت ۶۸۵ء) نے موضع تاپر میں بنایا تھا

۳؎ از مختصر التواریخ کشمیر مصنفہ پنڈت بیر بر کاچرو (غیر مطبوعہ) بعہد راجہ گلاب سنگھ۔

Marfat.com

سنگ ہائے بُت خانہ تا پرکہ پیش از عمل او خراب شدہ بود۔ آورده استحکام نمود"

زینہ لنک میں جشن عظیم

جب یہ شاہی عمارت تکمیل کو پہونچی۔ تو بادشاہ نے ایک جشن عام کی تیاریاں کیں۔ اسباب نشاط وسرور اور آلات عیش وطرب حکم شاہی کے ساتھ ہی مہیا ہوگئے۔ ارکان دولت حاضر ہوئے۔ نذرونیاز اور پیشکش کا دربار منعقد ہوا۔ بادشاہ نے داد و دہش کے منہ کھول دئے۔ غریب امیر سب نہال ہوگئے۔ شعراء نے قصائد لکھے۔ اور انعامات حاصل کئے۔ بلکہ اکثر مستحقین کو توقع سے زیادہ ملا۔ بقول شاعر ۔

وہ لوگ تری داد و دہش دیکھ لیں آکر
جو کہتے ہیں ملتا نہیں قسمت سے زیادہ

بادشاہ کو میر سید اویسی سے بہت محبت تھی۔ لیکن وہ باوجود بادشاہ کا منہ بولا فرزند کہلانے کے بادشاہوں کی صحبت سے کنارہ کش رہتے تھے۔ اور ذوق تنہائی پر دونوں جہاں کی مسرتیں قربان کردیا کرتے تھے۔ بادشاہ نے اس جشن عظیم کی شرکت کے لئے ان کو باصرار بلوا بھیجا۔ بعض امرآء نے پیغام دعوت کے ساتھ ہی یہ فقرہ بھی جڑ دیا کہ بادشاہ کا مزاج آپ سے رنجیدہ ہے۔ اس دعوت کو نہ ٹالئے۔ نیز یہ دعوت ایک عجیب وغریب عمارت کی تکمیل پر شکرانہ الٰہی کے سلسلہ میں ہے۔ اس کی ابتداء بھی ایک بزرگ (سید جان باز ولیؒ) کے ہاتھوں میں ہوئی تھی۔ اس کی اختتامی رسم میں بھی آپ جیسے صوفی منش شہزادہ کی شرکت باعث برکت ہے۔ غرض امراء وزراء کسی نہ کسی طرح میر اویسی

Marfat.com

کو اس بزم میں لائے۔ وہ بظاہر شریک تھے۔ مگر بہ باطن سب سے الگ تھے۔

ہر کسے جام تنعم بہ کف و ساغر عیش
فارغ از عیش و تنعم دل غمگین من است

رنگ میں بھنگ

تقسیم انعامات اور پیشکش کی رسومات کے بعد جب ہنگامہ شادی و طرب شروع ہوا۔ اور مجلس نشاط و سرور گرم ہوئی اور بعض امور نامشروعہ کا اظہار ہوا[1] تو بقول صاحب اسرار الابرار۔ میر کی غیرت یہ حرکت برداشت نہ کر سکی۔ مچھلی کی طرح تڑپے اور ایک ہی جست میں ڈلر میں ایسے غائب ہو گئے کہ غواصان شناور کیش اور ملاحان سیاحت اندیش کی تمام کوششوں کے باوجود وہ دریگانہ اس بحر بیکراں سے نہ نکل سکا۔ سلطان کا سارا عیش منغص ہو گیا۔ مجلس طرب درہم برہم ہو گئی۔ نہایت اندوہ گین ہو کر واپس شہر کو روانہ ہوا۔ جب اشم پرگنہ محمد آباد میں شنکر رشو یار کے پُر از انہار و اشجار باغ کے برابر پہونچا جو لب دریا واقع ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ میر قدس سرہٗ دریا کے کنارے کنارے جلد جلد قدم اٹھائے چلے جا رہے ہیں۔ بادشاہ کشتی میں سوار تھا۔ یہ دیکھ کر اس کے قالب مردہ

---

[1] صاحب اسرار الابرار۔ تاریخ اعظمی۔ تاریخ حسن وغیرہ نے لکھا ہے۔ کہ میر ... امور نامشروعہ دیکھ کر غیرت شریعت کے ثبوت میں اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ البتہ صاحب فتحیات کبرویہ لکھتے ہیں کہ اسی دوران میں میر پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی کہ وہ تڑپ کر دریا میں جا پڑے۔

Marfat.com

میں جان آئی۔ کشتی سے اتر کر باغ میں آیا۔ بہت ندامت و افسوس اور بے حد کا اظہار کیا۔ کشتی پر سوار کر کے اپنے ہمراہ لایا۔ ارکان دولت نے مبارکبادیں دیں۔ بادشاہ نے اس خوشی میں شہر کے تمام غربائ کے لئے بادشاہی دعوت کے احکام جاری کئے۔[1]

زینہ گیر کی رونق و آبادی

زینہ لنک یا خرم آباد کی تعمیر ۸۴۷ھ کے چند سال کے بعد جب بادشاہ لولاب کی سیر کو نکلا۔ اور رستہ میں اس نے وٹلاب سے لے کر نالۂ پہرو کے بائیں ہاتھ میلوں تک کف دست میدان دیکھا۔ اور پانی کا نام و نشان نہ پایا۔ خصوصاً اس وسیع علاقہ میں جو چند ایک مواضعات تھے ان کے باشندوں کی تباہ حالی اور ان کی فصلوں کی بربادی نے اس پر بڑا اثر کیا۔ چنانچہ اسی وقت اس نے اس خشک و پژمردہ علاقہ کی سرسبزی و شادابی کا ارادہ کر لیا۔

اس علاقہ کو آباد کرنے سے پیشتر اس نے پہرو کے مقام سے ایک نہر نکالی۔ جس کا ذکر نہروں کے بیان میں آئے گا۔ ساتھ ہی پہاڑ کے دامن اور میدان میں کئی جدید گاؤں آباد کرائے۔ جن کو اس نہر نے مالا مال کر دیا۔

(۱) زینہ گیر کی رونق و آبادی میں بادشاہ نے حد سے زیادہ سرگرمی دکھائی۔ اس علاقہ میں جو باغ اس نے تعمیر کرایا۔ وہ دو میل مربع میں تھا۔ درختوں پھلوں اور نہروں سے آراستہ باغ کے چاروں کونوں پر بلند عمارات تھیں۔ اردگرد امیروں اور سرداروں کی عمارات گلزاروں کی ترتیب سے آراستہ تھیں۔[2]

---

[1] میر سید محمد امین اویسی کے باقی حالات باب مشائخ و علماء میں پڑھو۔

[2] اد تاریخ کشمیر اردو قلمی مصنفہ خواجہ حسن ملک (پبلک لائبریری سری نگر کشمیر)

Marfat.com

جونراج اور سری ور نے بھی اپنی راج ترنگنیوں میں زینہ گیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ بادشاہ نے لولاب کے اس جنوبی علاقہ کو آباد کر کے اپنے نام پر موسوم کیا تھا۔ اور یہاں بکثرت نہریں جاری کرائی تھیں[1]

مکمل تاریخ کشمیر[2] میں تو اور بھی وضاحت سے زینہ گیر کی آبادی کا ذکر ہے۔ لکھا ہے "بادشاہ نے نو آبادی زینہ گیر میں موضع تریہہ گام[3] کے متصل ایک

---

[1] راج ترنگنی مترجمہ سٹین صاحب کا اردو ترجمہ صفحہ ۳۰۱

[2] حصہ دوم در ذکر سلطنت زین العابدین (مصنفہ راقم الحروف)

[3] راقم الحروف اپنی اسی تصنیف یعنی تاریخ کشمیر کے حوالہ سے ۱۹۲۹ء کے سفر کشمیر میں تریہہ گام گیا۔ جو میری اقامت گاہ موضع سم پور نزیل سوپور سے قریباً ۲۶ یا ۲۷ میل دور لولاب کے متصلہ پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ تریہہ گام سے دو میل کوپہ وارہ کی جانب اور تین میل ترہ گام سے آگے موضع شالپورہ کی طرف بعض قدیم عمارتوں کے آثار سنے۔ جو آثار قدیمہ ترہ گام اور کپوارہ کے درمیان سڑک کے کنارے دوسرے اور تیسرے میل کے درمیان تھے وہ میں نے ترہگام آتے ہی رستہ ہی میں دیکھ لئے تھے۔ دوسرے کھنڈرات جن کا پتہ موضع شالورہ کی طرف تھا۔ دیکھنے کے لئے میں ۹ر اگست کو گیا۔ وہاں بہت سے لوگ ملوائے گئے۔ جن میں ایک ضعیف پنڈت بہت واقف کار تھا۔ وہاں ایک قلعہ کے آثار اور کھنڈرات نظر آتے تھے۔ جسکی چار دیواری کے اندر کھی کی پیداوار اور قلعہ کی ویرانی کی خبر دے رہی تھی۔ قلعہ مہاراجہ گلاب سنگھ بانی حکومت ڈوگرہ نے راجہ شیر احمد خان والئی

Marfat.com

وسیع اور فراخ باغ بنوایا۔ جو پورے دو مربع میل میں واقع تھا۔ اس کے چاروں گوشوں پر عالیشان اور سربفلک قصر جن میں سے ہر ایک اعجوبہ روزگار تھا، بنوائے۔ ان کے ارد گرد اراکین دولت اور اعیان مملکت نے بھی اپنی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) کرناہ کی دستبرد سے اپنے ملک کو بچانے کے لئے بنایا تھا۔ اس موضع میں بہت چشمے ہیں۔ لیکن دو چشمے بہت پرانے ہیں۔ جو ایک قدیم مسجد کے پاس ہیں۔ جن کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ یہاں حضرت مخدوم صاحبؒ آئے تھے۔ اور اس کو ان کے مرید بابا عبداللہؒ نے آباد کیا تھا۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ ۲۵، ۳۰ سال ہوئے۔ یہ مسجد جل گئی تھی۔ جب خواجہ عزیز جو لگڑ ورئیس بارہ مولہ نے اس کی مرمت کرائی تو اس کے نیچے سے قدیم زمانہ کے دو بہت بڑے بڑے "مٹ" گھڑے نکلے تھے۔ بہر حال میں جس غرض کے لئے گیا تھا۔ وہ پوری نہ ہو سکی۔ جس زمانہ (سنہ ۱۹۱۰ء) میں میں نے تاریخ کشمیر لکھی تھی۔ میں خود ترنگام نہیں جا سکا تھا۔ اب تحقیق و تفتیش اور موقعہ پر خود جانے سے مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ ترنگام کے متصل بڈشاہ کا عظیم الشان باغ نہیں تھا۔ بلکہ وہ زینہ گیر کے عین مرکز میں تھا۔ یعنی وہاں جہاں اب موضع سید پورہ آباد ہے۔ اور جہاں مولانا سید حسین قمی رضوی نے باغ زینہ گیر میں بادشاہ کی دعوت اقامت قبول کی تھی۔ جیسا کہ صاحب "اسلامک رولرز ان کشمیر" کے فاضل مصنف نے بھی لکھا ہے ●

Marfat.com

اپنی بے نظیر عمارتیں بنوائیں۔ جنہوں نے اس باغ کو باغ رضوان بنا دیا۔ علاوہ ازیں دیگر ممالک قریب و بعید سے قسم قسم کے میوہ دار بوٹے اور رنگ برنگ کے خوشبودار پھول منگا کر لگائے۔ جس سے یہ باغ وادیٔ کشمیر میں بے مثال ہوگیا۔[1]

(۲) مرزا حیدر نے بھی باغات و عمارات زینہ گیر کی بہت تعریف لکھی ہے۔

(۳) لارنس صاحب نے بھی اپنی کتاب "ویلی آف کشمیر" میں زینہ گیر کے باغ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "زین العابدین جہاں کہیں گیا۔ باغات و عمارات بناتا گیا۔ باغات میں اس کے چار باغ اپنے زمانہ میں بہت مشہور تھے۔ (۱) باغ زینہ گیر (۲) باغ نوشہرہ راجدھانی (۳) باغ زینہ پورہ (۴) باغ زینہ کوٹ۔ لیکن آج ان باغات کا کھوج ملنا بھی ناممکن ہے۔

کشمیر میں نیشکر کی پیداوار

نیشکر یعنی گنا سرد ملکوں میں نہیں ہوتا۔ آج بھی اس کی کاشت کشمیر میں صرف مظفر آباد تک ہے۔ جو پہاڑی ملک ہے۔ اور گرمیوں کے موسم میں جس کی گرمی پنجاب سے کم نہیں ہوتی۔ مگر وادیٔ کشمیر میں جو بارہ مولہ سے اسلام آباد اور پہلگام اور ویری ناگ اور ادھر سے سوپور سے زینہ گیر و لولاب اور اوتر مچھی پورہ کے وسیع علاقے تک پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی کبھی پیداوار نہیں ہوئی۔ زین العابدین پہلا بادشاہ تھا۔ جس نے زینہ گیر کے وسیع باغ میں اس کی کاشت کا تجربہ کیا۔ نیشکر کی فصل ہوئی تو سہی۔ مگر کچھ اچھی نہ ہوئی۔ اس لئے بادشاہ نے اس پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی۔

---

[1] از تاریخ خواجہ اعظم سال تصنیف ۱۱۴۸ھ صہ ۔

Marfat.com

زینہ گیر کا اجراء زینہ گیر میں

زینہ گیر کی آبادی کے لئے بادشاہ نے نالہ پہرو سے جو نہر نکالی۔ اس کی بڑی شاخ تو دامن کوہ کے مواضعات کو سرسبز و شاداب کرتی ہوئی سیدھی وُلر میں داخل ہوئی۔ اور اس کی شاخوں نے تمام دیگر ملحقہ دیہات کو جن میں زیادہ تر بادشاہ کے اپنے آباد کردہ تھے۔ اور جو اس وسیع میدان میں پھیلے ہوئے تھے۔ نہال و آباد کر دیا۔ اس زمانہ کے کئی گاؤں انقلاب زمانہ کے ہاتھوں تباہ ہو گئے۔ کئی مٹ گئے۔ لیکن آج بھی زینہ گیر میں چالیس گاؤں آباد ہیں۔

زینہ گیر کی آمدنی وقف تھی

بادشاہ خود عالم تھا۔ وہ علم کا عاشق اور عالموں کا قدر دان تھا۔ اسکے دربار میں ہندو مسلمان دونوں قوموں کے عالم زانو بہ زانو اور دوش بہ دوش بیٹھتے تھے۔ اور بادشاہ کو اپنے علم کے کمالات سے خوش کرتے تھے۔ بادشاہ نے جب زینہ گیر کو آباد کیا۔ تو اس کی آمدنی اور اس کے تمام محصولات اور اس کی تمام فصلیں علماء فضلاء کے لئے وقف کر دیں[1]

باغ زینہ گیر و عمارات بڈشاہی کی تباہی

وٹلب سے درگہہ مولا اور پہرو تک جو میدان بالکل خشک آباد دار کشمیر کا گرم ترین حصہ تھا۔ بادشاہ نے نہروں کے اجراء باغات کے احداث۔ جدید دیہات کی بستیوں اور اپنے قیام سے خطۂ جنت بنا دیا تھا۔ مگر افسوس چشم فلک اس کو سرسبز و شاداب نہ دیکھ سکی۔ اور بادشاہ کی زندگی ہی میں دو تین مرتبہ اس کے محبوب ترین دباغ

[1] از کل تاریخ کشمیر اردو حصہ دوم مطبوعہ و تاریخ کشمیر اردو غیر مطبوعہ مصنفہ خواجہ حسن ملک (پبلک لائبریری سری نگر)

Marfat.com

زینہ گیر اور شاہی محلات کو تباہی و بربادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جس کی کچھ تفصیل اسطرح ہے۔ کہ موضع ترگام میں جو زینہ گیر سے ۲۳، ۲۴ میل کے فاصلے پر ہے۔ قوم چک کا رئیس پانڈو چک جو بڑا ذی اقتدار تھا۔ رہتا تھا۔ زینہ گیر میں شاہی عمارات کی تعمیر اور بادشاہ کی بکثرت آمد و رفت سے اس کو اپنی رہزنی اور لوٹ مار میں تکلیف محسوس ہونے کا اندیشہ معلوم ہوا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب بادشاہ دارالخلافہ میں تھا۔ پانڈو چک نے اپنے اٹھائی گیروں کے ساتھ رات کو آکر تمام عمارتوں کو جلا کر خاکستر کر گیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اس نے فوج بھیجکر ترگام کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ لیکن پانڈو چک ہاتھ نہ آیا۔ وہ اپنی جماعت کو لے کر اپنے اصلی وطن دردستان کی طرف بھاگ گیا۔ اور پُر خطر اور ہیبت ناک پہاڑوں میں زندگی بسر کرنے لگا۔ بادشاہ نے عمارات منہدمہ کی از سرنو تعمیر کرائی۔ پانڈو چک کو بھی خبر ہوئی۔ اس لئے اب یہ کام شروع کیا کہ پہاڑوں سے نکلتا۔ دن کو چھپ رہتا۔ اور رات کو سفر کرتا۔ یہاں تک کہ وہ اسی طرح زینہ گیر کی شاہی عمارات تک پہونچتا۔ اور نظر بچاکر آگ لگا جاتا۔ اور پھر دردستان میں بھاگ جاتا۔

بادشاہ ان عمارات کی پھر مرمت کرتا۔ اور پانڈو چک کی گرفتاری کے احکام سختی سے جاری کرتا۔ آخر بادشاہ نے حاکم دردستان کے نام ایک تاکیدی حکم بھیجا۔ کہ پانڈو چک تو سلطنت کا بدخواہ اور باغی ہے۔ اور لوٹ مار پر گزارہ کرتا ہے۔ تمہارے کوہستان میں چھپا ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کی جلد تر گرفتار کر کے دارالخلافہ میں بھیجدو ورنہ دردستان تباہ کر دیا جائے گا۔ حاکم دردستان کی بادشاہ کے آگے کیا ہستی تھی۔ اس نے پہاڑوں میں پانڈو چک کی گرفتاری اور

Marfat.com

انعام کا ڈھنڈورا پٹوا دیا۔ چنانچہ وہ بدکردار اپنی جماعت کے ہمراہ گرفتار ہوا۔ اور پا بجولان بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔

بادشاہ پانڈو چک کی شرارتوں اور بدکرداریوں سے برافروختہ بلکہ آگ بگولا بنا ہوا تھا۔ حکم دیا کہ اس بدنہاد کو تازیانے لگاؤ۔ اور جب تک اس کے ناپاک جسم سے اس کی روح علیحدہ نہ ہو جائے۔ ضرب تازیانہ میں کوئی کمی نہ ہو۔

چنانچہ جب اس کے ناپاک وجود سے دنیا پاک ہو گئی تو بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کی جماعت اور اس کے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے لاؤ۔ اور تلوار کے گھاٹ اتارتے جاؤ۔ صرف ان کی عورتیں اور ان کے بچے زندہ چھوڑے گئے۔ بادشاہ نے ان کو موضع ہرل پرگنہ دتر میں رہنے کی اجازت دی۔ اور ان کے گذارہ کے لئے وظیفہ مقرر کر دیا۔

بادشاہ کی زندگی میں شاہی عمارات زینہ گر کو جو صدمات پہونچتے تھے۔ بادشاہ از سر نو مرمت و تعمیر کر کے ان کی تلافی کر دیتا تھا۔ لیکن جب چکوں کا زمانہ آیا۔ اور وہ کشمیر کے بادشاہ ہو کر خانہ جنگیوں میں مصروف اور ملک کی آبادی و فلاح سے غافل رہنے لگے۔ تو ان عمارات کو ناقابل برداشت صدمہ پہونچا۔ خصوصاً غازی چک (۹۶۱ لغایت ۹۶۳ھ) کے زمانہ میں باہمی حسد و عداوت کی وجہ سے یہ عمارتیں ایسی نذر آتش ہوئیں کہ پھر ان کا وجود قائم نہ رہ سکا۔ اور نہ کسی نے ان کی طرف توجہ کی چک بھی آئے اور اپنی نوبت بجا کر چلے گئے۔ ان کے بعد مغل بادشاہ آئے۔ جو شوق تعمیرات میں بڈشاہ کی طرح دلچسپی

Marfat.com

رکھتے تھے۔ مگر ان کو صوبہ کشمیر اور خاص دار الخلافہ کی رونق و آبادی اور دل بستگی نے زینہ گیر جیسے خشک علاقہ کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہ دی ان کا دور بھی ختم ہوا۔ تو درّانی خاندان نے یہاں اپنے قدم جمائے۔ ان کے عہد میں صرف اتنا ہوا کہ حضرت سید حسین قمی رضوی کی زیارت مبارک کی جو باغ زینہ گیر کے اندر تھی۔ مرمت ہوگئی۔

افغانوں کے بعد کشمیر میں اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ اور سکھ یہاں کے بادشاہ بنتے ہیں۔ جن کو قدرتاً اسلامی عمارات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ غرض شاہی عمارات و باغات کے جو تھوڑے بہت نشان باقی تھے۔۔ وہ بھی رفتہ رفتہ مٹ گئے۔ یہاں تک کہ اور تو اور زینہ گیر ہی کے بہت کم لوگوں کو معلوم ہے۔ کہ اس چھوٹے سے موضع سید پورہ میں کبھی بادشاہی باغات و محلات بھی تھے۔

راقم الحروف ۸ راگست ۱۹۲۸ء کو خود سید پورہ گیا۔ اور سید حسین صاحبؒ کے مزار مبارک پر حاضر ہوا۔ سید پورہ چھوٹا سا گاؤں ہے۔ جہاں اڑھائی سو تین سو نفوس کی آبادی ہے۔ ایک محلہ سنیوں کا ہے۔ ایک شیعوں کا اور دونوں کی آبادی قریباً مساوی ہے۔ شیعہ محلہ کے متصل بہت سے قدیم آثار ملتے ہیں۔ نہر کے کنارے جو آج مسدود ہے۔ اور بادشاہ کے زمانہ میں باغ کے تمام رقبہ کو سیراب کرتی تھی۔ شمال کی طرف ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے۔ جو قدیم پتھروں سے اٹا ہوا ہے۔ اس پر توت کے دو درخت ہیں۔ یہ جگہ جو شاہی مسجد تھی۔ آج صرف مٹی کا ایک ٹیلہ ہے۔

اس ٹیلہ سے ذرا آگے حضرت کا مزار ہے۔ جسکے بیرونی دروازہ کے ساتھ بعض ایسے پتھر ہیں۔ جو تراشیدہ ہیں۔ ایک پتھر تین گز سے بھی زیادہ طویل دیکھا گیا۔ زیارت کے باہر چنار کا ایک درخت ہے۔ جو

Marfat.com

بہت پرانا ہے۔ راقم الحروف کو بتایا گیا ہے۔ کہ یہ درخت بڈشاہ ہی کے زمانہ کا ہے۔ اور حضرت سید حسین اس کے نیچے کبھی کبھی قیام فرمایا کرتے تھے۔

زیارت کے عقب میں مسدود نہر کے اندر ایک کنواں ہے۔ جس کا پانی نہایت سرد اور شیریں ہے۔ اس کی ساخت بتاتی ہے کہ یہ بہت قدیم ہے۔ کنوؤں کے منڈیروں پر لکڑیوں کے بجائے لمبے لمبے قدیم وضع کے پتھر رکھے ہوئے ہیں۔

کنویں کے بالمقابل نہر کے پار مگر نہر کے عین کنارے زیارت سے مغرب کی طرف مسجد کے ٹیلہ کی طرح ایک بلند ٹیلہ ہے۔ جس کو بادشاہی ٹینگ یعنی بادشاہی ٹیلہ کہتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ یہاں بڈشاہ کا محل تھا اس ٹیلہ کے ساتھ ہی ایک قبرستان ہے۔ جہاں سے پتھر وغیرہ نکلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ راقم الحروف نے بھی ایک جگہ سے تازہ پتھر نکلے ہوئے دیکھے جو کسی دیوار کی صورت میں معلوم ہوتے تھے۔ قیاس کہتا ہے کہ بادشاہی ٹینگ اور اس قبرستان کی زمین ہی میں شاہی محلات واقع تھے۔

بادشاہی فاصلے سے کچھ فاصلہ پر جنوب کی طرف ایک نشیب والی زمین ہے۔ جس کو وزیر ڈب کہتے ہیں۔ اور جس کا ترجمہ اردو میں وزیر منزل ہی ہو سکتا ہے۔ غالباً یہاں وزیر اعظم یا دیگر وزراء کے مکانات ہوں گے۔

حضرت سید حسین قمی کے روضہ پر سنی مسلمان بھی آتے ہیں۔ لیکن اہل تشیع میں روضہ کی بڑی وقعت ہے۔ کشمیر کے علاوہ سکردو بلتستان تک کے شیعہ یہاں آتے ہیں۔ لارنس صاحب نے اسی زیارت کی وجہ سے دو بندوبستوں تک اس گاؤں کو مالیہ میں رعایت دی تھی

راقم الحروف کو بتایا گیا کہ موضع براٹ (متصل سید پورہ) سے

Marfat.com

لیکر نارہ پیرو یعنی شمالی حدود سوپور تک جو دو اڑھائی میل کا فاصلہ ہے۔ پرانے زمانہ کے کچھ آثار کبھی کبھی ملتے رہتے ہیں۔ مثلاً زمین کھودتے پر مٹی کے بڑے بڑے برتن اور تراشیدہ پتھر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باغ اور ان عمارات کی حدود موضع براٹ تک تھیں۔ جہاں اب بھی قدیم زمانے کے کئی پتھر پڑے ہوئے ہیں۔

گاؤں کے اکثر مکانات کی پہلی منزلیں پتھر کی ہیں۔ اور گاؤں کے نزدیک جس قدر کھیت ہیں۔ ان سب کی چار دیواری بھی پتھروں ہی سے بنی ہوئی ہے۔ حالانکہ سید پورہ کوہستانی نہیں۔ بلکہ میدانی علاقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ زینہ گیر کی چار دیواری یا سرکاری عمارات کے جو پتھر تھے۔ وہ انہدام کے بعد گاؤں والوں نے آپس میں تقسیم کر لئے۔ آہ! سچ کہا مرزا داغ نے سے

فلک نے لوٹ کے لٹوا دیا حسینوں سے

سمجھ لیا کسی مردہ کا اس نے مال مجھے

کشمیر میں پلوں کی تاریخ

کشمیر کے ایسے مقامات میں جہاں دریاؤں اور نالوں نے خشکی کا سفر تکلیف دہ بنا رکھا ہے۔ زمانہ قدیم میں کشتیاں چلتی تھیں۔ یہ کشتیاں جو مسافروں کو دریاؤں اور ندی نالوں سے آر پار لے جایا کرتی تھیں۔ بعض مخیر لوگوں کی طرف سے بھی رفاہ عام کے لئے ہوا کرتی تھیں۔ اور اکثر والئے ملک کی طرف سے عوام کی آسائش کیلئے ہوتی تھیں۔ آج بھی یہ کیفیت نالہ پہرو اور بعض دوسرے نالوں پر جہاں پل کم ہیں یا نہیں ہیں۔ دیکھی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

ہندو عہد قدیم کے پل

کشمیر میں سب سے پہلے راجہ ہرش[1] نے دریا پر ایک پل بنانے کی ضرورت محسوس کی۔ یہ پل کشتیوں کا پل کہلاتا تھا۔ اور راجہ کے محل کے عین مقابل تھا۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ راجہ کے محلات فلاں مقام پر تھے۔ تو پل کا جائے وقوع بھی معلوم ہو سکتا ہے۔ لیکن افسوس ہے پل اور محل کے جائے وقوع کا کسی مؤرخ نے پتہ نہیں بتایا۔

اس کے بعد راجہ پرورسین ثانی[2] کے زمانہ میں کشتیوں کے ایک بہت بڑے پل کی کیفیت معلوم ہوتی ہے۔ جس کا نام راجہ نے بھرت ستو رکھا۔ برہت یا بھرت کون تھا۔ اور پل کا نام اس نام پر کیوں رکھا گیا۔ اس کے متعلق اوروں کا تو کیا ذکر کشمیر کا قدیم اور نامور مؤرخ پنڈت کلہن تک بھی خاموش ہے۔ یہ پل دریا کے کس حصہ پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کا کچھ پتہ نہیں۔ تاہم اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ بالشیمہ[3] میدان سے جس کا

---

[1] عہد حکومت سنہ ۱۱۰۳ء لغایت سنہ ۱۱۱۴ء

[2] عہد حکومت سنہ ۱۰۲ء لغایت سنہ ۱۶۲ء

[3] بالشیمہ جو سنہ ۱۱۲۳ء میں ایک جزیرہ تھا۔ اور اسلامی عہد کشمیر میں جو ایک وسیع میدان ہونے کی وجہ سے میدان جنگ بھی بنا رہا ہے۔ آج ایک آباد اور بارونق اور ایک گنجان محلہ ہے۔ وسیع سڑکیں اور عالیشان عمارتیں یہاں موجود ہیں۔ گاؤ کدل سے چند قدم آگے دائیں طرف کچھ تھوڑا سا حصہ دلدل کا موجود ہے۔ وہاں بھی بھرتی ڈال کر خشک زمین پیدا کی جا رہی ہے۔

Marfat.com

نام اس زمانہ میں " ناشکا سوامن " تھا۔ اور جزیرہ کی صورت میں تھا۔ تھوڑے ہی فاصلہ پر تھا۔

سٹین صاحب کا خیال ہے کہ پرورسین کا پل موجودہ چوتھے اور پانچویں پل کے قریب کہیں کہیں واقعہ ہوگا۔

سنہ ۱۱۲۳ء میں راجہ سسل کا عہد تھا۔ کہ سرینگر میں عظیم آتش زدگی کا وقوعہ ہوا شہر کے مٹھ مندر۔ مکانات۔ منڈیاں اور دوسری عمارات سب جل کر راکھ ہوگئیں۔ آگ کے خوف سے بہت سے دریائی غسل خانے اور کشتیوں کے پل ہٹا لئے گئے۔ لیکن یہ بھرت ستو جو کشتیوں کا عظیم الشان پل تھا اس تباہ کن آتش زدگی سے نہ بچ گیا۔ اور تباہ ہوگیا۔

اسلامی عہد کا سب سے پہلا پل

علیشاہ کی سلطنت چھ سات سال سے زیادہ نہ رہی۔ تاہم (سنہ ۸۲۶ھ) یعنی مرنے سے پیشتر جو چند کام اس نے اچھے کئے ان میں دریائے بہت کا ایک پل بھی تھا۔ جو اس نے کشتیوں کے بجائے لکڑیوں کا تعمیر کرایا۔ اور اُس کا نام اس نے اپنے نام پر علی کدل رکھا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں ہندو عہد قدیم کے پل یا تو آتش زدگی کی نذر ہو چکے تھے۔ یا طوفان آب کے باعث دریا میں بہہ گئے تھے۔ کیونکہ کوئی مؤرخ اس وقت کسی قدیم پل کی موجودگی کا پتہ نہیں بتاتا۔ بلکہ ایک مؤرخ[1] جس کی تصنیف کو آج تقریباً ڈھائی سو سال گذر چکے ہیں۔ لکھتا ہے " جب زین العابدین تخت نشین ہوا تو شہر میں صرف ایک ہی پل تھا۔ جس کا

---

[1] فتوحات کبرویہ۔ مصنفہ شیخ عبدالوہاب گنائی سال تصنیف سنہ ۱۱۵۳ھ (کتاب غیر مطبوعہ)

Marfat.com

نام عالی کدل تھا۔ اور بڈشاہ کے بھائی علیشاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ لوگ بالعموم دریاء کو سفینوں اور کشتیوں کے ذریعہ عبور کیا کرتے تھے۔"

بڈشاہ کا زینہ کدل

زین العابدین نے بادشاہ ہو کر دریاء کو کشتیوں کے ذریعہ عبور کرنے کی جو مشکلات تھیں، ان پر غور کیا۔ اور اس مقام پر جہاں مہاراج گنج آباد اور مزار السلاطین واقع ہے۔ ایک مستقل پل دریا پر تعمیر کرایا۔ اور نام اس کا اپنے نام پر زینہ کدل رکھا۔ اور اس کو اس شوق اور محنت اور لاگت سے بنوایا کہ یہ پل بھی اس کے ہفت زینوں میں شمار ہونے لگا۔

سری نگر میں دریائے جہلم پر سات پل ہیں۔ سب سے پہلا پل ۸۲۶ھ سے پیشتر تعمیر ہوا۔ اور اس کے بعد مختلف بادشاہوں نے پلوں میں اور اضافہ کیا۔ چنانچہ پانچ سو سال سے یہی سات پل سرینگر میں بغیر کسی کمی بیشی کے موجود ہیں۔ زینہ کدل[1] آج دریا کا چوتھا پل ہے۔ اور امیرا کدل

---

[1] صاحب اسلامک کلچر ان کشمیر صفحہ ۲۴۴ پر لکھتے ہیں: "کسی مؤرخ نے اس پل کی تعمیر کے سنہ کا ذکر نہیں کیا"۔ لیکن تاریخ حسن جلد اوّل میں زینہ کدل کی تعمیر سنہ ۸۲۲ھ بتائی گئی ہے۔ جو راقم الحروف کے خیال میں اسلئے غلط ہے کہ بڈشاہ کی تخت نشینی ہی سنہ ۸۲۶ھ میں ہوئی تھی۔ تو سنہ ۸۲۲ھ میں وہ اپنے نام پر پل کس طرح تعمیر کر سکتا تھا۔ صاحب احسن التواریخ (مولوی عزیز الدین صاحب قاضی کشمیر مرحوم) اس کا سال تعمیر سنہ ۸۰۷ھ بتاتے ہیں۔ اور بڈشاہ کی تخت نشینی سنہ ۸۲۶ھ کے مطابق وہ بھی غلط ہے۔ بہرحال صحیح یہی ہے کہ سنہ تعمیر کا کوئی پتہ نہیں۔ (باقی آئندہ صفحہ پر)

Marfat.com

کے بعد جو دار الخلافہ کا بہترین خوبصورت مضبوط اور وسیع پل ہے۔ سب پلوں سے زیادہ بارونق اور آباد ہے۔ اور اس پر ٹم ٹم تانگہ چل سکتا ہے۔ؔ

سری ور نے بھی اپنی راج ترنگنی میں اس پل کا ذکر کیا ہے۔ سٹین صاحب اپنی مترجمہ راج ترنگنی کے نوٹوں میں لکھتے ہیں۔ "اس کی ساخت ایسی ہے جیسی آج کل کشمیر کے پلوں کی ہوتی ہے۔ ہندو انجینیر پتھر کا کام کرنے اور سنگ تراشی کے فن میں صاحب کمال تھے۔ اس زمانہ میں دریا پر اتنا لمبا چوڑا پتھروں کا بننا چونکہ دشوار تھا۔ اس لئے وہ کشتیوں کے پل بنا کر کام لیتے تھے لیکن جب مسلمان آئے تو وہ لکڑی کا کام زیادہ اچھی طرح کر سکتے تھے۔ اسلئے وہ بہ آسانی اس مشکل پر غالب آ گئے۔

بادشاہی ہفت پل

اس پل کے علاوہ اس بادشاہ نے نالہ مار پر سات عمدہ پل تعمیر کرائے۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں۔

نائد کدل۔ بہوری کدل۔ صراف کدل۔ قادری کدل۔ راجوری کدل

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۳۸) البتہ یہ ممکن ہے کہ اس نے اپنے ابتدائی عہد میں اپنی رعایا پروری کی وجہ سے زینہ کدل کی ضرورت شہر میں محسوس کی ہو

ؔ اس پل پر لوگوں کا اس قدر اجتماع رہتا ہے۔ اور شام کو اس قدر ہوائی باتیں یہاں ہوتی رہتی ہیں۔ کہ سرینگر میں پھیل جاتی تھیں۔

ؔ کہا جاتا ہے کہ راجوری کدل راجوری کے راجہ کی لڑکی نے بادشاہ کی اجازت سے تعمیر کرایا تھا۔ اور اسی کے نام پر راجوری یا راجویری یا راجود کدل کہلایا۔

کاو ڈارہ کدل - ان کے علاوہ بادشاہ نے نالہ شادی پورہ - سوپور - نالہ کھائی بار تار - جوگی لنگر (سری نگر) اور کئی اور مقامات پر بہت سے پل تیار کرائے، جن میں سے اکثر غیر معروف تھے - انقلاب گیتی نے آج ان کو بھی معدوم کر دیا ہے -

اندر کوٹ کی دوبارہ آبادی اور بڈشاہ کا شاندار محل

کلہن نے راج ترنگنی میں اس شہر کے متعلق لکھا ہے کہ راجہ جیا پیڈ نے اس کو جھیل کے وسط میں راکششوں کی مدد سے تعمیر کرایا تھا - یہاں بہت سے مندر بھی تھے - راجہ کے علاوہ وزراء کی عمارتیں بھی تھیں - جیا پیڈ کے نام کی رعایت سے اس کا نام جے پور رکھا گیا - مگر وہ زیادہ مشہور نہ ہوا ، بلکہ جھیل کے وسط میں ہونے کی وجہ سے عوام اس کو ابھینتر کوٹ یا اندرونی قلعہ کہنے لگے - اور یہی نام اس شہر کا مشہور و مقبول ہو گیا - ابھینتر کا لفظ رفتہ رفتہ اندر کے لفظ سے بدل گیا - اور ابھینتر کوٹ کی جگہ اندر کوٹ کے نام نے شہرت حاصل کر لی -

یہ شہر راجہ جیا پیڈ نے ندیائے وتستہ کے بائیں کنارے پر شادی پورہ سے نیچے کی طرف پانچ کے فاصلے پر آباد کیا - اسکے چاروں طرف پانی تھا - اس راجہ کے بعد کئی اور راجاؤں نے بھی یہاں سکونت رکھی ہے -

کشمیر کی آخری ہندو ملکہ رانی کوٹا اسی اندر کوٹ میں رہتی تھی ، اور یہیں اس نے ۱۳۳۹ء میں اپنے آپ کو خنجر سے ہلاک کر دیا تھا - اس زمانہ تک یہ مقام کچھ آباد تھا - لیکن جب سلطنت کا انقلاب ہو گیا ، اس شہر میں بھی تغیر عظیم واقعہ ہوا - یہاں تک کہ رفتہ رفتہ یہ اپنے انتہائی زوال کو پہونچ گیا -

بڈشاہ کا زمانہ آیا - تو جہاں رعایا کو امن و چین سے سانس

Marfat.com

لینا نصیب ہوا۔ وہاں بعض قدیم عمارات کی بھی خدا نے سنی۔ چنانچہ اندرکوٹ کے متعلق شری ور اپنی راج ترنگنی کے ترنگ ع۱ میں لکھتا ہے۔ کہ "سلطان زین العابدین نے اس شہر کو جو زوال پذیر ہو چکا تھا۔ از سر نو بحال کیا۔ یا بہ الفاظ دیگر جو مندر منہدم ہو گئے تھے۔ ان کی مرمت کرائی۔ شاہی مکانات کی جن کی کھنڈرات ان کی فلک نمائی کا پتہ دیتے تھے۔ سابقہ شان پیدا کر دی۔ لوگ جو شکستہ دل تھے۔ ان کی ہر طرح تسلی کی۔ اور ان کو وہاں آباد کیا۔

اسکے بعد شری ور لکھتا ہے۔ " بادشاہ نے اس کے بعد جھیل کے کنارے اپنے لئے ایک نیا شاندار محل بنوایا" بادشاہ کو فن تعمیرات سے جو ذوق ہے۔ اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ وہ لکڑی سے منقش کام لینا خوب جانتا تھا۔ جس کو شری ور شاندار محل لکھتا ہے۔ اس میں خدا جانے بادشاہ نے اپنی خوش سلیقگی اور خوش مذاقی اور تعمیری دلچسپیوں کے کیا کچھ ثبوت نہ دئیے ہوں گے۔

اندرکوٹ آج بھی موجود ہے اور نالہ شادی پور[۱] کے کنارے آباد ہے۔ یہاں شیعہ مسلمانوں کی بستی ہے۔ قدیم زمانہ کے آثار بھی دیدۂ عبرت کے لئے بڑے بڑے گو انڈیل پتھروں کی صورت میں بکھرے پڑے ہیں۔

---

[۱] بہت قدیم نالہ تھا۔ بڈشاہ نے اس پر ایک پل بھی بنوایا تھا۔ ۱۹۰۵ء تک یہ نالہ چلتا تھا۔ بلکہ سری نگر سے سوپور تک چھوٹی کشتیاں اسی نالہ کے ذریعہ آیا جایا کرتی تھیں۔ مگر اب یہ نالہ بند کر دیا گیا ہے۔ اور اس کا پل یہاں سے اکھاڑ کر ہندواڑہ کے مقام کلن گام میں نالہ پہرو پر لگا دیا گیا ہے۔

یہ مقام سنبل سے جنوبی و غربی گوشہ کی طرف واقع ہے۔ بڈشاہ کا شاندار محل راجہ جیا پیڈ کے فلک مرتبہ ایوانات امراء وزراء کی عالیشان عمارتیں سب اپنے بانیوں کے ساتھ پیوند خاک ہو چکی ہیں۔ اگر کچھ پتہ ملتا ہے تو انہیں بکھرے ہوئے پتھروں کی زبان بے زبانی سے جو بقول شاعر ع

مرمٹوں کا نشان ہے گویا۔

بڈشاہی عہد کی خانقاہیں اور مسجدیں
جامع مسجد بارہ مولا

یہ معلوم نہیں کس سال بادشاہ نے بارہ مولا کی جامع مسجد تعمیر کی لیکن اس قدر سب مؤرخ لکھتے ہیں کہ "بنائے اولش از بڈشاہ بود"۔ بڈشاہی خاندان تک اس کی حالت اچھی تھی۔ چکوں کے عہد میں مسمار ہونے لگی۔ جب مغل حکومت کا یہاں دور دورہ ہوا تو اس کی از سر نو مرمت ہوئی سکھوں کے زمانے میں شیخ محی الدین ناظم کشمیر نے اس کی چھت کو درست کیا۔ ۱۳۰۰ھ میں کثرت بارش۔ زلزلہ باری نے اس کو سر بسجود کر دیا۔ ۱۳۰۲ھ تک یہی حالت رہی۔ ۱۳۱۳ھ میں خواجہ عبدالصمد ککڑو مرحوم و رئیس بارہ مولہ نے اس کو پھر زندہ کر دیا۔ مرمت مسجد کا قطعہ تاریخ حسب ذیل ہے:

سجدہ شکر ہر کن اے سامع — کاختر ابتما شدہ لامع
کرد انداز بنائے مسجد جید — خواجہ عبدالصمد زہے یا مع
زد ندا الہم از سر تعمیر — گشتہ معمور مسجد جامع

۱۳۱۳ھ

تصنیف کتاب کے دوران میں جامع بارہ مولہ کی حالت پھر خستہ و خراب دیکھی گئی۔

Marfat.com

جامع مسجد سرینگر

اس مسجد کی بنا جو آج روئے زمین کی بہترین اور قابل دید عمارتوں میں شمار ہوتی ہے

حضرت میر سید محمد ہمدانی قدس اللہ سرہٗ کے ایما سے سلطان سکندر بت شکن نے رکھی تھی۔ حضرت خواجہ صدرالدین کہ خراسانی الاصل تھے۔ اور کشمیر میں اقامت گزین تھے۔ اس کے میر عمارت تھے۔ ابھی مسجد ناتمام تھی کہ سلطان بت شکن کا انتقال ہوگیا۔ آخر بادشاہ روئے زمین حضرت سلطان زین العابدین قدس اللہ سرہٗ کے عہد میں یہ مسجد خواجہ صدرالدین کی زیر نگرانی "کہ در صنعت معماری نظیرش نہ بود" تکمیل کو پہونچی۔ سچ ہے۔ ع اگر پدر نتواند پسر تمام کند۔

بڈشاہ نے تکمیل جامع کی طرف تخت نشین ہوتے ہی توجہ کی۔ جیسا کہ صاحب تاریخ خلیل لکھتے ہیں "وے در سنہ ۸۳۱ھ مسجد جامع را مرمت کرد۔ ترمیم المسجد تاریخ اوست" بادشاہ نے مسجد

لہ واریخ خوارق السالکین سال تصنیف سنہ ۱۱۰۹ھ غیر مطبوعہ۔

لہ فتحیات کبرویہ صفحہ ۳۰ میں لکھا ہے۔ آپ ۲۲ ربیع الاول سنہ ۸۳۱ھ کو انتقال فرما گئے۔ مدفون زینہ کدل محلہ قطب الدین پورہ۔ صاحب فتحیات نے خواجہ صدرالدین کا سال وفات سنہ ۹۲۱ھ غلط لکھا ہے۔ اگر وہ بڈشاہ کے زمانے میں موجود تھے اور مسجد شوپیاں اور مسجد جامع سرینگر ان کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی ہیں۔ تو ان کا سال وفات سنہ ۸۶۱ھ یا سنہ ۸۹۲ھ یا اس کے بعد ہونا چاہیئے۔ اور ممکن ہے سنہ ۸۶۱ھ یا سنہ ۸۹۲ھ کے بجائے سنہ ۹۲۱ھ غلطی سے لکھا گیا ہے ۔

Marfat.com

سے شمال کی طرف ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا۔ جس کی نگرانی اور اعلیٰ مدرّس قاضی محمد علی بخاری کے سپرد ہوئی۔ اور جنوب کی طرف دارالافتاء قائم کیا۔ جہاں چار عالم اور مفتی احکام شریعت کے مطابق فتویٰ دیا کرتے تھے[۱]۔ یہ مسجد کئی دفعہ بوجہ آتش زدگی وغیرہ خراب ہوگئی۔ اور اس کی مرمت بھی ہوتی رہی۔ لیکن جس تدبر حکمت عملی اور ہمدردی سے اس مسجد کو دنیا کی لاثانی عمارتوں میں شمار کرانے کے لئے بعہد مہاراجہ پرتاب سنگھ خان بہادر شیخ مقبول حسین صاحب[۲] سی۔ آئی۔ ای ریونیو منسٹر

---

[۱] از تاریخ خلیل غیر مطبوعہ مصنفہ محمد خلیل مرجانپوری

[۲] شیخ مقبول حسین صاحب ضلع بارہ بنکی کے تعلقہ دار اور صوبہ اودھ کے رئیس ہیں۔ ۱۹۰۹ء میں کشمیر آئے۔ اور ۱۹۱۷ء تک ریونیو منسٹری کے عہدے پر رہے۔ جامع مسجد کی تعمیر میں آپ نے گورنمنٹ ملبند سے بھی بہت روپیہ لیا۔ اور ہز ہائی نیس مہاراجہ پرتاب سنگھ آنجہانی سے بھی بہت سی امداد حاصل کی۔ اور تعمیر و مرمت کی مستقل امداد کا یہ طریقہ تجویز کیا۔ کہ مالیہ کے ساتھ فی روپیہ دو پیسہ تا اختتام مرمت وصول کیا جاتا رہا۔ یہ رقم سالانہ قریباً ۶۵ ہزار تک پہنچتی تھی۔ اور یہ ایسا سلسلہ تھا کہ آپ کے تشریف لے جانے کے بعد بھی جاری رہا۔ آپ کشمیر سے واپس آکر یو۔ پی میں رجسٹرار کوآپریٹو سوسائٹیز سات سال تک رہے۔ پھر بہرائچ میں ڈپٹی کمشنر بن گئے۔ ۱۹۲۶ء سے جونپور میں کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع ہیں۔ اور کونسل آف سٹیٹ میں اپنی

(باقی صفحہ ۱۴۷ پر)

Marfat.com

نے اس کی مرمت کا انتظام کیا۔ اس کی تکمیل ملنی مشکل ہے۔ آخر یہ مسجد کئی سالوں کی مرمت و تعمیر کے بعد قریباً گیارہ لاکھ روپے سے بعہد مہاراجہ ہری سنگھ بہادر تکمیل کو پہنچی۔

تاریخ حسن میں ہے "از سلطان سلطان زین العابدین بار بار ترمیم یافت" صاحب تاریخ خوارق السالکین لکھتے ہیں۔ حضرت سید محمد نور بستانی بھی اپنے مرشد خواجہ صدر الدین کے ہمراہ بعہد بڈشاہ کشمیر میں اقامت گزین تھے۔ جامع نوہٹہ کے زمانہ میں مزدوری کرتے تھے۔ لیکن ان کے اندرونی حالات سے کوئی باخبر نہ تھا۔ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے۔ جو کچھ کماتے تھے۔ فقراء کو تقسیم کر دیتے تھے۔ ان کی فیاضیوں بلکہ ان کی کرامتوں کے متعلق مشہور ہے ؎

گدائے در مے خانہ طرفہ اکسیراست

گر ایں عمل بہ کنی خاک زر توانی کرد

خانقاہ شیخ العالم

بادشاہ حضرت شیخ نور الدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کا کہ عوام میں "شیخ العالم" کے لقب سے مشہور ہیں۔ بہت عقیدتمند تھا۔ ان کا عالیشان مقبرہ سب سے پہلے اسی نے تعمیر کرایا۔ جس محبت و خلوص سے بادشاہ نے اس "مزار مبارک" کی تعمیر میں دلچسپی کا اظہار کیا۔ اور جو نقش و نگار اس نے مزار کی عمارت میں پیدا کئے۔ اور نجاروں نے لکڑی کے کام میں اپنے فن کا کمال جس خوبی سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۴) اپنی گورنمنٹ کے نمائندہ ہیں۔ سرینگر کی جامع مسجد کی جدید تکمیل کشمیر میں آپ کی بہترین یادگار ہے۔ اور کشمیر کے لوگ آپ کے اس احسان کو دلی شکر گذاری کے ساتھ یاد کرتے ہیں۔

Marfat.com

نمایاں کیا۔ اگر بڈ شاہی عہد کی عمارت آج بجنسہٖ موجود ہوتی تو اس زمانہ کی صنعت کاری آج ہمارے لئے سبق آموز واقع ہوتی۔ لیکن افسوس بقول صاحب تاریخ حسن" این قطعہ در عہد چکاں بحادثہ آتش افروختہ شد" یعقوب شاہ چک بادشاہ کشمیر نے اپنے عہد سلطنت عہد حکومت میں اس تعمیر کی پھر تجدید کی۔ ۱۱۳۹ھ میں کہ مغلوں کی حکومت تھی۔ اور محمد شاہ بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہند تھا۔ پھر اس کو حادثہ آتش سے دوچار ہونا پڑا۔ حکومت کی طرف سے اس خانقاہ مبارک کی طرف کہ ایک وسیع اور دو منزلہ چوبی مسجد بھی اس کے ساتھ ملحق تھی۔ کوئی توجہ نہ کی گئی۔ آخر دو خدا کے بندوں خواجہ نظام و خواجہ محمود نے کہ اہل دل رئیسوں میں سے تھے۔ اس خانقاہ کی تجدید کی ۱۸۲۶ء میں اس عالیشان روضہ کی مرمت پھر پبلک چندہ سے ہوئی۔ اور باوجود حکومت یا کسی بہت بڑے رئیس کے حصّہ نہ لینے کے بہت بڑے پیمانہ پر ہوئی۔

خانقاہ فیض پناہ

میر محمد امین اویسی اپنے پیر طریقت سید بلال کہ صاحب علو حال اور بلند آسمان کمال تھے کے پاس موضع اشم میں جو پرگنہ محمد آباد کے نام سے بھی موسوم تھا۔ اکثر رہا کرتے تھے۔ اور چونکہ بادشاہ کو میر اویسی کی خاطر حد سے زیادہ محبت تھی۔ اسلئے بادشاہ نے موضع مذکور میں ایک عالی شان خانقاہ تعمیر کرائی۔ جو نقش و نگار سے آراستہ اور فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ تھی۔[1] اس خانقاہ میں مسجد مدرسہ اور طلباء کے لئے حجرے اور

---

[1] تاریخ خواجہ اعظمی مؤلفہ خواجہ محمد اعظم۔

Marfat.com

درویشوں اور خادموں کے لئے مکانات تھے۔ نام اس خانقاہ کا تاریخوں میں "خانقاہ فیض پناہ" درج ہے۔[1]

یہ خانقاہ دریائے بہت کے مشرقی کنارہ پر تھی۔ حضرت میر اویسی کے انتقال کے بعد اس کی رونق کم ہوگئی۔ جہانگیر کے زمانہ میں حضرت خواجہ خاوند محمود اس کے چوب و چگل اٹھا کر شہر میں لے آئے اور خانقاہ نقشبندیہ کی بناء ڈالی۔

خانقاہ سید برخوردار

اس عمارت کی سنہ ۹۶۹ھ میں بادشاہ نے تکمیل کی۔ سید برخوردار اور اس زمانہ میں بہت بڑے صاحب یمن و برکت بزرگ تھے۔ بادشاہ نے ان کے خادموں اور ان کے لنگر وغیرہ کے لئے محلہ دانا میں یہ عالیشان خانقاہ تعمیر کرائی۔

خانقاہ سید مدنی

اس قدیم خوبصورت مگر مٹی ہوئی عمارت کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت سید محمد مدنی بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ سلطان نے سنہ ۸۴۸ھ میں جو سنہ ۱۴۴۴ء سن کے مطابق ہے یہ خانقاہ بطور رت مسجد نبوی اس لئے کہ حضرت سید محمد مدینہ شریف کے رہنے والے تھے۔ آپ کے خدام کے لئے تعمیر کرائی۔

اسرار الابرار میں آپ کے حالات بالتفصیل درج ہیں۔ آپ سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں امیر تیمور صاحب قرآن کی طرف سے بطور رسالت بادشاہ کشمیر کے پاس آئے تھے۔ یہ

[1] تاریخ حسن قلمی صفحہ ۲۵۴ ۔

مقام بہت پسند آیا۔ اسلئے وطن واپس جاکر اہل وعیال کو ہمراہ لے آئے۔ اور رائنواری میں قیام فرمایا۔ سکندر نے جب اپنے امراء وزراء اور جاسوسوں کے ذریعہ معلوم کیا۔ کہ آپ انیس الورع و رئیس شرع اور عارف حق اور موحد مطلق ہیں۔ تو آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اپنے قرب وجوار میں ان کے لئے عالیشان خانقاہ تیار کرائی۔ چنانچہ آپ رائنواری سے نوشہرہ میں تشریف لے آئے۔ آپ کا مزار بڈشاہ کے زمانہ میں تعمیر ہوا۔

بیجبہاڑہ میں بڈشاہی عمارت

بیجبہاڑہ میں بادشاہ نے کسی بزرگ کے لئے خانقاہ تعمیر کرائی۔ یا اپنے لئے کوئی محل تعمیر کرایا۔ یا سیر وسیاحت کے لئے رستہ میں کوئی آرامگاہ بنائی۔ اسکے متعلق کوئی صحیح حالات نہیں ملے۔ البتہ مولانا داؤد مشکوتی جو بڈشاہ سے قریباً پونے دو سو سال کے بعد شاہجہان کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ بیجبہاڑہ میں بڈشاہی عمارت کا پتہ بتاتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں۔ "سیر تبت سے واپس آکر جب میں حضرت شیخ نصر الدین ابو الفقراء کی خدمت میں حاضر ہوا۔ تو شنکر ریشی کہ وہ بھی حضرت کے مریدوں میں تھے۔ حضرت کی ملازمت میں موجود تھے۔ شنکر ریشی نے مجھ سے کہا۔ تمہارے آنے سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا ہے۔ کہ حضرت شیخ نے بیجبہاڑہ میں ایک شاندار عمارت بنائی ہے۔ اور اس جگہ جہاں سلطان زین العابدین علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ میں ایک عمارت کہ منظرہا ئے گونا گوں رکھی تھی۔ آپ نے بھی برج ہائے بلند اور مینارہائے فلک نما قائم کئے ہیں۔ مولانا داؤد مشکوتی فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا۔ یہ جگہ خوب ہے۔ یہیں قیام ہونا

Marfat.com

چاہیے۔ یہ سن کر حضرت شیخ ابوالفقرا نے میرے جواب کو قبول فرمایا۔ لیکن فرمایا اس خواب کی تعبیر اگر تم بتا سکتے ہو تو بتاؤ۔ میں نے عرض کیا قصر سلطان رتبہ عالی کی علامت ہے۔ یہ سنکر ریشی نے کہا۔ یہ بھی خوب ہے۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ حضرت شیخ اب ہم سے جدا ہونے والے ہیں۔ اسلئے ان کا آخری قیام اس بیجبہاڑہ میں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سوپور میں بادشاہی محل

راجہ اونتی ورما کے انجینیر سویہ نے سوپور کو آباد کیا۔ پہلے اس کا نام سو یہ پور تھا۔ رفتہ رفتہ سوپور ہوگیا۔ اسی مقام پر قدیم زمانہ میں دریائے وتشتہ مسلمان عہد حکومت کا دریائے بہت اور زمانہ حال کا دریائے جہلم جھیل ولر کے بحر بے پایاں سے باہر نکل کر پنجاب کو روانہ ہوتا ہے۔ سوپور کسی زمانہ میں بہت نامور شہر رہا ہے۔ اب بھی اس کی آبادی بیس پچیس ہزار سے کم نہیں۔ اس کی آتشزدگیاں زمانہ قدیم ہی سے مشہور چلی آتی ہیں۔

زین العابدین نے سوپور کو بہت رونق بخشی تھی۔ بقول مؤرخ سٹری درکرم چمنی کمراز کا سرکاری ہیڈکوارٹر ان دنوں سوپور رہتا۔ تمام دفاتر اور تمام دفاتر اور سرکاری محکمے اسی جگہ تھے۔ بادشاہ نے خود بھی دریا کے کنارے ایک قصر شاہی تعمیر کرا رکھا تھا۔ اور جب کبھی اس طرف آتا تھا۔ اسی جگہ قیام کرتا تھا۔

سٹری درلکھتا ہے۔ بڈشاہ کے زمانے میں یہاں ایک عظیم آتشزدگی ہوئی۔ سارا شہر بلند و رفیع تر مکانات سے آراستہ تھا۔ چشم زدن میں خاک اور خاک سے راکھ ڈھیر ہوگیا۔ سرکاری دفاتر اور محکمہ جات کی عمارتوں کے ساتھ ہی تمام سرکاری کاغذات بھی جل گئے۔

Marfat.com

صرف محل شاہی جو عام مکانات سے بہت دور دریا کے کنارے پر ایک طرف واقعہ تھا، بچ رہا۔

بادشاہ کو خبر ہوئی۔ بہت افسوس کیا۔ اور اس شہر کو از سر نو بڑی شان و شوکت سے تعمیر کرایا۔

وانتی پورہ میں باغ بادشاہی

یہ مشہور آباد قریہ سری نگر سے جانب جنوب بفاصلہ بیس میل دریائے جہلم کے شرقی کنارے پر اسلام آباد کو جاتے ہوئے بر سر راہ آتا ہے۔ راجگان ماسبق کے عہد حکومت میں ورما خاندان کے نامور راجہ اونتی ورما کا دارالحکومت بھی رہا ہے۔ امتداد زمانہ اور انقلاب حکومت کے ہاتھوں یہ بھی بے رونق و غیر آباد ہو گیا۔ بادشاہ نے جہاں اور ویرانے استخوانوں میں جان ڈالی۔ اس قریہ کی طرف بھی توجہ کی۔ چنانچہ یہاں اعلیٰ اور وسیع پیمانہ پر ایک باغ تعمیر کرایا۔ اس باغ کے عین وسط میں تعمیرات شاہی سے قریہ کی رونق دوبالا کر دی۔ میر سید حسن منطقی بیہقی کیلئے بھی باغ میں ایک مکان تعمیر کرایا۔ چنانچہ اسی باغ میں میر منطقی نے وفات پائی۔ اور یہیں مدفون ہوئے[1]

---

[1] سرینگر سے اسلام آباد کو جاتے ہوئے سڑک کے دائیں طرف مرتفع زمین پر یہ مزار معہ چند درختوں کے موجود ہے۔

Marfat.com

ساتواں باب

کشمیر کے سکّے اور اوزان

کوڑیوں کا رواج

زمانہ قدیم میں ہندوستان کے دیگر ممالک کی طرح کشمیر میں بھی کوڑیوں کا رواج سکوں کے طور پر چلا آیا ہے۔ پنڈت کلہن نے اپنی راج ترنگنی میں اور کشمندر اور جو نراج نے اپنی تاریخوں میں کوڑیوں کا ذکر کیا ہے۔ آج ہم کسی کی حیثیت پر حرف گیری کرنا چاہتے ہو تو کہتے ہو کہ وہ دو کوڑی کا آدمی بھی نہیں۔ لیکن غور کرو جب انہی کوڑیوں میں بادشاہ وقت زمینداروں سے مالیہ اور رعایا سے مختلف قسم کے ٹیکس وصول کیا کرتے تھے۔ اور یہی کوڑیاں وزراء امراء اور فوج کے سپاہیوں اور دیگر اہل کاروں کو تنخواہوں میں ملا کرتی تھیں۔ یہ قدرتی سکہ جو سمندروں اور دریاؤں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ آج انقلاب زمانہ کے ہاتھوں نہ صرف کشمیر سے بلکہ ہندوستان کے ہر حصہ سے نابود ہو رہا ہے[۱]

(حاشیہ صفحہ ۱۵۲ پر)

Marfat.com

کشمیر میں سب سے پہلا سکہ

بیان کیا جاتا ہے۔ کہ راجہ تورمان[1] (راجہ ہرنیہ کے بھائی) نے سب سے پہلے کشمیر میں سکہ رائج کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ ایک ٹکسال بنایا گیا۔ جہاں سکے مسکوک کئے گئے۔

تورمان سکہ کس قیمت پر چلتا تھا۔ اسکے متعلق کوئی صحیح واقفیت نہیں مل سکتی۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے۔ کہ تورمان کے بعد بھی تورمان سکہ عرصہ دراز تک مختلف راجاؤں کے زمانہ میں کشمیر میں رائج رہا۔ بلکہ سلطان زین العابدین بڈشاہ کے زمانہ اور اسکے بعد اسکے پوتے سلطان حسن شاہ کے زمانہ ۱۴۷۲ء لغایت ۱۴۸۴ء تک بھی اس سکہ کے کچھ نہ کچھ نشان ملتے رہے[2]۔

ل (حاشیہ صفحہ نمبر ۱۵۱) آج سے دو سال پیشتر (۱۱۴۸ھ کے مؤرخ خواجہ محمد اعظم دیدہ مری کاشمیری نے جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں ہوا ہے۔ اپنی تاریخ اعظمی میں کوڑیوں کے سکہ کے رواج کا ذکر کیا ہے۔ اور یہ تو بہت دور کی بات ہے۔ اب سے چند سال پیشتر راقم الحروف نے پنجاب اور کشمیر میں کوڑیوں کے سکہ کا رواج دیکھا ہے۔ ایک بلیسہ ۱۶ گنڈے ہوتے تھے۔ اور ہر گنڈہ میں ۴۴ کوڑیاں ہوتی تھیں۔

[1] راج ترنگنی حصہ اول صفحہ ۲۱۰۔ مصنفہ پنڈت کلہن مترجمہ انگریزی سٹین صاحب وارد ٹھاکر اچھر چند صاحب۔

[2] ضمیمہ نوٹ جلد دوم صفحہ ۱۳۰ راج ترنگنی۔

ہندو عہد قدیم کے سکے

اگر تو رمان سکہ تانبے کا تھا۔ تو اس کو تانبہ کی کان کہاں سے ملی۔ اس پر بھی پنڈت کلہن نے کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ راجہ جیاپیڈ[1] کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ جھیل مہاپدم (وُلر) کے ناگ کی ہدایت پر اس کو تانبہ کی جو کان ملی تھی وہ کرم راجیہ[2] کے پہاڑ میں تھی۔ اس سے جیاپیڈ کو اس قدر تانبہ ملا۔ جو ایک سو کروڑ دینار[3] مسکوک کرنے کے لئے کافی تھا۔

اس تانبہ کے سکے کی موجودگی میں کوڑیوں کا سکہ بھی جاری تھا۔ کشیمندر کی کتاب لوک پرکاش کی تصنیف نویں صدی عیسوی کے وسطی زمانہ کی ہے۔ اس کتاب کے دوسرے پرکاش میں تجارتی ٹھیکوں دستاویزوں اور سرکاری احکام وغیرہ کے متعدد کاغذات سنسکرت کے اُن حروف میں ملتے ہیں جو قدیم راجگان ہنود کے ایام اواخر میں اہل کاروں کی خط و کتابت میں پائے جاتے ہیں۔ اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکاری و غیر سرکاری حساب و کتاب اور لین دین میں کوڑیاں

---

[1] عہد حکومت سنہ ۷۶۴ء لغایت سنہ ۷۹۷ء

[2] کرم راجیہ کمراز یا کامراج کا نام ہے۔ جو کشمیر کا شمالی حصہ ہے۔ جس میں آج کل سوپور۔ بارہ مولا۔ علاقہ کھوئی ہامہ۔ زینہ گیر۔ علاقہ لولاب۔ علاقہ حمل۔ تریہہ گام غرض ساری تحصیل اوتر مچھی پورہ ہے۔

[3] بقول ابو الفضل ایک ہزار دینار ایک ماس یا ½ روپیہ یا دس دام کے برابر ہے۔ ایک کروڑ دینار کی قیمت ½۲ ہزار روپیہ دس کروڑ کی پچیس ہزار اور سو کروڑ دینار کی قیمت ½۲ لاکھ روپیہ کے برابر ہوتی ہے۔

Marfat.com

بھی مستعمل رہیں - اور تانبہ کا سکہ بھی -

سکوں کا وزن

البتہ سوائے تورمان سکہ کے جس کا وزن ۱۱۰ گرین تھا - باقی تمام راجگان کشمیر کے سکوں کا اوسط وزن ۹۱ گرین ہوتا تھا - ایک مرتبہ جب کشمیر کی سیاسی حالت نہایت اضطراب انگیز تھی تو کلہن کی راج ترنگنی اور بعد کی تاریخوں سے پایا جاتا ہے کہ راجہ ہرش[1] نے چاروں طرف سے مایوس ہوکر دیوتاؤں کی مورتیوں کو جو سب تانبے کی تھیں - اور جن کی کشمیر میں بہتات تھی - تڑواکر گلا ڈالا تھا - اس زمانہ میں سکہ کا وزن مالی مجبوریوں کی وجہ سے ضرور نسبتاً کم رکھا گیا ہوگا۔

یہ تمام سکہ جات صرف دارالخلافہ (سرینگر) میں ڈھالے جاتے تھے - اس کے سوا کسی اور مقام پر ٹکسال نہ تھی - ہندوؤں کے عہد میں بھی اور مسلمانوں کے زمانہ میں بھی کشمیر میں سب سے چھوٹا سکہ ۲۵ دینار کا تھا - اور تانبہ[2] کا تھا - اس سے کم وزن

---

[1] عہد حکومت ۱۰۸۹ء لغایت ۱۱۰۱ء ۔

[2] سری ور کی راج ترنگنی کے ترنگ ۳ شلوک ۲۱۴ میں پنج وشتہ یا ۲۵ کے سکہ کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے - وہ ایک تانبے کے سکہ کا تھا - حسن شاہ ۱۴۷۲ء لغایت ۱۴۸۴ء نے مالی مشکلات کے باعث کھوٹ ملا کر رائج کیا - +

(از ضمیمہ نوٹ ہائے راج ترنگنی صفحہ ۱۱)

Marfat.com

کا کوئی سکہ کشمیر میں (سوائے کوڑیوں کے) استعمال نہیں ہوا۔

سکوں کا تعلق لباس سے

پانچویں چھٹی صدی عیسوی کے کچھ قدیم کشمیری سکے دستیاب ہوئے ہیں جن سے اس زمانہ کے قدیم لباس پر روشنی پڑتی ہے۔ سکوں کے ایک طرف راجہ کی تصویر ہے۔ جس میں راجہ کھڑا ہوا ہے۔ اور اس نے ایک چھوٹا سا جامہ پہنا ہوا ہے۔ جو بتدریج ایک بہت بڑے دھگلے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ سکہ کی دوسری طرف ایک بیٹھی ہوئی دیوی کی مورت ہے۔ اور دونوں طرف سنسکرت یا سنسکرت نما زبان میں کچھ حروف بھی درج ہیں۔

کشمیر کے اسلامی سکوں کی عبارتیں

کنگھم کی تاریخ کے حوالہ سے مصنف "اسلامی کلچر ان کشمیر" لکھتے ہیں۔ کشمیر کے مروجہ سکوں کی قیمت مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت تک قریباً یکساں اور غیر متبدل ہی رہی البتہ جوں جوں مسلمان بادشاہوں کے پاؤں مضبوط ہوتے گئے۔ اور ان کا دائرہ حکومت وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ ان سکوں میں بھی بتدریج ترقی و اصلاح ہوتی گئی۔ چنانچہ اسلامی عہد حکومت میں، ان سکوں کی کیفیت اس طرح تھی۔

(۱) بعض سکہ جات پر سنہ دو طریقوں یعنی حروف و اعداد میں لکھا جاتا تھا۔ بعض پر صرف حروف ہی تھے۔

(۲) بعض سکوں پر سنہ عربی حروف میں ہے۔ بعض پر فارسی میں۔

(۳) سکہ جات پر اسلامی عہد کے قریباً یکسان ہیں۔ ان

Marfat.com

میں بہت کم فرق ہوتا ہے۔

(۴) ان کی شکل مربع ہے۔ اوران کی پشت پر "ضرب کشمیر درج ہے۔

(۵) بعض سکہ جات پر نائب خلیفۃ الرحمان بعض پر نائب امیرالمؤمنین بطور شاہی خطاب استعمال کیا گیا ہے۔

(۶) بعض سکوں پر منیرالدین اور نصیرالدین کے اعزازی خطابات بھی شامل ہیں آئے۔ بعض سکوں پر دارالضرب یعنی سرینگر کو "خطہ" اور بعض پر "شہر لکھا ہوا دیکھا گیا۔

(۷) ہندؤں اور مسلمانوں میں کشمیر کا سب سے پہلا بادشاہ زین العابدین ہے۔ جس نے تانبہ کے علاوہ طلائی ونقرئی سکہ جات بھی رائج کئے۔

(۸) کشمیری مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں نقرئی سکوں کا وزن ۹۱ سے ۹۶ گرین تک تھا۔ اور پیتل کے سکوں کا وزن اوسطاً ۸۲ گرین۔

کشمیر کے سرکاری عجائب خانہ میں مغل شہنشاہوں سلاطین کشمیر۔ اور افغان فرمانرواؤں کے عہد میں طلائی سکہ جات کا ایک ذخیرہ ہے۔ اکبر کے عہد میں طلائی ونقرئی سکوں نے خوشنما صورت اختیار کرلی تھی۔ اور یہ سب سکے کشمیر (سری نگر) ہی میں تیار کئے جاتے تھے۔ عہد جہانگیر کے سکہ جات مغلیہ عہد کے جملہ سکوں سے زیادہ خوبصورت تھے۔ اور ان میں سے بعض تو مصوری او صنعت گری کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

بادشاہی سکوں کی قیمت عہد اکبری میں

ذیل میں ایک جدول درج کیا جاتا ہے جس سے معلوم ہوگا کہ جو سکے زین العابدین سے پہلے زین العابدین کے عہد میں اور اس کے بعد کے زمانہ میں جاری رہے۔ ان کی قیمت ابوالفضل کی تحریر کے مطابق اکبر کے عہد میں کیا تھی۔ یہ سکے راجگان قدیم کے سکوں

کے نمونہ پر ہی تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہندو راجگان قدیم کے سکوں پر راجگان کی تصویریں یا دیوی دیوتاؤں کی تصاویر ہوتی تھیں۔ اور حروف سنسکرت یا سنسکرت نما ہوتے تھے۔ مسلمان بادشاہوں کے سکے عربی اور فارسی حروف میں ہوتے تھے۔ اور تصویروں کی بجائے ضرب کشمیر یا بادشاہ کا نام اور سنہ درج ہوتا تھا۔ جدول حسب ذیل ہے۔

نام کشمیری سکہ	دیناروں کی تعداد مالی قیمت کے اعتبار سے	عہد اکبری میں ان کی قیمت
دوادوش (باہ گنی)	۱۲	۱/۸ درم یا ۱/۳۲۰ روپیہ
پنج ونشک (پونتشو)	۲۵	۱/۴ دام یا ۱/۱۶۰ روپیہ
ہتھ	۱۰۰	ایک دام یا ۱/۴۰ روپیہ
سہسر (ساس)	۱۰۰۰	دس دام یا ۱/۴ روپیہ
لکش (لاکھ)	۱۰۰۰۰۰	۲۵ روپیہ
کوٹی (کروڑ)	۱۰۰۰۰۰۰۰	۲۵۰۰ روپیہ

ان کے علاوہ کوڑیوں کا سکہ حسب ذیل تھا۔

۸ کوڑی کی ایک باہ گنی یا ایک دوادوش۔ ۱۶ کوڑی یا دو باہ گنی یا دو دوادوش۔ ایک پونتشو یا ۲۵ دینار یا ایک پنج ونشک۔

ابوالفضل نے بعض اور قیمتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر ان میں کشمیری سکوں کا نام نہیں لکھا۔ دیناروں کی تعداد کے ساتھ عہد اکبری کی قیمت لکھ دی ہے۔ مثلاً۔

Marfat.com

دیناروں کی تعداد	نام کشمیری سکہ	عہد اکبری میں اسکی قیمت
۵۰۰	~~~~~~	۵ دام یا ⅛ روپیہ
۲۰۰۰	~~~~~~	۲۰ دام یا ½ روپیہ
۲۵۰۰	~~~~~~	۲۵ دام یا ۲۵/۴۰ روپیہ
۱۲۵۰۰	~~~~~~	دام یا ۳⅛ روپیہ

زین العابدین کا جدید سکہ

سلطان سکندر اور علیشاہ کے زمانہ میں جو چاندی اور سونا مندروں اور مورتیوں کو غارت کرکے جمع کیا جاتا تھا۔ اُسے ٹکسالوں میں مضروب کیا جاتا تھا۔ چونکہ یہ سکہ کم درجہ کا ہوتا تھا۔ اس لئے رائج الوقت سکوں کی کساد بازاری ہوگئی تھی۔

مورتیوں اور مندروں کا سونا ہلکی قسم کا تھا۔ یہ ایسا ہی سونا تھا جیسا اس زمانہ میں شادی بیاہ میں صرف ہوتا تھا۔ لڑکے والا لڑکی کو پانچ تولہ سونا یا اتنے وزن کی طلائی زیورات دیتا تھا۔ اور لڑکی والا اپنی لڑکی کو صرف ایک تولہ سونا دیا کرتا تھا۔ یہ رواج بڈشاہ سے پہلے بھی چلا آتا تھا۔ اس قسم کے سونے کو "گوری سُن" کہتے ہیں۔ اور اب بھی کہیں کہیں اس کا نام سُنا جاتا ہے۔ جسکا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سونا ہلکی قسم کا ہے۔

سلطان ان نقائص کو دور کرنے کی تدبیریں سوچا رہتا تھا۔ چونکہ اُسے ملک کی ترقی اور معدنیات کی تلاش کا خاص شوق تھا۔ آخر اس نے اپنی ذاتی تگ و دو اور کوہ نوزوی سے مس کی ایک کان تلاش[1]

---

[1] وجیز التواریخ غیر مطبوعہ مصنفہ ملا عبدالغنی کاشمیری یسال تصنیف سنہ ۱۲۸۲ھ؟

کی - پرانے سکے موقوف کر کے خالص دھات کا سکہ جاری کیا [1] اور پرانے ضرب کو موقوف کر دیا - طبقات اکبری میں بھی لکھا ہے - کہ جب زر کی کساد بازاری ہوگئی - تو اس نے حکم دیا کہ مس خالص پر جو اس کی اپنی کان سے پیدا ہوتا ہے - سکہ بنایا جائے - چنانچہ اس کے طویل عہد میں اسی پر عمل ہوتا رہا -

بڈشاہی دارالضرب

صراف کدل کے پاس جو بڈشاہ ہی کا تعمیر کردہ ہے - ایک محلہ ہے - اس کو ٹنکی سرائے کہتے ہیں مہاراج گنج اسی محلہ کے قرب وجوار میں ہے - اسی ٹنکی سرائے میں بڈشاہ کی دارالضرب [2] تھی - بلکہ دارالضرب ہی کی وجہ سے اس مقام کو ٹنکی سرائے کہتے تھے - یعنی ایسی سرائے جہاں ٹکے بنتے ہیں - چونکہ صراف کدل یہاں زر و نقرہ فروخت کرنے کے لئے بیٹھا کرتے تھے - اسی وجہ سے پل کا نام بھی صراف کدل ہوگیا -

بڈشاہی سکہ کی شکل و صورت

خالص چاندی کا بڈشاہی سکہ بہ شکل مربع ہے - اس کے ایک طرف بخط عربی السلطان بن سلطان بن زین العابدین درج ہے - اور پشت پر "ضرب خطہ کشمیر" کی عبارت مکتوب ہے [3] -

---

[1] بڈشاہی اس فلوسوں یعنی پیسوں کا وزن ایک پاؤ پختہ کے برابر تھا

[2] از احسن التواریخ (غیر مطبوعہ) مصنفہ مولوی عزیز الدین صاحب قاضی کشمیر مرحوم

[3] از احسن التواریخ غیر مطبوعہ مصنفہ قاضی مولوی عزیز الدین مفتی اعظم کشمیر المتوفی ۱۲ شوال سنہ ۱۳۱۲ھ

Marfat.com

بڈشاہی اوزان اور پیمانے

سلطان نے دیکھا کہ اس کی مملکت میں گز۔ جریب اور پیمانے اور اوزان پوری مقدار کے نہیں ہوتے۔ گزوں اور پیمانوں کی کمی سے عوام کو نقصان ہوتا ہے۔ اور جریب کی کمی سے زمیندار خسارہ میں رہتے ہیں۔ اس نے زمین داروں کے پاس خاطر سے جن کی ہمدردی سے اس کا دل ہمیشہ لبریز رہتا تھا۔ اور جن کو وہ اصلی معنوں میں ملک کی ریڑھ کی ہڈی تصور کرتا تھا۔ جریب کو مروجہ جریب سے زیادہ بڑھا دیا۔ گز اور پیمانے اور اوزان پوری مقدار کے رائج کئے۔ آئین اکبری میں بڈشاہی عہد کے اور مابعد کے اوزان و پیمانہ جات کی مندرجہ ذیل کیفیت درج ہے۔

یک تولہ - ۱۶ ماشہ یا ۹۶ رتی (ایک ماشہ چھ رتی کے مساوی) اوزان حسب ذیل تھے۔

۱/۲ ۷ پال = ۱ سیر۔ ۲ سیر = ۱/۴ من = ۴ سیر۔ یک ترک ۱۶ ترک = یک خروار۔

خروار اس کا نام اس لئے رکھا گیا۔ کہ یہ وزن گدھے کے بوجھ کے برابر ہے۔ ایک گھوڑے کا بوجھ ۲۲ ترک قرار دیا گیا۔ قریباً یہی اوزان اور پیمانے اکبر کے عہد میں بھی جاری تھے۔

موجودہ زمانے میں ایک ترک پانچ سیر ۳ چھٹانگ کے برابر اور ایک خروار دو من پانچ سیر ۳ چھٹانگ کے مساوی ہے۔

Marfat.com

آٹھواں باب

آبپاشی اجرائے انہار اور سڑکیں

لال کوھل ۔ شاہ کوھل ۔ شاہ کوھل اور ڈوگرہ حکومت ۔ نالہ مار یا مہا سرت ندی یھر زین گنگا ۔ بڈشاھی سڑکیں ۔

بڈشاہ کی زرعی دلچسپیاں

سلطان کو تعمیر عمارات ۔ فلاح زراعت اور احداث انہار کا شوق نہیں بلکہ عشق تھا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ چند اہل کاروں کے سوا میرے ملک کی آبادی و خوشحالی کا حقیقی باعث وہی فرقہ ہے جو امیر و غریب سے لے کر بادشاہ تک کو اناج پیدا کر کے دیتا ہے ۔ زمینداروں کی بہبود کا اس کو اس قدر خیال تھا کہ ایک قانون کے ذریعہ اس نے مالیہ وصول کرنے والے افسروں کو زمینداروں سے کسی قسم

Marfat.com

کا نذرانہ قبول کرنے کی سخت ممانعت کر رکھی تھی۔ اور چونکہ بادشاہ خود بھی اس حکم کی تعمیل کی نگرانی رکھتا تھا اور زمینداروں سے بھی ملاقات رہتا۔ اور ان سے ان کی شکایات سنا کرتا تھا۔ اس لئے دیہاتی اور کسان لوگ حکام مال کی تعدیوں سے نہایت محفوظ ہو گئے[1]

غرض رعایا بالخصوص زمینداروں کی فارغ البالی کو ترقی دینے میں جو دلچسپی اس نے لی۔ کشمیر کے کسی بادشاہ کو اس کی توفیق نہ ہو سکی، چنانچہ صاحب طبقات اکبری[2] بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"دور تعمیر ولایت و تکثیر زراعت کردن چو بیا توفیق کہ او یافت ہیچ کس از حکام کشمیر را دست نداده بود" ؎

ز ہر کس نہ آید این کز ابر رحمت

نہال عہد را سرسبز دارد

بڈشاہ سے پہلے کشمیر کے مشہور انجینیر سویہ بانی سوپور نے آبپاشی کے اہم کام میں دلچسپی لی ہے۔ لیکن بڈشاہ کا انتظام اس کے بادشاہ ہونے کی وجہ سے بہت اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔ سلاطین بھی زین العابدین کے طویل و پُرامن عہد میں آبپاشی کے جو اہم کام سرانجام ہوئے ہیں۔ ان کی تعریف کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے۔ جو تراج اور دیگری ور کی تاریخوں میں اس سلطان کے عہد کی تعمیر شدہ نہروں کی طویل طویل فہرست مل گئی ہے۔ لیکن ان میں چند ایک خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ہم سب کا تھوڑا ذکر بتا ریخوں کی ورق گردانی سے معلوم ہو سکا ہے۔ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔

---

[1] اسلامک کلچر ان کشمیر مصنفہ خواجہ غلام محی الدین صوفی صفحہ ۲۶۷

[2] ″ ″ ″ ″ ″ ″ ″ ۲۰۱

Marfat.com

لالہ کوہل نالہ پہرو۔ لولاب[1] کے خوشگوار اور سرسبز و شاداب پہاڑوں سے نکلتا ہے۔ اور قریباً چالیس میل کی مسافت طے کر کے دوآبگاہ (متصل سوپور) کے پاس دریائے جہلم میں جا ملتا ہے۔ بڈشاہ نے زمینہ گیر کی آبادی کے لئے بینہ گام پہرو کے پاس اس نالہ

لہ وادی لولاب میں جو کپوارہ سے چندی گام تک چودہ میل لمبی ہے۔ اس نالہ کا نام گنڈ اچھر ہے۔ وادی کے اور بہت سے نالے اسمیں ملتے ہیں۔ آمون کا نالہ جو ورنو کی طرف سے آتا ہے۔ مقام گنگا بگ کے نزدیک اس میں آملتا ہے۔ دوسرا نالہ کلاروچ ہے۔ جو کمبریال کے متصل آکر شامل ہو جاتا ہے۔ گنڈا چھر نالہ آمون اور نالہ کلاروچ کا پانی لے کر وادی کے اکثر مواضعات کو سیراب کرتا ہوا جب وادی سے باہر قدم رکھتا اور کپوارہ کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو اس کا نام پہرو ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر اسکے ساتھ ایک اور نالہ کیمل نام جو کاطان سے آتا ہے۔ تریگام کو سیراب کرتا ہوا اسمیں آملتا ہے۔

سے لولاب کشمیر کی مشہور اور زرخیز وادیوں میں سے ہے۔ اس کے اندر قدرت نے کئی اور چھوٹی چھوٹی وادیاں "دامن دل" کے کشش کے لئے بنا رکھی ہے۔ سب سے پہلے یکم اگست ۱۹۲۸ء کو اس وادی میں داخل ہوا۔ اور اسکے آخری مقام تک پہونچا۔ یہ وادی ایک سو پچیس میل مربع ہے۔ اسمیں ۷۷ دیہات اور ۱۸۲۲۵ نفوس آباد ہیں۔ ۱۷۹۸۶۸ ایکڑ اس میں جنگل کا رقبہ ہے۔ جس کی سالانہ آمدنی چار پانچ لاکھ کے قریب ہے۔

Marfat.com

پر پتھروں کا ایک مضبوط بند بنایا۔ اور ایک نہر نکالی ۔ جس کی بڑی شاخ تو دامن کوہ کے۔ تمام مواضعات زولکہ ۔ باروَن ۔ لیٹ شارٹ ۔ نو پورہ تجر ۔ زینہ پورہ ۔ بجے ۔ گوری پورہ ۔ سم پور ۔ ڈور اور دار پورہ وغیرہ کو سیراب کرتی تھی ۔ اور جس کی دیگر شاخوں کا تمام زینہ گیر میں جو

بقیہ حاشیہ صفحہ نمبر ۱۶۳

مالیہ ۷۰ ہزار کے قریب ہے ۔ اس میں مشہور گاؤں لعل پور ۔ ورنو اور سوگام ہیں ۔ لعل پور میں مدرسہ ڈاکخانہ اور پولیس چوکی ہے۔ ورنو ہندوستان کے برگزیدہ عالم شیخ الحدیث مولانا محمد انور شاہ صاحب کاشمیری سابق مدرس دیوبند کا وطن ہونے کی وجہ سے بہت مشہور ہے ۔ سوگام میں ڈسپنسری اور رینج کوارٹرد ہیں ۔ اس وادی میں آبادی سب مسلمانوں ہی کی ہے ۔ پنڈتوں کی تعداد ان ۷۷ دیہات میں شاید سو سے بھی زیادہ نہیں ہے۔ ورنو سے اوپر ایک میل کے فاصلہ پر ہندو زمانہ قدیم کی بہت سی مورتیاں ملتی ہیں ۔ لولاب کی تمام چھوٹی بڑی وادیوں میں محکمۂ جنگلات والوں نے سڑکیں بنا کر جنگل میں منگل بنا رکھا ہے ۔ چنانچہ لولاب میں موٹریں گھومتی پھرتی ہیں ۔ یہ جگہ سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ بلند ہے ۔ یہاں کی زیادہ پیداوار شالی اور مکی ہے ۔ شکاران جنگلوں میں بہت ملتا ہے ۔ مدارس کی تعداد وہ بھی پرائمری اٹھارہ ہزار سے زیادہ آدمیوں کی آبادی میں صرف چھ ہے ۔ لولاب سنسکرت نام لولا اور کشمیری نام لولو اور عام طور پر لولاب بولا جاتا ہے ۔ اور کاغذات میں بھی لولاب

Marfat.com

زین العابدین کا اپنا آباد کردہ علاقہ تھا۔ جال پھیلا ہوا تھا۔
علاوہ دیگر مؤرخین کے کشمیر کے آخری نامور مؤرخ پیرزادہ حسن شاہ
بھی اپنی تاریخ میں پہرو اور نالہ پہرو کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "نالہ پہرو
کہ درمیان درۂ کامراج می گذرد منبع آن کوہستان وچشمہ سار لولاب
است۔ بڈشاہ درعہد خود نالہ پہرو را من مقام پہروؔ از مجرای خود مسدود
کردہ۔ آب آن فیض بخش پرگنہ زینہ گیر ساختہ"۔

یہ نہر اپنی شاخوں کے علاوہ چودہ پندرہ میل تک لمبی تھی۔ اس نے زینہ گیر
کو جو رونق دی۔ اس کا ذکر زینہ گیر کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے۔
نہر کے تعمیر ہونے پر کئی شعراء نے بادشاہ کی خوشنودیٔ مزاج کے
لئے نظمیں لکھیں۔ قصائد لکھے۔ قطعات تاریخ قلمبند کئے۔ بادشاہ علم
وفضل کا قدر دان تھا۔ اسکے دربار میں کئی شاعر موجود تھے۔ ظاہر ہے کہ
اس نے کئی شعراء پر اعلیٰ قدر مراتب نوازش شاہانہ کی بر کھا کی ہوگی۔
لیکن تاریخوں میں جس قطعہ تاریخ کا ذکر آیا ہے۔ وہ صرف ایک ہی
شعر ہے۔ اور تعجب بلکہ افسوس ہے کہ تاریخ گو شاعر کا نام تک بھی کسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ہی لکھا جاتا ہے۔ یہ علاقہ راجہ لور ۴۲۳ شمہ ق م
(لوایت مسنہ ۱۹۸۲ ق م) کا آباد کردہ ہے۔ جیسا کہ تاریخ حسن میں
صفحہ ۱۳۰ پر لکھا ہے۔ "پتہ لولاب درہ است سرحد شمالی کشمیر کہ از
چارسو کوہستان دارد۔ راجہ لو آباد کردہ است۔

لے پہرو اور زینہ گام بالکل آس پاس ہیں۔ اور سڑک ہندواڑہ پر جاتے
ہوئے۔ جہاں سکھو باندھا گیا ہے۔ وہاں نالہ سے پار اب بھی یہ
دونوں مواضعات موجود اور آباد ہیں۔

Marfat.com

تاریخ میں نظر سے نہیں گذرا۔ شعر حسب ذیل ہے ؎

چو شد تعمیر آں جوئے گرامی ۔۔۔ خرد تاریخ گفتہ جوئے خورم[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ نہر ۸۵۹ھ میں تیار کی گئی تھی ۔

قریباً پانچ سو سال گذر جانے کے باوجود بھی اس قدیم نہر کے آثار سمبل، بودبیے۔ ڈورا اور تجر کے متصل نظر آتے ہیں۔ جو سڑک سوپور سے ہندواڑہ کو جاتی ہے۔ وہ دسویں میل پر اسی قدیم چشمہ فیض یا "جوئے خورم" کے سینہ بے کینہ کو روندتی اور پامال کرتی ہوئی گذر جاتی ہے۔

فوق بار بار کشمیر آیا۔ اور بارہا اس نے "جوئے خورم" کے پانی کی روح پر فتوح پر دعائے خیر کے پھول نچھاور کئے۔ لیکن بند (ستھو) کے آثار سب سے پہلی مرتبہ اس نے ۱۹۲۲ء میں دیکھے۔ جو سڑک سے ذرا نیچے بائیں ہاتھ کی طرف اور باغ وزیر سوہبارام کے عقب میں ہے۔ ستھو کے بہت سے پتھر زمینداروں نے اپنے کھیتوں کے گرد باڑ کے طور پر لگا دئے ہیں ۔ تاہم ستھو کا بہت سا حصہ اپنی گذشتہ شاندار تاریخ کے دریدہ و بوسیدہ اوراق کے ذریعہ دیدۂ عبرت کو اب بھی اپنی اصلی جگہ پر پہاڑ کی مضبوط چٹان کی طرح نظر آرہا ہے ۔

جہاں سے وزیر سوہبارام کا باغ شروع ہوتا ہے۔ وہاں ایک پرانا کھوکھلا سڑا چنار کھڑا ہے۔ جو صورت بہ بیں حالم مپرس کے مطابق ہے۔ اس کے نیچے ایک ٹوٹا ہوا کالے رنگ کا پتھر پڑا ہے۔ کہا جاتا ہے۔ کہ یہ چنار اور پتھر دونوں بڈشاہ کے زمانہ کے ہیں۔ پتھر کے متعلق تو یہ مشہور ہے۔ کہ جب احداث نہر کے ایام میں بڈشاہ یہاں آیا کرتا تھا۔ تو اسی

---

[1] از مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم ۔ مصنفہ راقم الحروف ۔

Marfat.com

پتھر پر نماز پڑھا کرتا تھا۔ اس چنار اور سنگین جاء نماز کے پاس ہی ایک قدیم قبرستان کے آثار نظر آتے ہیں۔ متصلہ باغ کا بہت سا حصہ بے چین دنیا کے رہنے والوں نے اسی خاموش آبادی کے زیں بسیروں کو کھود کھود کر حاصل کیا۔ اب بھی باغ کے اندر اور اس کے دائیں جانب بہت سی قدیم قبروں کے نشان ملتے ہیں۔ بلکہ قبروں کے ساتھ جو زمین زیر کاشت ہے۔ اور جہاں آج ہل چلائے جا رہے ہیں۔ وہاں بھی راقم الحروف نے آج سے کئی سال پیشتر شکستہ قبریں دیکھی تھیں۔ ایک پیر مرد سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا۔ کہ بزمانہ بڈشاہی دامن کوہ میں ایک بہت بڑا شہر آباد تھا۔ اس برباد شہر کے لوگوں کو فرشتہ اجل نے تھپک تھپک کے یہاں سلا رکھا ہے

شاہ کوہل

مشہور ہے کہ کریوہ مارتنڈ کی بنجر اور غیر آباد سطح مرتفع کو سب سے پہلے بڈشاہ نے "شاہ کوہل" کے اجراء سے آباد کیا تھا۔ لیکن جب ہم تاریخوں کی ورق گردانی کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے۔ کہ بڈشاہ سے بہت عرصہ پیشتر کشمیر کے مشہور اور نامور راجہ للتادتیہ (۱۵ء لغایت ۵۲ء) نے اس کریوہ پر اپنا شاندار مندر مارتنڈ تعمیر کرایا تھا۔ اور اس مندر کی آبادی اور رونق کیلئے اس نے دریائے لدر کے اس مقام سے جہاں موضع گنیش پور آباد ہے۔ اور جو کریوہ مارتنڈ سے ۱۲ میل کے فاصلہ پر نہایت بلند پہاڑ پر واقع ہے۔ ایک نہر جاری کی تھی۔

اس نہر سے کئی گاؤں سیراب ہوتے تھے۔ پنڈت کلہن پیر حباہٹ اور جنک۔ جو ہند و عہد قدیم کے نامور مورخ تھے۔ مارتنڈ کے میدان پر انگوروں کے باغ کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہمیشہ

Marfat.com

ہوتا ہے۔ اور ہوتا رہے گا۔ راجہ مذکور کے جانشینوں کے زمانہ میں ان کی عدم توجہی اور لاپرواہی کی وجہ سے ایک وقت ایسا آیا۔ کہ نہر بند ہو گئی۔ پانی کی بجائے اس میں مٹی اور پتھر نظر آنے لگے۔ مندر بھی ویران اور اجاڑ ہو گیا۔ کریوہ پر جو مکان آباد تھے۔ وہ خاک کا پیوند ہو گئے۔ لیکن اِدھر اُدھر جا کر کسی اور جگہ کاشت کرنے لگے۔

راجہ للتادتیہ کے قریباً سات سو سال کے بعد جب بڈشاہ کا زمانہ آیا۔ تو ملک کے سوئے ہوئے نصیب جاگ اُٹھے۔ خشک اور اجاڑ اراضیات پہاڑوں اور جنگلوں کو چیر کر آباد کی گئیں۔ زینہ گیر کے لئے اگر اس کا وجود بارش کرم بن کے آیا تو کریوہ مٹن کیلئے وہ ابر رحمت ثابت ہوا۔

ہزارہا مزدور نہر کی کھدائی پر لگا دیئے گئے۔ بادشاہ کی طرف سے مزدوری بھی دی جاتی تھی۔ جو اس زمانہ میں شاید تین چار پیسہ روزانہ سے زیادہ نہ تھی۔ تاہم سرکاری اہل کار جو نہر کی کھدائی پر مامور تھے۔ کبھی کبھی لوگوں کو بیگار میں بھی پکڑ لیا کرتے تھے۔

بابا زین الدین حضرت شیخ نورالدین ولیؒ کے مرید تھے۔ اور اپنے خلوص خدمت کی وجہ سے بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ ایک دن انہوں نے اپنے کسی خادم کو کسی کام کے لئے کہیں بھیجا۔ جب وہ اس مقام پر پہنچا۔ جہاں بڈشاہ کے اہل کار نتاہ جو یعنی شاہی نہر کی کھدائی کا کام کر رہے تھے۔ تو انہوں نے خادم مذکور کو بزور جبر بیگار میں پکڑ لیا۔ جب چند دنوں کے بعد اسے جبری خدمت سے نجات ملی۔ تو وہ حضرت بابا صاحب کی خدمت میں آیا۔ اور تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت یہ واقعہ سن کر ملول خاطر ہوئے۔ غضب ناک ہو کر اپنے عصا کو دریائے لدر میں جسکا پانی نہر شاہی میں

Marfat.com

جانے والا تھا۔ زور سے گاڑ دیا۔ اور کلاہ مبارک کو سر پر لیٹا کر دیا۔ اُدھر یہ ہوا۔ اِدھر دریا کا پانی کم ہو کر خشک ہونا شروع ہوا۔ آخر یہ خبر بادشاہ کو بھی پہونچی۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سرکاری آدمیوں نے حضرت بابا صاحب کے ایک خادم کو بیگار میں پکڑ کر اس سے زبردستی کام لیا تھا۔ بادشاہ ایک جمعیت بزرگان کے ساتھ حضرت کی خدمت میں گیا۔ اور عذر تقصیر کیا۔ اور اپنے آدمیوں کو نہ صرف حضرت کے خدام بلکہ کسی آدمی کو بھی بیگار میں پکڑنے سے منع کر دیا۔ حضرت نے بادشاہ کی معذرت قبول فرمائی۔ عصا دریا سے باہر نکالا۔ اور کلاہ کو سر پر سیدھا کیا۔ اور پانی دریا کا اسی طرح جاری ہو گیا۔ جس طرح پہلے تھا۔[1]

بادشاہ چونکہ ایک عجیب طبیعت لے کے آیا تھا۔ وہ جس طرح جوگیوں اور سادھوؤں کا عقیدتمند تھا اسی طرح مسلمان درویشوں اور صوفی منش بزرگوں کی خاک پا کو طوطیا ئے چشم تصور کرتا تھا۔ حضرت بابا صاحب ضرور خفا ہوئے ہونگے۔ اور سلطان نے فرط مسرت سے ضرور معذرت کی ہوگی۔ بلکہ بیگار کے اس جبری واقعہ میں قدرت نے یہ حکمت بھی پوشیدہ رکھی تھی۔ کہ بادشاہ سے اس واقعہ بیگار کے بعد بیگار کی ممانعت کے احکام جاری کرا دیئے تھے۔ جس سے سینکڑوں اور ہزاروں لوگوں کو اس جبری خدمت سے نجات مل گئی۔

باقی رہا قصہ عصا کے دریا میں گاڑے جانے سے دریا کے پانی کا خشک ہو جانے کا۔ اسکو عقیدتمندوں کے حسن ارادت پر محمول

---

[1] تواریخ خوارق السالکین قلمی و غیر مطبوعہ سال تصنیف ۱۱۰۵ھ۔ صفحہ ۹۳

کرو (بزرگانِ دین کی روحانی طاقتوں سے اپنی لاعلمی کا ظہور کرو۔ بابا صاحب کی عظمت و بزرگی میں اس سے کوئی کمی یا کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا

شری ور نے اپنی راج ترنگنی میں بڈشاہ کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ کہ نہر کے اجراء اور اس کی خوش انتظامی کی وجہ سے انگوروں کے باغات اس کریوہ پر بکثرت تھے۔ اور وہ اپنی شیرینی اور موٹائی کی وجہ سے دور دور تک مشہور تھے[۲]

۱۔ جغرافیہ قدیم کشمیر۔ صفحہ ۱۷۲ ضمیمہ راج ترنگنی۔

۲۔ اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں بھی مارتنڈ کا انگور بہت مشہور رہا ہے۔ اس زمانہ میں ایک دام یا ۱/۲ پیسہ کے ۸ سیر خام یا چار سیر پختہ انگور آتے تھے۔ کشمیر سے دہلی تک ایک ڈالی لے جانے کی مزدوری دو روپے تھے۔ اس زمانہ میں بھی اسی قسم کی اور اتنی ہی بڑی ڈالیاں ہوا کرتی تھیں۔ جیسی آج نظر آ رہی ہیں۔ کشمیر سے لاہور اور لاہور سے دہلی تک کی مسافت کا اندازہ کرو اور پھر یہ بھی خیال کرو۔ کہ اس زمانے میں رستے کس قدر ناہموار تھے۔ اور پھر دو روپے اجرت پر بھی نظر ڈالو۔ لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اس زمانہ میں دو روپے کی قریباً ۸ من اکبری شالی آتی تھی۔ اس زمانہ کا من موجودہ من سے نصف ہوتا تھا۔ کشمیر سے دہلی تک کی مسافت پاپیادہ ۲۴-۲۵ یوم بلکہ ایک ماہ سے کم غریباً طے نہ ہوتی تھی۔

Marfat.com

شاہ کوہل اور حکومت ڈوگرہ

کریوہ مارتنڈ پر یہ نہر مواضعات رنبیر پورہ۔ رامپورہ۔ گوپال پورہ۔ امرگڑھ۔ سنگھ پورہ اور دیوی پورہ کے دیہات کو سیراب کرتی ہے۔ سنہ ۱۹۲۴ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اس کریوہ کو از سر نو آباد کیا۔ یہاں پٹھان۔ پنجابی اور ڈوگرے آباد ہیں۔ جن کا اکثر حصہ فوجوں سے آیا ہوا ہے۔ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ان سب کو ½ مالیہ معاف کر دیا۔ جن کا اب تک اب تک بھی بدستور ہے۔

سنہ ۱۹۳۹ ب لغایت سنہ ۱۹۴۰ ب میں معرفت وزیر پنون مہاراجہ موصوف نے شاہی نہر کی تعمیر شروع کی۔ لیکن پانی موضع سالیہ سے نیچے نہ اتر سکا۔ بعد مہاراجہ پرتاب سنگھ سنہ ۱۹۵۵ ب میں پھر اس کریوہ کی سرسبزی کے لئے کوشش کی گئی۔ اور سنہ ۱۹۶۰ ب میں بہت سی لاگت اور بے حد جانفشانیوں کے بعد آخر پانی رنبیر پورہ تک آگیا۔ پہلے اور دوسرے سال لوگوں کو آبیانہ معاف کر دیا گیا۔ سنہ ۱۹۶۲،۶۳ ب میں ½ حصہ اور سنہ ۱۹۶۴ ب میں آبیانہ سالم لیا جانے لگا۔

تقسیم آب کے لئے اس نہر پر ڈویژنل انجینیر کے علاوہ ایک ضلعدار ایک امین تین پٹواری اور ایک چپراسی مقرر تھا۔

نالہ ماریا مہاسرت ندی

مہاسرت ایک ندی ہے۔ جو ڈل کے چشمہ سے سیراب ہوتی ہوئی دار الخلافہ کے ساتھ آملتی ہے۔ اسکا ذکر کشمیر کی قدیم روایتوں کے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے۔ مہاسرت کا انقبال وتشتہ (جہلم) کے ساتھ جس مقام پر ہوتا ہے۔ وہ شاہی محل شیرگڈھی کے عین مقابل ہے۔ یہ جگہ زمانہ قدیم ہی سے ایک مشہور تیرتھ چلی آتی ہے۔ سکھوں کے زمانہ میں یہاں بسنت باغ تھا۔

Marfat.com

قدیم ہندو مؤرخوں نے اس سنگم (اتصال) کا نام "مہاسرود وتشتہ سنگم" اور شری ور پنڈت نے اس کا خلاصہ کر کے "ماری سنگم" لکھا ہے۔ یہی لفظ شک اور پرجا بھٹ نے بھی استعمال کیا ہے۔ مہاسرت سے ماری اور ماری سے مار مشہور ہو گیا۔ اور اب یہ نالہ اسی نام سے نامزد ہے۔

یہاں تک تو سلین صاحب کی تحقیقات کا نتیجہ تھا۔ اب مسلمان مؤرخین نے جو کیفیت نالہ مار اور مار کی وجہ تسمیہ میں لکھی ہے۔ وہ بھی درج کی جاتی ہے۔ شیخ عبدالوہاب نوری گنائی اپنی کتاب فتحیات کبرویہ میں لکھتے ہیں۔" زمانہ سابق میں تالاب ڈل کا پانی برارہ منبل[1] کی راہ سے محلہ علاؤالدین پورہ[2] سے ہو کر گزرتا تھا۔ بادشاہ نے غور کرنے کے بعد اس پانی سے فائدہ اٹھانے کی دو تجویزیں سوچیں۔ ایک تو یہ کہ

---

[1] منبل کشمیری لفظ ہے۔ اور اس قطعہ زمین کا نام ہے جو نمناک اور آب خیز یعنی دلدل کی قسم کی ہو۔ یا ایسا قطعہ زمین جس میں تقریباً دو حصہ پانی اور ایک حصہ مٹی ہو۔ کشمیر کے منبلوں میں سے برارہ منبل اس لحاظ سے کہ نفس شہر کے شمالی حصہ میں موجود ہے۔ نہایت آباد مزروع اور زرخیز ہے۔ یہاں سفیدہ اور بید کے درخت بکثرت ہیں۔

[2] تعمیر کردہ سلطان علاؤالدین والئی کشمیر (عہد حکومت ۱۳۴۷ء لغایت ۱۳۶۰ء) یہ ایک وسیع احاطہ کا نام ہے۔ جس میں حسب ذیل محلہ جات ہیں۔ خانقاہ معلی۔ دکان سنگین۔ مزیرستان۔ ملک آنگن۔ شاہی تعمیرات اب نابود ہیں۔ البتہ ملک آنگن میں قبرستان کا ایک احاطہ مشہور ہے۔ کہ وہاں علاؤالدین کا مزار ہے۔

Marfat.com

اس سے پرگنہ اچھن[1] کو آباد و سرسبز کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ عیدگاہ تک کسی طرح یہ پانی پہونچایا جائے۔ تاکہ لوگوں کو وضو وغیرہ کے لئے تکلیف نہ ہو۔ لیکن یہ دونوں تجاویز بظاہر بہ خوش اسلوبی طے ہوتی نظر نہ آتی تھیں۔

آخر بادشاہ نے ایک شب خواب میں دیکھا۔ کہ ایک سانپ نکلا ہے۔ اور وہ دوڑتا جاتا ہے۔ اور پانی کا رستہ دکھاتا جاتا ہے۔ چونکہ بادشاہ کو صفائے باطن کا درجہ بھی حاصل تھا۔ اس نے یہی واقعہ بعد میں عالم بیداری میں مشاہدہ کیا۔ دیکھا کہ ایک سانپ نکلا ہے۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں۔ اور وہ بھاگا جا رہا ہے۔ اور کسی کے قابو نہیں آتا۔ یہاں تک کہ میدان عیدگاہ تک پہنچا۔ وہاں سے ہوتا ہوا اچھن میں جاکر غائب ہوگیا۔ یہ واقعہ نالہ کی تیاری کے لئے ایک اشارہ تھا۔ چنانچہ سلطان نے اسی رستہ پر کھدائی شروع کرائی۔ اور چونکہ سانپ کو فارسی میں مار کہتے ہیں۔ اس لئے اس آبجو کا نام نالہ مار مشہور ہوگیا۔ دیگر تمام مسلمان مؤرخین نے بھی نالہ مار کی وجہ تسمیہ میں قریباً یہی الفاظ دھرائے ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ہندو عہد قدیم کا اس نالہ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ لیکن جیسا کہ سٹین صاحب کے حوالہ سے لکھا جاچکا ہے۔ عہد قدیم میں مہاسرت نالہ موجود تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ نالہ کریوہ مارتنڈ کی نہر کی طرح مٹ گیا ہو۔ یا بہت چھوٹا ہو۔ اور بعد میں زین العابدین نے اسی نالہ کو از سر نو جاری کیا ہو۔ جیسا کہ شری درپنڈت کی راج ترنگنی

---

[1] سری نگر کے غربی حصہ میں تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ اور عیدگاہ تک پھیلا ہوا ہے۔ مثل سنگم کی زراعت جو شامل پرگنہ اچھن ہے بلحاظ ملائمیت و لطافت مشہور ہے۔

Marfat.com

کے شلوک ۳۴۳ کے حوالہ سے جغرافیہ قدیم کشمیر میں لکھتا ہے کہ "مغرب کی طرف نالہ مار کی جو توسیع ہے - وہ زمانہ مابعد کی ہے - سلطان زین العابدین نے اس کو کشتی رانی کے قابل بنا دیا تھا۔"

یہ نالہ شہر کی اندرونی آمد و رفت کے لئے بڑی اہمیت رکھتا ہے - اس نے ڈل تک پہونچنے کیلئے ایک آسان گذار شاہراہ تیار کردی ہے - اس کے ذریعہ ڈل کی تمام پیداوار دوسرے مقامات خصوصاً شہر (سرینگر) کے ہر گلی کوچہ تک بہ آسانی پہونچ رہی ہے۔

مکمل تاریخ کشمیر میں اس نالہ کی کھدائی کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے - کہ جھیل ڈل کا پانی بڈشاہ کے زمانہ میں حبہ کدل کے مقام پر دریائے جہلم میں ملتا تھا - بادشاہ نے مٹی اور پتھر ڈلوا کر اس جگہ کو بند کرا دیا - اور جھیل کا پانی باہر نکالنے کیلئے نالہ مار تیار کیا - جس سے پرگنہ اچھن کی زراعت اور آبادی کو بھی بے شمار فوائد پہونچے - بادشاہ نے آمد و رفت کے لئے اس نالہ پر سات پل بھی تیار کرائے گئے ؎

؎ مصنف تاریخ حسن صفحہ ۱۷۶ پر لکھتا ہے "در سلف زمان آب تالاب (ڈل) قرین حبہ کدل با دریائے بہت پیوستہ می رفت - بڈشاہ آنجا مسدود و ساختہ نالہ مار درون شہر حفر کردہ آب ڈل بزراعت پرگنہ اچھن جاری ساخت -

نشتہ اس نالہ پر چودہ پل تھے - جن میں سات قدیم تھے - اور سات زمانہ مابعد کے - (۱) پل ناٹد یار (۲) پل جوگی لنگر (۳) پل ناوپورہ (۴) پل ناشید کدل (۵) بہوری کدل (۶) صراف کدل (۷) کاوی کدل (۸) راجویری کدل (۹) پل کاوڈراہ (۱۰) ڈونبہ کدل -

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

اس نالہ سے تین چار شاخیں بھی نکالی گئیں۔ مثلاً کاوڈارہ۔ بارہ پل دولت کل۔ اس نالہ کا دور ۲½ میل تک بتایا جاتا ہے۔ میدان عیدگاہ کی عالیشان مسجد جو آج اپنی بے سرد سامانیوں کی وجہ سے کشمیر اور سرینگر خاص کے مسلمانوں کے احساس ملی پر نوحہ کناں اور اپنے بانی کے جانشین فرماں رواکی چشم خسروانہ اور امداد شاہانہ کی منتظر و محتاج ہے۔ بڈشاہ کے بھائی علیشاہ بادشاہ کشمیر کے تعمیر کرائی تھی۔ اور نام اس کا عالی مسجد

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) (۱۱) پل سکہ ڈافر (۱۲) پل رتہ پور (۱۳) گاوکدل (۱۴) پل گندر پور۔ سات سنگین پلوں کی تصدیق وجیز التواریخ غیر مطبوعہ مصنفہ ملا عبدالنبی ۱۲۷۴ھ سنہ سے بھی ہوتی ہے۔

ے ۱۹۲۷ء میں راقم الحروف نے اس مسجد اور عیدگاہ کو دیکھا عیدگاہ کا میدان بہت وسیع ہے۔ اور قدرت نے جو مخملی فرش (سبز گھاس کا) اس پر بچھا رکھا ہے۔ اس نے اس کی سادگی کو بہت دلفریب بنا دیا ہے۔ مسجد بہت وسیع فراخ اور بلند و بالا ہے۔ لیکن بہت شکستہ حالت میں ہے۔ فرش اکھڑا ہوا ہے۔ بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فرش کبھی تھا ہی نہیں۔ بارش میں پانی ٹپکتا رہتا ہے مسجد کے پاس ہی دائیں طرف سیاہ پتھر کی سیڑھیاں وضو کے لئے بنوائی تھیں۔ جو مٹی سے ڈھکی ہوئی اور پانی میں چھپی ہوئی ہیں۔ پانی میں لمبی لمبی گھاس اگی ہوئی ہے۔

Marfat.com

رکھا تھا - یہاں پانی کی بڑی کمیابی تھی - بادشاہ نے پرگنہ اچھن کی آبادی کے ساتھ ہی عیدگاہ کو بھی پانی پہونچانے کا انتظام کیا - چنانچہ نالہ مار کا پانی میدان عیدگاہ سے ہوکر پرگنہ اچھن کو جایا کرتا تھا -

نالہ مار پر کئی بزرگ آسودہ خاک ہیں - جن میں حسب ذیل دو خاص طور پر مشہور ہیں - (۱) حضرت سید محمد بیہقی جن کے مزار پر خواجہ محمد اعظم مؤلف تاریخ اعظمی ۱۱۴۸ھ کے زمانہ میں بڑی رونق ہوا کرتی تھی - دوسرے میر سید حبیب سرخابی جو نہایت جلالی شان کے صوفی اور اغنیا و حکام کی صحبت سے سخت متنفر تھے -

شہر زین گنگا

جنوبی کشمیر کا نام عہد قدیم میں مدوراجیہ تھا - اسی کا بگڑا ہوا نام آج تک مراز چلا آتا ہے - یہاں ادون کے عظیم علاقہ کا جو کراں کے نام سے بھی مشہور ہے - کچھ حصہ سطح مرتفع پر واقعہ ہے - جو باوجود قریب دریا کے پانی سے محروم تھا - بقول شاعر

اے سمندر دیکھ لی ہم نے تری دریا دلی
ایک قطرہ کے لئے ساحل ترستا رہ گیا -

جب سلطان زین العابدین نے اس علاقہ میں سلسلہ انہار کو وسعت دی - تو اس کا شمالی حصہ ایک جداگانہ پرگنہ بن گیا تھا - اس نے اس علاقہ کو آباد کرنے کے لئے اس سطح مرتفع پر اپنے نام سے زین پور ایک قصبہ آباد کیا - جس کو سنسکرت زبان کے مؤرخین نے جین پور اور جین نگر دونوں ناموں سے موسوم کیا ہے - چنانچہ جونراج یا زونہ راج اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۱۱۵۳ء میں جین نگر یا جین پور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے " اس کو زین العابدین نے اپنے نام پر آباد کیا تھا - اور کیشمندر مؤرخ نے اپنی پرکاش ۲ء میں اس کی تائید کی ہے -

(حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

زین پورہ کو آباد و شاداب بنانے کے لئے زین العابدین نے ایک نہر جاری کی۔ جس نے زین پور کو وہ رونق دی کہ زین پور جو ایک قصبہ تھا۔ پرگنہ قرار دیا گیا۔ بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ اپنے نئے آباد کردہ مقامات پر کوئی نہ کوئی سرکاری مکان بھی تعمیر کرا دیتا تھا۔ اور اس کی دیکھا دیکھی امیر و وزیر بھی چھوٹے موٹے مکان بطور ریسٹ ہاؤس (آرام گاہ) بنا لیا کرتے تھے۔ یہاں بھی بادشاہ نے یہی عمل کیا۔ بلکہ کئی لوگوں نے باغات احداث کر کے اس کو نمونہ رشک ارم بنا دیا۔[۱]

جونراج اپنی تاریخ کے شلوک ۸۷۲ میں لکھتا ہے۔ "کہ زین العابدین نے جین نگری کے لئے جو نہر تعمیر کرائی اس کا نام جین (زین) گنگا رکھا۔ اور اس کو اس قدر وسعت دی کہ رن سوامن کے مندر تک لے آیا۔ جو راجہ رانا دتیہ نے سرینگر میں تعمیر کرایا تھا۔

اس نہر کا منبع جہاں سے یہ شروع کی گئی تھی۔ قصبہ شوپیاں بیان کیا جاتا ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہے کہ اس کا آخری مقام رن سوامن کا مندر واقعہ سری نگر تھا۔ تو یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس نہر کی لمبائی ۳۰ میل سے کم نہ تھی۔ اور اس سے صرف زینہ پور ہی سیراب نہ ہوتا تھا۔ بلکہ اور کئی دیہات و مقامات کے تشنہ لب کھیت اس سے اپنی پیاس بجھاتے تھے۔

رن سوامن کا مندر سری نگر میں کس مقام پر واقعہ تھا۔ اس

حاشیہ صفحہ نمبر ۱۷۶

[۱] مترجمہ راج ترنگنی کا ضمیمہ کشمیر کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۲۱

[۲] مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف

Marfat.com

کے متعلق سٹین صاحب جو سنسکرت راج ترنگنی مصنفہ کلہن انگریزی کے مترجم ہیں۔ لکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ لچھمی کول وہی نہر ہے جو دریائے سندھ (علاقہ لار) سے نوشہرہ اور سنگین دروازہ تک آتی ہے۔ اور جامع مسجد کے پاس سے گذر کر قاضی کول نامی پل کے قریب نالہ مار میں جا ملتی ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہو سکے کہ لچھمہ کول کا موجودہ انتہائی مقام آج بھی وہی ہے۔ جو بقول جونراج زین العابدین کے زمانہ میں تھا۔ تو میں اس قدیم شکستہ مندر "رن سوامن" کے کھنڈرات کو جو نالہ مار اور لچھمہ کول کے مقام اتصال پر ایک کونہ میں موجود ہیں۔ رن سوامن کا مندر سمجھنے کے لئے تیار ہوں۔

بادشاہی سڑکیں

جس بادشاہ کو ملک کی آبادی اور فارغ البالی کے لئے ہر وقت کوئی نہ کوئی مفید تجویز سوچنے سے سروکار رہتا ہو۔ جس نے تپتے ہوئے میدانوں اور خشک قطعات زمین پر پانی کے دریا بہا دئے ہوں۔ جس نے ویران اور اجاڑ اور خاموش اور سنسان مقامات کو جہاں ہر وقت سناٹا چھایا رہتا ہے۔ بارونق قصبے اور شہر بنا دیا ہو۔ جس نے ایسی زمینوں کو جہاں ایک دانہ پیدا نہ ہوتا تھا۔ ہزار ہا خروار اناج پیدا کرنے کے قابل کر دیا ہو۔ اس بادشاہ نے لوگوں کی آمد و رفت اور تجارتی فوائد کے لئے کیا ملک کی سڑکوں کا انتظام نہ کیا ہوگا۔ قیاس کہتا ہے کہ ضرور کیا ہوگا۔ لیکن جب اس زمانہ کی راج ترنگنیوں اور بعد کی تاریخوں سے کوئی شہادت طلب کی جاتی ہے تو کوئی شافی جواب نہیں ملتا۔

غالباً اس کی ایک وجہ بھی تھی۔ اس زمانہ میں نہ بگیاں اور موٹریں تھیں۔ نہ تانگے اور لاریاں۔ صرف گھوڑے کی سواری ہوتی تھی۔ اور یہی جانور باربرداری کے کام آتا تھا۔ اور گو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا

ہے۔ کہ پرانے کشمیر میں موجودہ زمانہ کی طرح فراخ اور چوڑی سڑکیں نہ تھیں۔ اور نہ ان پر ایسے عظیم الشان پل تھے۔ جیسے آج نظر آ رہے ہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاتا کہ ایسے 'وقف عام' بادشاہ نے بار برداری کیلئے ضرور ایسے راستے بنا رکھے تھے۔ جن پر سے بیل، خچریں اور گھوڑے لدے ہوئے اسباب کے ساتھ بہ آسانی گذر سکتے تھے۔ ایک دیہات دوسرے دیہات اور ایک قصبہ دوسرے قصبہ کے ساتھ انہی رستوں یا پگ ڈنڈیوں کے ذریعہ ملتا تھا۔

ان پگڈنڈیوں کے دورویہ خوب گھنے سایہ دار اور ثمردار درخت نصب کئے گئے تھے۔ جن میں کہیں کہیں چنار بھی ہوتے تھے۔ شہتوت زرد آلو۔ سیب۔ ناشپاتی اور اخروٹ کے درخت سایہ کا کام بھی دیتے تھے۔ اور اپنے موسم پر مسافروں کو پھل بھی پیش کرتے تھے۔ راہ نوردوں کیلئے کسی قسم کی کوئی ممانعت نہ تھی۔ پانی پینے کو بے شمار چشمے تھے۔ جن کا میٹھا اور شیریں اور سرد پانی "شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو" کے مصداق تھا۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ سری نگر کے صفاکدل سے ایک کشتی مسافروں کی بھری ہوئی سوپور جانے کے لئے شام کے وقت روانہ ہوا کرتی تھی۔ چار آنہ فی مسافر کرایہ تھا۔ کشتی کے اندر اس قدر مخلوق ہوتی تھی کہ دم گھٹ جاتا تھا۔ پھر سونے بلکہ بہ آرام بیٹھنے تک کو جگہ نہ ملتی تھی۔ یہ کشتی ساری رات چل کر صبح کے وقت سنبل کے کنارے پہونچتی تھی۔ اور دس گیارہ بجے دن کے قریب سوپور میں لنگر انداز ہوتی تھی۔

لیکن آج یہ حالت ہے کہ موٹر لاری تقریباً تین روپیہ فی

Marfat.com

مسافر کرایہ لے کر ایک گھنٹہ میں سری نگر سے سوپور پہونچا دیتی ہے۔ بڈشاہ کے زمانہ میں کشتیوں کے ذریعہ بھی بہت آمد و رفت ہوتی تھی۔ اور شاید فراخ اور پختہ سڑکوں کی عدم موجودگی ایک وجہ یہ بھی ہو۔

Marfat.com

نواں باب

انتظام مالیہ و ارزانئ اجناس وغیرہ

عہد قدیم کا طریق مالیہ راجگان ہنود کے عہد میں مالیہ کشمیر کس شکل میں وصول کیا جاتا تھا۔ تاریخوں سے اس کا کچھ پتہ تو نہیں ملتا۔ لیکن اس خیال سے کہ سکہ کا رواج کم تھا مالیہ جنس ہی کی صورت میں وصول ہوتا ہوگا[1]۔ جب مسلمانوں کا زمانہ آیا۔ تو بقول فرشتہ سلطان شمس الدین نے ۱۳۴۱ء میں پیداوار

---

[1] جنسی مالیہ مسلمانوں اور سکھوں کے عہد تک بھی کشمیر میں جاری رہا۔ البتہ ڈوگرہ حکومت کے زمانہ میں بہ عہد مہاراجہ پرتاب سنگھ و بعہد بندوبست لارنس صاحب جنسی مالیہ کی جگہ نقدی مالیہ مقرر ہوا۔ جو اب تک جاری ہے۔

Marfat.com

کا چھٹا حصہ سرکاری مالیہ مقرر کیا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں بقول ابوالفضل مال درآمد پر چھٹا حصہ محصول مقرر ہوا۔ البتہ سلطان سکندر کے زمانہ میں اس کے وزیر سیہ بٹ نے مالیہ اور دیگر محصولات میں بہت کچھ اضافہ کردیا۔

عہد بڈشاہی میں مالیہ کا طریق

سلطان شمس الدین سے لے کر زین العابدین بڈشاہ کے باپ سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ تک کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوتا رہتا تھا۔ بڈشاہ کے بھائی علیشاہ کے زمانہ میں بھی یہی کیفیت تھی۔ لیکن جب بڈشاہ کے ہاتھوں میں عنان حکومت آئی۔ تو اس نے جہاں پیمانہ اور اوزان رعایا کے مفید مطلب ایجاد کئے۔ افسروں کو زمینداروں سے رشوت لینے اور ان کو تنگ کرنے کی ممانعت کے احکام جاری کئے۔ وہاں اس نے مالیہ اور دیگر محصولات میں بھی نمایاں کمی کی۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ اس نے مالیہ جو بالعموم جنس ہی کی صورت میں ہوتا تھا۔ پیداوار کا ⅙ کردیا۔ جو اس کے جدامجد سلطان شمس الدین کے زمانہ میں تھا۔

بڈشاہ کے عہد میں چونکہ نہروں کی کثرت تھی۔ اور رعایا امن و مسرت کے ساتھ رہتی تھی۔ اس لئے زمیندار اطمینان کے ساتھ کاشت کا کام کرتے تھے۔ مصنف تاریخ حسن صفحہ ۱۳۳ پر لکھتے ہیں۔ "در عہد سلطان زین العابدین یک کروڑ سیزدہ لک خروار داخل خزینہ مے شود" غور کرو جب مالیہ ہی میں ایک کروڑ سترہ لاکھ خروار مختلف اجناس آتی تھیں۔ تو ملک کی پیداوار کس افراط سے ہوتی ہوگی۔ یہ بھی ایک تاریخ میں نظر سے گذرا ہے کہ زمانہ بڈشاہ میں صرف شالی کی پیداوار "ستر" لاکھ تھی[1]

[1] سمورکرافٹ کے زمانہ حیات (۱۸۲۵ء) جبکہ کشمیر میں سکھوں کی حکومت تھی۔ شالی کی پیداوار ۲۰ لاکھ خروار رہ گئی تھی۔

شالی کا نرخ قدیم

شالی اس ملک کی خاص پیداوار ہے - بلکہ چاول (شالی) کو اگر اہل کشمیر کی قومی خوراک کہا جائے - تو بالکل مناسب ہے - شالی کی گرانی اور ارزانی ہی باشندگان کشمیر کو فارغ البال اور تنگدست بنا سکتی ہے - کشمیر کی تاریخوں میں سب سے پہلے شالی کی قیمتوں کا ذکر راجہ اونتی ورمن کے عہد میں آیا ہے - جس نے آبپاشی کے طریقوں میں وسیع اصلاح کی تھی - اور ملک کی زراعتی ترقی کی وجہ سے شالی کا نرخ ارزاں ہوگیا تھا -

سوا تین پیسہ کی خروار شالی

اس زمانہ میں ایک خروار شالی کی قیمت بالاوسط دوسو دینار یا سوا تین پیسہ تھی - جو قحط کے دنوں میں زیادہ سے زیادہ ۱۰۵۰ دینار یا سوا آٹھ آنہ تک ہو جاتی تھی - جب سوپور کے بانی سویہ نے اراضی کی کاشت کو اور وسعت دی تو نرخ ۳۶ دینار تک کم ہوگیا - یعنی خروار شالی کی قیمت ۱۶ ۳/۴ دینار ہوگئی -

قحط میں شالی کا نرخ ۲ر خروار

راجہ ہرش کے زمانہ میں شالی بہت سستی تھی - بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ اس کی کچھ قیمت ہی نہ تھی - لیکن جب اس کے آخری حکومت میں ایک دفعہ شدت کا قحط پڑا - تو ایک خروار شالی کی قیمت پانچسو دینار یا ۲/۔ ہوگئی -

بڈشاہی زمانہ کا نرخ

شری ورا اپنی راج ترنگنی کے ترنگ ع۱ شلوک ع ۲۰۲ میں لکھتا ہے - سلطان زین العابدین کے زمانہ میں شالی کی قیمت فی خروار تین سو دینار یا [illegible]

Marfat.com

چار پیسے تھی؎ چونکہ کشمیر میں مالیہ جنس ہی کی صورت میں ادا ہوتا تھا۔ اس لئے شاہی ذخیرہ میں کافی جنس رہا کرتی تھی۔ اور سرکاری قیمت پر فروخت ہوا کرتی تھی۔ چونکہ یہ قیمت عام مقررہ نرخ سے زیادہ ہوتی تھی۔ اسلئے لوگ سرکاری ذخیرہ سے بہ امر مجبوری غلہ خریدا کرتے تھی۔

انگور ۱/۲ پیسہ کا پانچ سیر

راجہ ہرش کے زمانہ قحط میں پشم (اون) کی قیمت فی خروار گیارہ ہزار دینار یا دو روپے بارہ آنے تھے۔ انگور ایک دینار کا چار تولہ آتا تھا۔ یا بیس دینار کا ایک سیر۔ ۲۰ دینار کا کوئی سکہ نہیں تھا۔ بلکہ اس کی کوڑیاں گنی جاتی تھیں۔ زین العابدین کے زمانہ میں بھی قریباً یہی نرخ تھا۔ ابوالفضل کی تحریر کے مطابق ایک سو دینار کا ایک دام ہوتا تھا۔ اور دام کی قیمت ۱/۲ پیسہ تھی۔ اس سے یہ سمجھنا چاہیئے کہ ۱/۲ پیسہ کا انگور بڈشاہ کے زمانہ میں پانچ سیر آتا تھا۔

نمک کا بڈشاہی نرخ

نمک کی قیمت کشمیر میں دیگر ممالک کی نسبت زیادہ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ

؎ مہاراجہ گلاب سنگھ کے آخری ایام میں سرکاری غلہ ۱ ار فی خروار کو بکتا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں یعنی ۵۲ سال کے بعد بعہد مہاراجہ پرتاب سنگھ یہ نرخ دو روپے چار آنے فی خروار ہوگیا۔ ۱۹۱۰ء میں دو روپے آٹھ آنے فی خروار ۱۹۲۳ء میں سات روپے فی خروار اور سالہائے مجوزہ یعنی ۱۹۲۱ء و ۱۹۲۲ء کے پُرشور زمانہ میں اس کا عـــہ روپے فی خروار بھی رہا ہے۔ اب مہاراجہ ہری سنگھ کے زمانے میں نرخ شالی فی خروار فصل پر چار روپے کے قریب ہے۔

Marfat.com

یہ کشمیر میں ہوتا ہی نہیں۔ اس کی درآمد پنجاب اور لداخ سے کشمیر میں ہوتی ہے۔ ستری درا ہی راج ترنگنی کے ترنگ ۲ شلوک ۵۸۴ میں سیاسی فسادات کے زمانہ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے۔ "جنوبی رستے بند تھے۔ اور دارالخلافہ (سرینگر) میں ۱/۲ ۱ پل یا ۶ تولہ نمک کی قیمت ۲۵ دینار یا ایک پونتشو یا ایک دام کا چوتھا حصہ تھی۔ اس حساب سے ایک سیر کی قیمت اس زمانہ میں پانچ پیسہ تھی۔ یا فی من ۱/۲ ۳ روپیہ۔ اکبر کے زمانہ میں بھی جو بڈشاہ کے ایک سو سال کے بعد گزرا ہے۔ قریباً یہی قیمت تھی۔

نرخ نویسی کی ابتداء

نرخ نویسی کا رواج بھی بڈشاہ ہی کے زمانہ سے ہوا۔ اس زمانہ میں چھاپہ کا رواج نہ تھا۔ اس نے ورق ہائے مس پر تمام اجناس کے نرخ کندہ کرائے۔ اور دارالخلافہ کے علاوہ پرگنوں اور قصبوں میں یہ ورق اطلاع عام کے لئے بھجوائے۔ ان اوراق کے اخیر میں یہ الفاظ بھی درج تھے۔ "دہر کہ بعد از ما باشد وبہ ایں دستورالعمل عامل نہ باشد۔ او داند و خدا" لیکن زمانہ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت کا مصداق ہے۔ بڈشاہ کی باتیں بڈشاہ کے ساتھ ہی چلی گئیں۔ ؎

گئی وہ رونقیں سب داغ کے ساتھ

وہی دم تھا غنیمت وہ نہیں ہے

قحط اور اس کا انسداد

لارنس صاحب اپنی کتاب ویلی آف کشمیر Vally of Kashmir میں لکھتے

۱؎ طبقات اکبری مصنفہ محمد نظام الدین احمد بن محمد مقیم الہروی مطبع لاہور سنہ تصنیف ۱۰۰۱ھ بعہد اکبر

۲؎ لارنس صاحب کشمیر کے کمشنر بندوبست تھے۔ (بقیہ صفحہ آئندہ)

Marfat.com

ہیں۔ کشمیر کے مؤرخوں نے اپنے ملک کے ۱۹ نہایت بڑے قحطوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کی وجوہات کے متعلق ان کے مختلف بیانات ہیں۔ لیکن سب سے اہم امر جس پر سب مؤرخین نے اتفاق رائے کیا ہے۔ یہ ہے کہ عموماً بے وقت برف باری اور کثرت آب اور اسکے بعد آتش زدگی کے واقعات سے ہمیشہ ملک تباہ ہوا ہے۔ چنانچہ ایک کشمیری شاعر کا ایک شعر بھی اس کی تائید و تصدیق کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے۔ ؎

ز آب و آتش است آباد کشمیر
ازیں ہر دو شود برباد کشمیر

جب کبھی اس قسم کے افسوسناک واقعات پیش آتے تھے حکومت کی طرف سے اس کا کچھ نہ کچھ ضرور انسداد و انتظام ہوتا تھا۔ اسی طرح جب بڈشاہ کے عہد حکومت کے آخری ایام میں اس کے بیٹوں نے باہم خانہ جنگی شروع کر دی۔ تو کشمیر کو اس مصیبت کے علاوہ کثرت باران اور قحط عظیم کے واقعہ سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ بے شمار لوگ نان شبینہ سے محتاج ہوکر دست اجل کا شکار ہو گئے۔ سلطان کو بڑی تشویش ہوئی۔ غلہ اور خزانہ دونوں کے منہ رعایا کے لئے کھول دیے۔ بقول مصنف تاریخ حسن "سلطان خزائن دو فائن فرواں وقف محتاجان کردہ جان بخشی قحط زدگان فرمود" بلکہ طبقات اکبری میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

سب سے پہلے آپ ہی نے جنسی مالیہ کو نقدی میں تبدیل کیا کشمیر کے لوگ آج تک انکے دعائیہ گیت گاتے اور انکی تعریف کرتے سنے گئے ہیں۔ لندن جاکر کشمیر پر ویلی آف کشمیر کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ جو چھپ چکی ہے۔

Marfat.com

تو لکھا ہے۔ کہ علاوہ زر بخشی کے سلطان نے کئی مقامات پر ان کی پیداوار کے لحاظ سے مالیہ کم کر دیا۔ اور کئی دیہات اور پرگنے مالیہ کی ادائیگی سے آزاد کر دئے۔

ایک انگریز مصنف راجرس کے حوالہ سے "اسلامک کلچر ان کشمیر" کے مصنف لکھتے ہیں۔ اگرچہ قحط کچھ کم نہ تھا۔ لیکن زین العابدین نے پوری کامیابی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا۔ اور کئی مقامات پر محصول (مراد لگان سے ہے) کم کر دئے۔ جونراج اپنی راج ترنگنی میں لکھتا ہے۔ سلطان نے صرف ایک روز کے اندر دس کروڑ دینار غریب اور محتاج بچوں میں تقسیم کر دیے تھے۔ اس زمانہ میں ابوالفضل کی تحریر کے مطابق دس کروڑ دینار کی قیمت پچیس ہزار روپے تھی۔ اور باوجود شدید قحط کے بھی ایک طرف تو سارے ملک میں خانہ جنگی اور فتنہ و فساد کی آگ لگی ہوئی تھی۔ اور دوسری طرف شدت بارش نے ملک کو عالم آب بنا رکھا تھا۔ خروار شالی کی قیمت ۶ آنہ سے کبھی زیادہ نہ ہوئی[1]۔

---

[1] غور کرو اس زمانہ کے قحط پر اور آج کے معمول خوش خرید نرخ پر۔ راقم الحروف سب سے پہلے مرتبہ کشمیر میں سنہ ۱۹۰۷ء میں گیا۔ اس زمانہ میں ساہوکار اور بیوپاری زمینداروں کو پیشگی روپیہ دے کر فصل پختہ ہونے پر ایک خروار شالی دو روپے دس آنہ کے حساب سے لیا کرتے تھے۔ اور بازاری خوش خرید نرخ دو روپے دس آنہ اور زیادہ سے زیادہ تین روپے تھا۔ لیکن آج ۱۹۴۲ء میں باہر دیہات میں خوش خرید نرخ ۴۰ روپے فی خروار ہے۔ لوگ کو محسوس بھی نہیں ہوتا۔ وڈوار زمینداروں کو پیشگی روپیہ دیکر دو روپیہ سے تین روپیہ کے درمیان شالی لے رہے ہیں۔

Marfat.com

تاریخ فرشتہ میں بھی بڈشاہی عہد کے اس قحط وانندلو کا ذکر ہے
لکھا ہے۔ "کشمیر میں ایسا قحط پڑا کہ "نان کے عوض جان" ایک معمولی بات
سمجھی جاتی تھی۔ سونے اور چاندی کو چھوڑ کر لوگ غلہ و آذوقہ کی چوری کو
غنیمت جانتے تھے۔ میوہ ابھی خام ہی ہوتا تھا۔ کہ لوگ اسکو کھا جاتے۔
اور بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ درختوں کے پتے اور کچی سبزیاں تک
لوگ کھا گئے۔ سلطان اس واقعہ سے ہر لحظہ محزون و غمگین رہتا تھا۔
اور ادھر ادھر سے غلہ فراہم کر کے رعایا کو تقسیم کرتا تھا۔ جب قحط سے کسی
قدر نجات ہوئی۔ تو سلطان نے بعض محالات میں ۱/۴ اور بعض میں ۱/۲
حصہ مالیہ معاف کر دیا۔

Marfat.com

دسواں باب

بڈشاہ اور ہندو

کشمیر کے قدیم مذاہب

کشمیر میں ہندوستان کی طرح زمانہ قدیم میں ہندو مذہب ہی تھا۔ اور اس کے چار فرقے تھے۔ برہمن۔ کھتری۔ ویش۔ شودر۔ لیکن مذہباً ان کے عقائد میں بہت اختلافات تھے۔ کوئی ناگ پرست تھا۔ کوئی آفتاب پرست۔ کوئی آتش پرست۔ کوئی دیوتا پرست۔ بہت تھوڑے لوگ تھے جو خدا شناس اور خدا پرست تھے۔ جب کشمیر کے راجہ اشوک نے ۲۰۸ سن بکرمی یا کم و بیش میں بدھ مذہب اختیار کر لیا۔ تو قدیم مذہب والوں نے اس کی بہت مخالفت کی۔ مگر راجہ کے مقابلہ میں کسی کو کوئی پیش نہ چلی۔

یہاں تک کہ اشوک کے بعد کئی راجے اسی مذہب کے پابند رہے اور انہوں نے بہ جبر و اکراہ یا بہ صلح و صفائی بدھ مذہب کو تمام کشمیر

Marfat.com

میں رائج کر دیا۔

آخر ایک وقت آیا کہ ہندوستان کی طرح کشمیر میں بھی بدھ مذہب کو زوال شروع ہوا۔ راجہ چندراجو مذہب شیو کا پیرو تھا۔ بدھ مذہب کا سب سے بڑا مخالف تھا۔ اس نے بدھ مذہب کا استیصال کر کے اپنے مذہب کو بڑا فروغ دیا۔ جب شنکر اچارج کشمیر میں آیا تو اس نے شیو مذہب کو اور بھی زیادہ ترقی دی۔

زوالچو کا واقعہ المناک

کشمیر مذہبی اختلافات بلکہ فسادات اور ملک کے اندرونی فتنوں میں مصروف تھا کہ ۷۲۴ھ میں دفعتاً ایک وبائے عظیم نے اس میں انقلاب عظیم پیدا کر دیا۔ یعنی ذوالقدر خان ترک جو چنگیز خان کی اولاد سے تھا بہتر ہزار سوار جرار لے کر بے خبر کشمیریوں پر جو خانہ جنگیوں کے انجام سے غافل ہو کر کشت و خون میں مصروف تھے۔ حملہ آور ہو گیا۔ جو ملک اور جو قوم نفاق و فساد کا شکار ہو رہی ہو۔ باوجود کثرت جمعیت کے اس کی کیا طاقت ہے۔ کہ کسی بیرونی دشمن کا خواہ وہ قلیل سے قلیل فوج بھی کیوں نہ رکھتا ہو۔ مقابلہ کر سکے۔

اس موقع پر ابراہیم لودھی اور بابر بادشاہ کی لڑائی پر غور کرو۔ ابراہیم کے پاس کئی سومست اور جلو ہاتھیوں کے علاوہ ایک لاکھ فوج تھی۔ لیکن امراء چونکہ آپس میں پھٹے ہوئے تھے۔ اور بادشاہ کے اقرباء اور خویش اس سے ناراض تھے۔ اسلئے بابر نے صدہا میل دور ایک غیر ملک سے آکر بارہ ہزار فوج کے ساتھ سارے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔

غرض ذوالقدر خان نے جس کو کشمیری زوالچو کہتے ہیں۔ ملک

Marfat.com

میں قتل عام مچا دیا۔ انسان کیا بلکہ مال و مویشی ناپید ہو گئے۔ ملک جو جنت نظیر کہلاتا تھا۔ دوزخ سے بدتر ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شہر میں صرف گیارہ آدمی زندہ رہ گئے۔ ذوالچو چھ ماہ تک کشمیر میں رہا۔ اور اس وقت کشمیر سے باہر نکلا۔ جب سارے ملک کو بے چراغ کر گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ کھوڑی (مظفرآباد) کے رستے واپس گیا۔ اور مضافات ولواحات سے پچاس ہزار کشمیری قید کر کے ہمراہ لے گیا۔ کھمار اور پوہ کا مہینہ تھا۔ جب بالائے کوہ پہنچا تو اس قدر برف پڑی کہ ان بد نصیب قیدیوں میں سے ایک متنفس بھی نہ بچ سکا۔

حملہ ذوالچو کے نتائج

ذوالچو کے بعد کشمیر میں دیر تک بے اطمینانی کی حالت رہی۔

لوگ ذوالچو کو خواب میں دیکھتے تھے۔ اور چونک چونک اٹھتے تھے۔ جس طرح ہلاکو خان نے بغداد کو تباہ کیا تھا۔ اور شیخ سعدی نے زوال خلافت و بغداد پر ایک درد ناک اور خون رلا دینے والا مرثیہ لکھا تھا۔ جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

آسمان را حق بود گر خون بہ بارد بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المؤمنین

یہی حال ذوالچو نے کشمیر کا کیا۔ لیکن افسوس اس بد نصیب ملک کی اس ذلت و خستہ حالی پر کسی نے خون کے آنسوؤں کو کیا حسرت وافسوس کے دو قطرات اشک بھی نہ بہائے۔

کثرت حوادث اور انتظام حکومت کی خرابیوں اور انقلاب عظیم کی وجہ سے کشمیر کا اب کوئی خاص مذہب نہ تھا۔ تاآنکہ رینچن شاہ نے کشمیر کے تخت و تاج پر قابض ہو کر ۱۳۲۵ء

میں مذہب اسلام قبول کر لیا۔

بہت سے مشائخ کبار کے حسن خلق اور تعلیم اسلام کے تاثرات سے مسلمان ہو گئے۔ کئی ایسے تھے جن کو مصالح ملکی نے تبدیل مذہب پر مجبور کیا۔ ایک کافی تعداد ایسی بھی تھی جو سلطان بت شکن اور اس کے وزیر ملک سیف الدین کے جوش مذہبی کی وجہ سے دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ بہت سے ایسے بھی تھے۔ جو تشدد سکندری کی تاب نہ لا سکے۔ اور ہجرت و ترک وطن پر مجبور ہو کر کشمیر سے باہر چلے گئے۔

سلطان بت شکن کے بعد علیشاہ اس کا بڑا بیٹا تخت پر بیٹھا اور چونکہ اس زمانہ میں بھی ملک سیف الدین مدار المہام کل تھا۔ اسلئے ہندوؤں کی بے اطمینانی و بے قراری کی جو صورت سلطان بت شکن کے زمانہ میں تھی۔ اس میں اس کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہ ہو سکی۔

بادشاہ کا سلوک ہندوؤں کیساتھ

جب تخت کشمیر نے زین العابدین کے پاؤں چومے۔ اور تاج شاہی نے اس کے سر پر آ کر فخر محسوس کیا تو کشمیر کے ہندوؤں کی بے اطمینانی مضطرب الحالی اور شکستہ دلی کے احساس کے باوجود بادشاہ کچھ عرصہ تک سرکشوں اور سلطنت کے مخالفوں کے استیصال میں مصروف رہا۔ اسکے بعد جب اُسے ذرا اطمینان حاصل ہوا تو اس نے صحیح اسلام پر کاربند ہو کر ملک کے غیر مسلم گروہ کی جس کی تعداد سارے کشمیر میں غالباً چند ہزار سے زیادہ نہ تھی۔ تالیف قلوب کرنا اپنی زندگی کا خاص مقصد قرار دیا۔

Marfat.com

جسم پر حکومت کرنے کی بجائے وہ دلوں پر حکومت کرنے کو ترجیح دیتا تھا۔ اور اسکے طرز عمل نے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے قول و عہد اور اپنی زبان پر سختی سے پابند رہتا تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ جو سلوک بڈشاہ نے کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ کوئی ہندو راجہ کسی ہندو کے ساتھ نہ کر سکا۔ اپنی مراعات کی وجہ سے بڈشاہ بڈ شاہ کے نام سے بھی مشہور ہو گیا ؎

بڑھ کے کیا ہوگا اس سے کیا ہر دلعزیزی کا ثبوت
بن گیا بڈشاہ سے بٹ شاہ زین العابدین

بڈشاہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں ہندوؤں کو جس طرح نوازا ہے۔ اور مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کی جو حوصلہ افزائی کی ہے۔ اور انکے مقدس مقامات اور ان کی قدیم عمارات کے ساتھ جس انصاف و مساوات کا سلوک کیا ہے۔ اور قابل ہندو علماء و ادباء کی جو سرپرستی کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ یہ بادشاہ اپنے باپ اور بھائی کے خلاف حکمت و تدبر سے بھرا ہوا ایک عجیب دل و دماغ لے کے آیا تھا۔ اسکی نظر میں مسلمان اسلئے قابل وقعت نہ تھا۔ کہ وہ مسلمان ہے۔ اور ہندو اسلئے قابل نفرت نہ تھا کہ وہ ہندو ہے۔ بلکہ وہ ہر شخص میں کسی نہ کسی کمال کا متلاشی تھا۔

چنانچہ مسلمان مشائخ کی طرح اُسے ہندو جوگیوں سے بھی جن کے پہلو میں حقائق و معارف سے لبریز دل ہوتا تھا۔ برابر عقیدت و ارادت تھی۔

لے تاریخ گلدستہ کشمیر مصنفہ پنڈت ہرگوپال کول صفحہ ۱۱۶

جب ہم دربار شاہی کے ارکان و شعرائد پر نظر ڈالتے ہیں۔ تو ہمیں ہندوؤں کی ایک کافی تعداد نظر آتی ہے[1]۔

مختلف تاریخوں[2] کے مطالعہ سے بڈشاہ کی ہندو نوازیوں کی جو کیفیت معلوم ہو سکی ہے۔ اس کو بیسویں صدی کے اس نفاق پرور و اتحاد شکن دور میں ذرا وضاحت سے قلمبند کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مہاجر کشمیری پنڈتوں کی واپسی

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے سلطان سکندر بت شکن کے نو مسلم وزیر ملک سیف الدین بٹ کے تعصب مذہبی کی وجہ سے ہنود کی ایک کثیر تعداد کشمیر سے باہر چلی گئی تھی۔ یہ لوگ پنجاب۔ دہلی۔ لکھنؤ۔ بنارس

---

[1] انکی مفصل کیفیت دربار بڈشاہی کے ملکی و مالی اور ادبی مصاحبوں کی فہرست میں دیکھئے۔

[2] اس مضمون کی تحریر کے دوران میں مندرجہ ذیل کتابیں پیش نظر ہیں۔ (۱) طبقات اکبری فارسی (۲) اسلامک کلچر ان کشمیر (۳) تاریخ ملا بہاؤ الدین فارسی (۴) تاریخ گلشن کشمیر مؤلفہ مولوی محمد سعادت قلمی (۵) تاریخ حسن کشمیر فارسی قلمی (۶) وجیز التواریخ (۷) راج ترنگنی مترجمہ سٹین صاحب کا اردو ترجمہ (۸) گلدستہ کشمیر مصنفہ پنڈت ہرگوپال (۹) فتحیات کبرویہ قلمی فارسی (۱۰) تاریخ خواجہ اعظمی فارسی (۱۱) مختصر التواریخ کشمیر پنڈت بیربر کاچرو۔ فارسی قلمی۔ (۱۲) تاریخ کشمیر اردو قلمی۔ مصنفہ خواجہ حسن ملک (۱۳) تاریخ فرشتہ۔

Marfat.com

الہ آباد اور ہندوستان کے دیگر مقامات میں جاکر آباد ہوگئے۔ جب بڈشاہ کا زمانہ آیا۔ اور اس نے سلطنت کے قومی انتظامات اور دشمنان سلطنت کو محکوم و مغلوب کرنے کے بعد جب ملک کی آبادی کی طرف توجہ کی تو اس نے مہاجر لوگوں کو واپس بلوانے کے لئے ایک اشتہار عام جاری کیا۔ انکو بہت سی مراعات کی توقع دلائی۔ ان سے انصاف و عدل کا وعدہ کیا۔ انکی زمینیں اور جائدادیں بعد ثبوت کامل ان کو واپس دلانے کی خوشخبری سنائی۔

چنانچہ کئی ہزار کشمیری ہندو جنہوں نے کئی سال سے پنجاب و ہند کو اپنا وطن بنا رکھا تھا۔ جب وطن اور جدید بادشاہ کے اعلان مراعات کی وجہ سے پھر کشمیر چلے آئے۔ بادشاہ نے بھی انکے ساتھ مراحمت خسروانہ سے کام لیا۔ جو جاگیردار تھے۔ ان کی جاگیریں واپس کیں۔ اور جو اپنی جائیدادوں کا ثبوت دے سکے۔ انکی جائدادیں انکو واپس دلائیں۔ جن کا ثبوت نہ مل سکا۔ انکو مکانات وغیرہ کے لئے زمینیں عطا کیں پنڈتوں کی واپسی کے متعلق ایک ہندو مؤرخ لکھتا ہے"۔ رسومات ظلم از ولایت کشمیر برانداختہ و طبقہ برہمنان را کہ بہ سعایت سیہ بٹ نامی کہ در عہد سلطان سکندر جدا شدے وطن اختیار کردہ بودند۔ باز آوردہ در معابد و مقامات خود را اقرار گرفتہ و وظائف مستمر آں مقرر گذاشت"۔

نومسلم کشمیری پنڈتوں کی شدھی

سلطان بت شکن کے عہد میں ایک جماعت ایسی بھی تھی۔ جس نے خوف یا طمع کی وجہ سے مذہب اسلام قبول کرلیا تھا۔ بڈشاہ نے جب مذہبی آزادی کا اعلان کیا۔ اور یہ مشتہر کیا کہ اسلام

Marfat.com

"لَآ اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ" کی تعلیم دیتا۔ اور مذہب کے معاملہ میں جبر و تشدد سے منع کرتا ہے۔ تو کئی پنڈت جو سابقہ سلاطین کے عہد میں ملک سیف الدین کے جبر سے بہ اکراہ مسلمان ہو گئے تھے۔ پھر اپنے سابقہ دین میں آ گئے۔ ان کی برادری نے بھی ان کو شامل کرنے سے انکار نہ کیا۔ اور کسی قاضی اور مفتی کو بھی جرأت نہ ہو سکی کہ ان سے ارتداد کا مؤاخذہ کرتا[1]۔ ایک ہندو[2] مؤرخ بھی لکھتا ہے"۔ علماء و فضلاء را مجال آں نبود۔ بر برہمنا ہے کہ در حکمرانی سلطان سکندر از درجہ خود افتادہ بودند۔ زبان لتعرض کشا یند"۔

جزیہ کی موقوفی

جونراج اپنی راج ترنگنی میں اس جزیہ کا ذکر کرتا ہے جو کشمیر کے مسلمان بادشاہ کشمیر کے ہندوؤں سے وصول کیا کرتے تھے۔ کشمیر کے ابتدائی مسلمان سلاطین کے زمانہ میں اس ٹیکس کی مقدار دو پل چاندی سالانہ تھی۔ سٹین صاحب لکھتے ہیں۔ چونکہ یہ وزن آٹھ تولہ کے برابر ہے۔ اسلئے یہ امر تعجب خیز نہیں کہ اس زمانہ کے لوگ اس سختی کو بجا طور پر محسوس کرتے تھے۔ پل چار کرش کا ہوتا ہے۔ اور ایک کرش ۱۶ ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک پل چار تولک (تولہ) کے مساوی سمجھنا چاہیئے۔ اب تک کشمیر میں سیر کے ۱/۴ حصہ کے لئے پل ہی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس ترنگنی میں جونراج نے لکھا ہے کہ بادشاہ نے گھٹا کر اسے ایک ماشہ سالانہ کر دیا تھا۔ اور اس رعایت و لنوازش کے لئے جونراج نے بادشاہ کی بہت تعریف کی ہے۔ بہرحال جزیہ کم تھا

[1] مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف۔
[2] پنڈت بیر بر کا بچرو۔

Marfat.com

یا زیادہ۔ اور اسلامی نکتہ نگاہ سے جائز تھا۔ یا ہندؤں کے خیال میں ناجائز۔ اس کی سختی ہندؤں عام طور پر محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ نے ہندؤں کے خیالات اور ان کی عرضداشتوں سے متأثر ہو کر جزیہ کو اتنا کم کر دیا۔ کہ وہ بہت تھوڑا بلکہ برائے نام رہ گیا۔ اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد جو تھوڑا بھی تھا وہ بھی موقوف کر دیا۔

ایک محبّ وطن کشمیری پنڈت

جزیہ کی موقوفی کے متعلق ذیل کا واقعہ دلچسپی سے مطالعہ کیا جائے گا۔ ایک مرتبہ سلطان کے ہاتھ پر ایک پھوڑا نکلا جس سے وہ سخت بیمار ولاچار ہو گیا۔ آخر جب شاہی حکیم شری بٹ کے معالجہ سے بادشاہ کو صحت ہوئی۔ تو اس نے حکیم موصوف کو انعام دینا چاہا۔ لیکن شری بٹ نے کسی قسم کا نقد انعام لینے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے سمجھا شاید جاگیر کا خواہشمند ہے۔ حکم دیا۔ شری بٹ کے نام عطائے جاگیر کا فرمان لکھا جائے۔ لیکن شری بٹ نے بادشاہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس پر بھی رضامندی کا اظہار نہ کیا۔ آخر بادشاہ نے کہا۔ کچھ تو کہو۔ شری بٹ نے عرض کیا۔ میری ذات کے لئے خداوند نعمت کی شاہانہ توجہ سے بہت کچھ ہے۔ اگر سرکار مجھے عنایت خسروانہ سے ممنون ہی فرمانا چاہتے ہیں۔ تو میری قوم کو زر جزیہ سے بالکل ہی معاف فرما دیا جائے۔ تاکہ ایک شری بٹ کی جگہ اس کی ساری قوم حضور کے ازدیاد اقبال و دولت کی دعاگو رہے۔

ل؎ فتوحات کبرویہ غیر مطبوعہ

Marfat.com

شری بٹ کے یہ الفاظ ایثار و قربانی کی زندہ نظیر تھی۔ بادشاہ کے دل پر اثر کر گئے۔ اور کیوں نہ کرتے! ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں! طاقت پرواز مگر رکھتی ہے۔

چنانچہ بادشاہ نے شری بٹ کی یہ درخواست منظور کی۔ اور کشمیر کے ہندو جزیہ کے ٹیکس سے نجات حاصل کر گئے۔ آج ہر کشمیری پنڈت شری بٹ کی حب الوطنی اور اس کے جذبہ ایثار پر فخر کرتا ہے۔ اور تاریخ اس کے نام کو سنہری حروف میں پیش کر رہی ہے۔

ہندو جوگیوں کے لئے جوگی لنگر

بادشاہ کی فیاضیوں اور اس کی ہندو نوازیوں کی داستانیں گو کشور ہندوستان کی فصیل یعنی ہمالیہ سے باہر سمندر پار نہ جا سکی ہوں۔ تاہم اس میں کلام نہیں کہ کشمیری پنڈتوں کے علاوہ جو کشمیر سے ہجرت کر گئے تھے۔ اور بڈشاہ کے زمانہ میں جن کی کثیر تعداد واپس آ گئی تھی۔ اکثر دوسرے برہمن بھی بادشاہ کی شہرت سن کر کشمیر آ گئے۔ ان میں جگن ناتھ اور کوروکشیتر کے عالموں کے علم و فضل اور ان کی صحبتوں سے۔ بادشاہ نے بہت استفادہ حاصل کیا۔ اور ان کے معقول مشاہرے مقرر کر کے اپنی علم نوازی اور بے تعصبی کا ثبوت دیا۔ بلکہ لکھا ہے "کہ ان لائق و فائق ویدانتوں اور عالم و فاضل برہمنوں کی قدر مسلمان درباریوں سے بھی زیادہ کرتا تھا"۔ لیکن ہندو

(حاشیہ صفحہ ۱۹۹)

Marfat.com

جوگیوں کی جن میں کشمیری سادھو بھی تھے۔ ایک عظیم تعداد ایسی تھی۔ جو تو کل کے غلط معنی سمجھ کر اور ہاتھ پاؤں توڑ کر ملک اور قوم کیلئے ناقابل برداشت بوجھ ثابت ہو رہی تھی۔ بادشاہ نے ان کے لئے ریزہ داری میں مطبخ عظیم مقرر کیا۔ جہاں سے دو وقت کا کھانا ہر ایک جوگی کو سرکار کی طرف سے مفت ملتا تھا۔ اور ان کے روزینے بیت المال سے مقرر کرا دئے[ب] جس مقام پر یہ مطبخ یعنی لنگر خانہ تھا۔ اب وہ جگہ جوگی لنگر کے نام سے موسوم ہے۔

مندر شنکراچارج کی مرمت

کمراز کے علاقہ میں راجہ پرتاپ پیڈ کا مندر موضع تاپر میں پرتاپیشور کے نام سے تھا۔ راجہ جیا پیڈ کے تین مندر (۱) چترا تما کیشو (۲) شیشہ شاہی کیشو اور (۳) مرتہ کیشو۔ اندرکوٹ میں تھے۔ یہ سب مندر اس تباہ حالت میں تھے کہ از سر نو ان کا اصلی شان و شوکت میں آنا بہت محال تھا۔ اس زمانہ میں محکمہ آثار قدیمہ قائم نہ تھا۔ ورنہ یہ مندر جس حالت میں بھی تھے۔ موجود رہتے۔ مگر بادشاہ نے اس پر بھی ان مندروں کی بوسیدہ کہنہ ہڈیوں یعنی ان کے پتھروں سے جو ادھر ادھر بیکار پڑے ہوئے تھے۔ ایک نہایت مفید کام لیا۔ ان سے کسی مسجد کی تعمیر نہیں کی۔ انکو کسی محل میں استعمال نہیں کیا۔ بلکہ ان پتھروں سے ایک ستھو (بند) تو دانڈ کھائی سے سوپور تک

[ا] (حاشیہ صفحہ گذشتہ) تاریخ کشمیر اردو قلمی مصنفہ خواجہ حسن ملک و مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف

[ب] فتحیات اکبرو یہ قلمی صفحہ ۳۲۲۔

Marfat.com

بنوایا۔ اور ایک سوپور سے سوپور تک جو رفاہ عام کے لئے وقف تھے۔ تاریخوں میں لکھا ہے۔ کہ اس نے بعض منادر جو منہدم ہو گئے تھے۔ از سرنو تعمیر کرائے۔ ان میں مندر" ذشتی شور" جو کوہ سلیمان یا شنکر اچارج پر واقع ہے۔ خاص طور پر مشہور ہے۔ یہ مندر راجہ سندیمان نے سنہ ۲۸۰ ب میں تعمیر کرایا تھا۔ راجہ گوپادت اور راجہ للتادتیہ نے اپنے اپنے زمانہ میں اس کی مرمت کرائی۔ لیکن بعد کے راجاؤں نے چنداں توجہ نہ کی۔ مندر کی حالت خراب سے خراب تر ہو گئی۔ یہاں تک کہ سلطان سکندر کے زمانہ میں زلزلہ کی ایک ہی ضرب نے اس کی چھت کے پتھروں کو شکستہ و منہدم کر دیا۔

بڈشاہ نے اپنی طویل عمر کے آخری ایام میں اس مندر کی طرف توجہ کی۔ اس کے انہدام کو پائیداری سے اور اس کی شکستگی کو مضبوطی سے تبدیل کیا۔ اور چھت کو نئے سرے سے تعمیر کر کے اس کے نیچے چار ستون استوار کئے۔ چنانچہ اس کے ایک ستون پر مندرجہ ذیل دو سطریں منقوش ہیں۔ سطر اول این ستون بر داشت خواجہ رکم بن مرجان و سال پنجاہ و چہار کشمیری[2]

---

[1] تاریخ حسن حصہ اول۔

[2] پنجاہ و چہار (۵۴) سے مراد ۵۴ سال کشمیری ہے۔ یہ سال رینچن شاہ الملقب بہ ملک صدرالدین کی تخت نشینی (سنہ ۷۲۵ھ) سے جو کہ کشمیر کے حساب سے پہلا مسلمان بادشاہ تھا شروع ہوتا تھا۔ اس حساب سے مندر شنکر اچارج کی مرمت کا زمانہ سنہ ۸۸۹ھ سمجھنا چاہئے۔ جو زین العابدین کا سال وفات

سطر دوم۔ معمار این ستون واجی ہشتی زرگر در سال پنجاہ وچہار کشمیری نیز بر دیوار شمالی نزدبان سنگین آن منقوش بود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ)

بھی ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر اس نے موت سے چند دن یا چند ماہ پیشتر اس مندر کی نئے سرے سے تعمیر کرائی تھی۔ اگر بقول تاریخ حسن یہ صحیح ہے کہ ستون مندر پر پنجاہ وچہار سال کشمیری درج تھا۔ تو تعجب ہے کہ اسی مصنف نے ایک اور جگہ برعکس طرح لکھ دیا کہ "سلطان زین العابدین در ۸۴۳ھ چہار ستون سنگین وپایہ سقف آن استوار نمود" اس حساب سے تو ۱۵۴۲ء کی بجائے ۱۵۰۱ء سال کشمیری ہونا چاہئے۔ ایک ہی مقام پر دو مختلف تحریر ہیں۔

رینچن شاہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد سنہ ہجری ملک میں جاری کیا۔ لیکن وہ مقبول عام نہ ہوسکا کیونکہ اس وقت سوائے چند آدمیوں کے باقی تمام ملک ہندو مذہب کا پیرو تھا۔ آخر سلطان شمس الدین (۱۳۴۳ء لغایت ۱۳۴۷ء) نے اپنے عہد حکومت میں کشمیری سنہ ایجاد کیا۔ اور بنا اس کی اس زمانہ سے رکھی۔ جب رینچن شاہ عرف ملک صدر الدین ۱۳۲۵ء میں تخت پر بیٹھا تھا کشمیری مہینوں کے نام حسب ذیل تھے۔ ویکھ۔ چیت۔ بار شراون۔ بادرت۔ آشت۔ کارتک۔ موجنبر۔ پوہ ماگ۔ پھاگن۔ چیتر۔ شمس الدین کے حکم کے مطابق

Marfat.com

اس سال کشمیری سال سنہ ۱۵ تھا۔ مگر اہل کشمیر عموماً احاد لکھتے تھے۔ اور آت ساقط کر دیتے تھے۔ اور آج کل بھی نہ صرف کشمیر میں بلکہ ہر جگہ یہی رواج ہے۔ مثلاً آج سنہ ۱۹۲۸ء ہے۔ لیکن تحریروں میں بالعموم سنہ ۲۸ ہی لکھا جاتا ہے۔

مندروں کے ساتھ پاٹ شالائیں

بادشاہ نے بت خانوں اور مندروں کی مرمت و نگرانی کے علاوہ ان کے ساتھ پاٹ شالے بھی جاری کئے۔ جہاں ہندو دیارتھی۔ مذہبی علوم نہایت آزادی سے حاصل کیا کرتے تھے۔ ان کی مذہبی کتابیں جو ان کی مہاجرت کے ساتھ ہی کشمیر سے نابود

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) حساب کتاب۔ نوشت۔ خواند۔ سب کشمیری سنہ میں ہونے لگا۔ ماہ وہک میں نوروز کا دن مقرر ہوا۔ اعراس اولیاء و عیدین وغیرہ سب اسی سنہ کے مطابق عمل میں آتے تھے۔ بڈشاہ کے زمانہ میں بھی سنہ کشمیری ہی کا رواج تھا۔ تاریخ حسن میں لکھا ہے۔

" وقتیکہ زمام اختیار حکومت ایں دیار در دست شاہان چغت افتاد۔ آں ہا سنہ کشمیری فسخ کردہ۔ سنہ ہجری و سنہ جلوس خود مروج کردند"

شاہان چغت میں اکبر نے سب سے پہلے کشمیر کو سنہ ۱۵۵۲ء میں فتح کیا ہے۔ سمجھنا چاہیئے کہ اسی سال سے سنہ کشمیری کا رواج کشمیر سے اڑا دیا گیا۔

Marfat.com

ہو گئی تھیں۔ ہندوستان سے واپس منگوائیں۔

بقول ملا بہاؤالدین "دفاتر کفر و شرک کہ ازیں دیار بدر کشیدہ بودند باز طلبید ند[1]۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہندو جو کچھ ان کتابوں میں درج ہے اس پر عمل کیا کریں۔ مندروں کی مرمت اور پاٹ شالوں کے اخراجات کے لئے بادشاہ نے جاگیریں عطا کیں۔ استاد تنخواہوں سے بے فکر تھے۔ اور طالب علم فیسوں سے آزاد تھے۔ افسوس یہ باتیں بادشاہ کے ساتھ ہی مٹ گئیں ؎

آہ اے سلطان زین العابدین بڈشاہ ماہ
نوحۂ کشمیر بڑھ بیٹھے تیری میت کے ساتھ

سنسکرت اور فارسی کا میل جول

بادشاہ نے ہندوؤں کا مذہبی لٹریچر صرف پاٹ شالاؤں ہی میں تقسیم نہیں کیا۔ بلکہ ویدوں شاستروں پرانوں اور ان کی کئی مذہبی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں اور فارسی کتابوں کا سنسکرت زبان میں ترجمہ کر کے ہندوؤں کے مذہبی خیالات سے مسلمانوں کو اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم سے ہندوؤں کو آگاہ اور باخبر کیا۔

بادشاہ کی عقلمندی۔ بے تعصبی اور دوراندیشی کا ملک کی سیاسی حالت پر بہت اچھا اثر پڑا۔ چنانچہ جب مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے کی مذہبی تعلیم سے واقف ہونے کے بعد معلوم ہوا۔ کہ ؏

---

[1] از تاریخ ملا بہاؤالدین۔

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا۔

تو ذاتی بغض وعناد کی جڑیں جو تھوڑی بہت ابھی باقی تھیں۔ وہ بھی حرف غلط کی طرح کٹ گئیں۔ اوراب دونوں قومیں اکثریت و اقلیت کی تمیز کے بغیر آپس میں شیر وشکر ہوگئیں۔

جزیہ کی موقوفی نے بھی بادشاہ کے عہد میں کفر واسلام کی تفریق مٹادی تھی۔ لیکن دونوں قوموں کو دونوں کے علوم سے آگاہ کرکے بادشاہ نے نہ صرف اپنے مصالح ملکی (یعنی قومی اتحاد کی وجہ سے ملک میں امن وامان) کو مضبوط کیا۔ بلکہ ملک کو بھی آئے دن کے فتنہ وفساد سے نجات دلائی۔

بڈشاہ کیسا بے تعصب اور محب وطن بادشاہ تھا۔ اور اس کی رعایا کیسی صلح جو اور امن پسند اور مختلف مذاہب کے بزرگوں کا احترام کرنے والی تھی۔ آہ! اب یہ صورتیں خواب وخیال ہیں ؎

ہوگئیں شہد تیں گو صورت موج سیراب
خلق کو احسان انکے اب بھی ہیں خاطر نشین

کشمیری پنڈت اور فارسی

انگریزوں کے ابتدائی دور میں مسلمان علماء اور پیر صاحبان نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کے حصول سے جو حکمران قوم کی زبان تھی۔ اور ملک کے ہر حصہ میں سرعت سے پھیل رہی تھی۔ محروم رکھا تھا۔ اور زبان کی اس محرومی کی وجہ سے مسلمان برطانوی عہد حکومت میں اب تک دفتری ملازمتیں نہ حسب خواہش اور نہ تناسب آبادی کے لحاظ سے حاصل کرسکے ہیں۔

بڈشاہ نے جزیہ کی موقوفی ۔سنسکرت لٹریچر کے فارسی ترجمے

Marfat.com

اور اپنے ذاتی حسن سلوک سے ہندؤں میں بہت کچھ ہردلعزیزی حاصل کرلی تھی۔ اور ہندؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات بھی بہت خوشگوار تھے۔ لیکن ابھی تک ایسے ہندو علماء موجود تھے۔ جو ہندؤں کو فارسی کی تعلیم سے جو اس وقت کشمیر کی دفتری زبان تھی۔ اور جس کے حصول کے بغیر کسی ہندو کا کسی سرکاری دفتر میں ملازم ہونا بہت مشکل تھا۔ روکتے اور منع کرتے تھے اور اس کو ملیچھوں کی زبان کہتے تھے۔ اور اس کے پڑھنے والے پر برادری سے خارج کرنے کے فتوے صادر کیا کرتے تھے۔

بڈشاہ نے ہندؤں کو سمجھایا۔ کہ فارسی دفتری زبان ہے۔ اگر تم اس سے الگ رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں تم کو کوئی حصہ نہ ملے گا۔ ملک کی کثیر تعداد مسلمان ہے۔ جو کئی لاکھ تک ہے۔ تمہاری تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں ہے۔ اسلئے فارسی زبان جس کو مسلمانوں نے اپنی مذہبی زبان (عربی) کے بعد دوسرا درجہ دیا ہے۔ اور جو کشمیر میں سوا سو سال سے زیادہ عرصہ سے اور ہندوستان میں کئی سو سال سے دفتری زبان کی حیثیت سے جاری ہے۔ بدلی نہیں جاسکتی۔ اس کے حصول کے لئے تم کو کوئی دقت نہیں۔ تعلیم مفت ہے۔ اور اسکے تمام اخراجات حکومت کے ذمہ ہیں۔ تم بھی مسلمانوں کی طرح فارسی پڑھو۔ اور ملک کے عہدوں میں حصہ لو۔ اور مل جل کر اپنے ملک کی ترقی و فلاح کی تدابیر سوچو۔

چنانچہ اسی زمانہ میں پنڈتوں نے فارسی پڑھنی شروع کی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس قوم میں فارسی زبان کے ایسے ایسے نامور اور عالم پیدا ہوئے کہ بادشاہ نے ان کی قابلیتوں کی وجہ سے ان کو سر

Marfat.com

آنکھوں پر جگہ دی۔ اور وہ اعلیٰ مراتب ان کو عطا کئے۔ کہ ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھے۔ فارسی پڑھنے والے ہندو طلباء کو خاص وظائف ملا کرتے تھے۔ اور ان میں سے بعض نادر طلباء کو خوراک بھی سرکار کی طرف سے عطا ہوتی تھی۔

مختصر التواریخ کشمیر کا مصنف[1] بڈشاہ کی بے شمار خوبیوں بلکہ اس کے احسانات کو جو اس نے ہندو قوم کے ساتھ کئے تھے۔ تسلیم کرنے اور یہ تحریر کرنے کے باوجود کہ "در رعایت فقراء و ضعفاء پرداشت حال رعایا و برایا دقیقہ از شفقت و مہربانی دریغ نہ داخت" بڈشاہ جیسے نیک دل اور نیک نیت بادشاہ پر یہ حملہ کرتا ہے۔ کہ اس نے پنڈتوں کو فارسی کی تعلیم کی تحریک محض اس لئے کی کہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کر دیا جائے۔ اور ان کو بام عروج سے قعر مذلت میں گرا دیا جائے۔ چنانچہ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔ "سلطان زین العابدین در فکر کار افتاد کہ این رئیشران و ریاضت کیشان بچہ عنوان ازیں درجہ برانداز م۔ بمرور ایام چند نفر برہمن را بدولت دنیا خام طمع ساختہ۔ بہ خواندن علم فارسی مشغول ساخت و بہ خوردن نان شبانہ عادی کرد۔ تا اینکہ اندک اندک ہمگی خواص و عام بہ طمع دولت ناپائیدار کہ یک جا قرار ندارد۔ راغب و مائل گردیدند۔ و طریقہ دیگر بروئے کار آمد۔ و قانون قدیم اختلاف پذیر رفت۔ و ہر کس از درجہ ریاضت افتادہ بہ دام حرص و ہوا در افتاد"

مختصر التواریخ کے مصنف نے بڈشاہ کی رواداری پر جو زہر ملی

---

[1] پنڈت بیربل کاچرو۔ بہ عہد مہاراجہ گلاب سنگھ بانی حکومت ڈوگرہ

Marfat.com

ڈالی ہے۔ وہ دیکھ چکے ہو۔ اب گلزار کشمیر کے ہندو مصنف کی
رے بھی ملاحظہ فرمائیے۔ جس نے اس امر پر کچھ روشنی ڈالی ہے۔ کہ
دشاہ نے پنڈتوں کو کیوں علم فارسی کی طرف رغبت دلائی۔ وہ
لکھتا ہے۔ کشمیر کے علاوہ ہندوستان کے اکثر لوگ کشمیر کے برہمنوں
کی ان کے کمالات علم کی وجہ سے جو راجگان قدیم کے زمانہ میں ان
کو حاصل تھا۔ عزت و تکریم کرتے اور "از نقود و اجناس" ان کی خدمت
کیا کرتے تھے۔ جب دولت اسلامیہ کشمیر پر قابض ہوئی تو امراء
لوگ انقلاب سلطنت کی وجہ سے برہمنوں کی خدمت، و خاطر اچھی
طرح نہ کر سکے۔ یہی باعث تھا کہ اہل علم رفتہ رفتہ علم سے بھی اور
دولت سے بھی بے بہرہ ہو گئے۔ اور چونکہ محنت و جفاکشی کی ان کو
عادت نہ تھی۔ اس لئے ان کی گذر اوقات مشکل سے ہوتی تھی۔ بادشاہ
کے حسن سلوک کی تعریف سن کر مہاجر کشمیری پنڈت کی ایک کثیر جماعت
کشمیر میں واپس آ گئی تھی۔ اور ہر چند بادشاہ نے ان کو سر آنکھوں پر جگہ
دی تھی۔ تاہم بہت سے لوگ مالی حیثیت سے امداد کے قابل تھے۔ بادشاہ
نے جوگی لنگر میں نادار و محتاج برہمنوں کا انتظام کیا۔ اور حکم دیا کہ برہمن
لوگ بھی علوم مروجہ (فارسی) حاصل کریں، سرکار ان کو ان کی قابلیتوں
کے موافق کوئی نہ کوئی خدمت سپرد کر دے گی۔ چنانچہ صاحب گلزار کے چند
اصل الفاظ ذیل میں درج ہیں۔ "سلطان تغیر گذران این جماعت نہ
پسندیدہ از ناقابلیت محنت کشی و بار برداری کہ در تعیش عادات
سعی بادو نداشتند بہ تکفر چارگری در تعلم علم فارسی بہ محاسبہ
طومار و کرہا مائل گردانیدہ بر ہر یکے را فراخور حوصلہ و طریع وا بمی
بہ کارے منسوب نمودہ تقسیم رزق کردہ داد"

Marfat.com

شارٹ ہسٹری آف کشمیر ایک تازہ تصنیف ہے۔ جو اس عہد میں لکھی گئی ہے۔ جبکہ ملک میں فرقہ دارانہ اختلافات ترقی پر ہیں۔ اور کوئی قوم دوسری قوم کے کسی مذہبی بزرگ یا دنیاوی بادشاہ کی نیکی اور اس کے احسانات کو تسلیم کرنا اپنی بلکہ اپنے مذہب کی کمزوری محسوس کرتی ہے۔ اس تصنیف میں جو ایک کشمیری پنڈت[1] کی تصنیف ہے۔ لکھا ہے "زین العابدین کی متبرک بارگاہ ہمارے دلوں میں ہے جو کچھ اس نے کیا دانائی اور مآل اندیشی سے کیا۔ اس کے تاج کے نیچے قابلیت ہی قابلیت چھپی ہوئی تھی۔ اس کے عہد میں ہر کسی کو مذہب کی آزادی حاصل تھی۔ ہندوؤں نے اس کے مبارک دور میں (فارسی تعلیم حاصل کرنے کے بعد) اعلیٰ سے اعلیٰ سرکاری ملازمتیں حاصل کیں"۔

پنڈتوں کے دو فرقے

پنڈتوں میں جن لوگوں نے دفتری زبان (فارسی) حاصل کر کے نوکریاں کر لیں۔ ان کا نام "کارکن" مشہور ہو گیا۔ جو مذہبی کام کرتے رہے ان کو باچھ بیش کہنے لگے۔ بڈشاہ کے عہد میں کارکن پنڈتوں کا دفتری اقتدار پر بہت کچھ عمل دخل ہو گیا تھا۔ اور افغانوں کے عہد میں ہر چند کہ بے آئینی و مظالم کا دور دورہ تھا۔ تاہم اس زمانہ کی تاریخ بھی اس قسم کی شہادتیں پیش کر رہی ہے۔ کہ کارکن پنڈتوں نے جن کی بنا بڈشاہ نے کئی سو سال پیشتر رکھی تھی۔ دفتری اقتدار یعنی ملک کے اعلیٰ عہدوں پر بہت کچھ قابو پا لیا۔

---

[1] پنڈت گواشہ لعل۔ یہ تاریخ نہایت مختصر ہے۔ اور انگریزی زبان میں ہے۔ سال تصنیف ۱۹۳۲ء صفحہ ۲۶، ۲۷

Marfat.com

۔ خود کابل میں نند رام ایک معزز کشمیری نے وہ عروج حاصل
یا کہ آج تک "سکہ زودر کابلستان نند رام" مشہور چلا آتا ہے۔
پنڈتوں کے یہ دونوں فرقے آج تک موجود ہیں۔ اور تعجب
ہے کہ ان کا باہمی اختلاف بھی آج تک نابود نہیں ہوا۔
یاں تک کہ ایک دوسرے کے ساتھ یہ شادیاں بھی نہیں کرتے۔

دشاہی دربار کے پنڈت ارکان

پنڈتوں نے بادشاہی دور ہی میں فارسی زبان
ں طرف توجہ کی، اور اپنی ذہنی قابلیتوں کی وجہ سے اسی زمانہ میں
علیٰ اعلیٰ عہدوں پر پہونچ سکے ہیں۔ ان کی فہرست ذیل میں
رج ہے۔

۔ پنڈت شری بٹ حکیم شاہی
۔ پنڈت زونہ راج مترجم و مؤرخ
۔ پنڈت بودی بٹ مترجم
۔ پنڈت سداشیو بایو۔ جوتشی منجم
۔ پنڈت گوپال کول۔ صدر قانون گو کشمیر
۔ پنڈت مادھو کول۔ قانون گوئے کامراج
۔ پنڈت گنیش کول۔ قانون گوئے مراج
۔ سوم پنڈت مصاحب وشاعر و مترجم
۔ ان میں سے چند ایک کے حالات بادشاہی درباریوں کی
یل میں لکھے جاتے ہیں۔

گاؤکشی بند اور ستی کا اجراء

گائے کا گوشت مسلمانوں کے مذہب میں حلال

Marfat.com

و جائز ہے۔ چنانچہ مسلمان سلاطین کے عہد حکومت کے ساتھ ہی کشمیر میں گاؤکشی بھی شروع ہوگئی تھی۔ بڈشاہ نے اپنی محکوم رعایا کے ایک فرقے کے تالیف قلوب کی خاطر اور زراعتی کار وبار کو ترقی دینے کے لئے ممالکہ محروسہ میں گاؤکشی کی ممانعت کے احکام جاری کر دیئے۔ اور نہ صرف یہی کام کیا بلکہ رسم ستی کو بھی جو ہندوؤں میں زمانہ قدیم سے چلی آتی تھی اور سابق سلاطین اسلام نے اس کو ایک ظلم سمجھ کر بند کر دیا تھا۔ اور خود زین العابدین بھی اس کے دوبارہ اجراء پر راضی نہ تھا۔ صرف ہنود کشمیر کی خاطر اس نے اس رسم کو جو فی الواقع صریح ظلم تھی دوبارہ جاری کر دیا۔

ممکن ہے گاؤکشی کو بند کرنے کے متعلق اس زمانہ کے علماء نے بادشاہ کے اس فرمان کو مذہب اسلام میں دخل اندازی کا مترادف سمجھا ہو اور اس پر ناراضگی کا اظہار کیا ہو۔ لیکن بادشاہ جو صلح کل تھا۔ اور سمجھتا تھا کہ ذبیحہ گاؤ کے حلال ہونے کے باوجود اسلام نے یہ کہیں حکم نہیں دیا کہ مسلمان اگر گائے کا گوشت نہیں کھائے گا۔ یا اس کی قربانی نہیں دے گا تو وہ مسلمان نہیں رہے گا۔ اس لئے اس نے علمائے وقت کو ایک ہمسایہ اور ماتحت قوم کے مذہبی جذبات کے احترام کی طرف ضرور توجہ دلائی ہوگی۔ اور علمائے اسلام نے بھی ہمسایہ قوم کی دلداری کی وجہ سے بادشاہ کی ملکی مصلحتوں کو سمجھ لیا ہوگا۔ خصوصاً جبکہ ذبیحہ گاؤ کے کھانے کے بغیر بھی ایک مسلمان مسلمان رہ سکتا ہے۔

Marfat.com

ایک مسلمان درباری کو عبرت ناک سزا

بادشاہ کے مقربوں اور مصاحبوں میں ایک مسلمان تھا۔ جس کو شراب پینے کی عادت تھی۔ ایک مرتبہ شراب کے نشے میں اس نے ایک پنڈت کو اس قدر زدوکوب کیا کہ اس کی جان ہی نکل گئی۔ پنڈت کے وارثوں نے بادشاہ کے پاس فریاد کی۔ بادشاہ نے مقدمہ کو قاضیوں اور ججوں کے پاس بھیجنے کے بجائے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اور اس کے وارثوں کے بیان اور گواہی کی شہادتیں لے کر حکم دیا کہ اس کی نیت اس کو ہلاک کرنے کی نہیں تھی۔ شراب کے نشے میں اس نے متوفی کو کوئی ایسی ضرب لگائی ہے جس سے وہ بچ نہیں سکا۔ اس لئے اس کو پھانسی تو نہیں دیا جا سکتا۔ البتہ اس روسیاہ کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں پھروایا جائے۔ تاکہ اس کی شراب نوشی کا انجام اور تقرب شاہی کے گھمنڈ میں اپنی اس حرکت قبیحہ کا نتیجہ معلوم ہو جائے۔ اور باقی لوگ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں

خوبیئے اخلاق کاں دنیا و دیں را زیور است
با فقیری خوش بود با بادشاہی خوشتر است

بادشاہ پا برہنہ ایک برہمن کے مکان پر

مؤرخین ہنود لکھتے ہیں۔ ایک کشمیری شہزادہ کشتی میں سوار ہو کر دریا کی سیر کر رہا تھا۔ جیسے

از کلمن تاریخ کشمیر جلد دوم مصنفہ راقم الحروف و حکایت کشمیر۔ مصنفہ پنڈت ہرگوپال کول ●

Marfat.com

عالی کدل پر پہونچا۔ تو ایک پنڈتانی کو جو غارت گر ہوش و حواس تھی۔ دریا کے گھاٹ پر پانی بھرتے ہوئے دیکھا۔ جب اس نے گھڑا سر پر رکھا تو شہزادہ نے گھڑے کو "غلیلہ" کا نشانہ بنایا۔ جس سے گھڑا ٹوٹ گیا۔ لیکن پانی اس کے سر پر برابر معلق رہا۔ جب وہ گھر گئی اور اس نے اپنے خاوند کو واقعہ سے آگاہ کیا۔ تو اس نے جل کر بد دعا دی کہ اے ایشور جس نے یہ حرکت کر کے مجھے رنج پہونچایا ہے۔ اس کے سینہ میں ایسا درد اُٹھے کہ وہ تڑپ تڑپ کے اپنے اس فعل مذمومہ کی سزا بھگتے۔

مؤرخین خود لکھتے ہیں۔ شہزادہ ایسا بیمار ہوا کہ جان کے لالے پڑ گئے۔ جب بادشاہ کو اصل معاملہ سے آگاہی ہوئی۔ تو وہ پابرہنہ برہمن کے گھر گیا۔ اور معذرت طلب کر کے دعائے صحت کا طلب گار ہوا۔ برہمن نے بادشاہ سے کہا۔ کہ بادشاہ اور شہزادے جب اپنی رعایا کی بہو بیٹیوں کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے۔ تو غریب رعایا کا کہاں ٹھکانا ہو سکتا ہے۔ آخر برہمن نے شاہزادے کی صحت کے لئے دعا مانگی۔ جو بارگاہ حقیقی میں قبول ہوئی۔ بادشاہ کے دل پر اس واقعہ نے بڑا اثر کیا۔ اور وہ رعایا اور خصوصاً ہندوؤں کی دل جوئی میں اور بھی سرگرمی سے کام لینے لگا۔

بڈشاہ اور امرناتھ یاترا

اس کا قدیم سنسکرت نام امریشور اور کشمیری نام امرناتھ ہے۔ یہ ایک ایسا تیرتھ ہے۔ جہاں نہ صرف کشمیری بلکہ پنجابی۔ مدراسی۔ بنگالی اور ہندوستان کے دوسرے حصص کے لوگ بھی یاترا کے لئے آتے تھے۔ امرناتھ ایک مرتفع (گپھ) کا نام ہے۔ جو اسلام آباد سے پانچ منزلوں

یا پانچ کے راستہ پر واقع ہے۔ یہ مقام ۱۲۳۰۰ فٹ کی بلندی پر ایک برفانی چوٹی کے جنوبی پہلو میں ہے۔ اس غار کے اندر سفید برف کا ایک بہت بڑا ٹکڑا اس پانی کے انجماد سے بنا ہوا موجود رہتا ہے۔ جو چٹان سے رستا رہتا ہے۔ ہندو اسے شو امریشور کا مجسمہ خیال کرتے اور شولنگ تصور کرکے پوجتے ہیں۔ اور اس کے درشنوں کو باعث خیر و برکت سمجھتے ہیں۔ باوجود اس شہرت کے راج ترنگنی (کلہن پنڈت) اور نیل مت پران میں اس اعظم ترین تیرتھ کے بہت کم حوالے آئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوتا ہے۔ اس زمانہ میں اس کی اس قدر شہرت نہ ہوگی۔ اور نہ کبوتروں کا جوڑا کہیں سے نکلتا ہوگا۔ جیسا کہ آج کل کے زائرین (یاتری) ان کی شہادت دیا کرتے ہیں۔

مسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلا بادشاہ بڈشاہ ہے جو ہندوؤں کے اس متبرک تیرتھ پر پہنچا ہے۔ چنانچہ زونراج نے اپنی راج ترنگنی[1] میں لکھا ہے کہ سلطان زین العابدین اس تیرتھ کی یاترا کے لئے تمام مشکلات کو عبور کرکے وہاں پہنچا تھا۔

بادشاہ ہندوؤں کے میلوں اور تیرتھوں پر جایا کرتا تھا۔ اور اپنی شمولیت سے ان کی رونق کو دوبالا کیا کرتا تھا۔ افسوس ہے امرناتھ کی شاہی یاترا کے مفصل حالات نہیں مل سکے۔ ورنہ معلوم ہوسکتا کہ کس جاہ و جلال سے اور کس ساز و سامان کے ساتھ وہ

---

[1] بمبئی ایڈیشن شلوک ۱۲۳۳ بحوالہ راج ترنگنی اردو ترجمہ۔

Marfat.com

وہاں گیا ہو گا۔ بادشاہ کے یاترا پر جانے سے اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے۔ کہ کلہن پنڈت یا راجہ جے سنگھ کے زمانہ میں امرناتھ کی بہت زیادہ شہرت نہ تھی۔ تاہم بڈشاہ کے زمانہ میں یہ اس قدر مشہور تھا۔ کہ خود بادشاہ وہاں یاترا کے لئے گیا تھا۔

شارداتیرتھ اور بڈشاہ

ہندؤں کا یہ مشہور تیرتھ کمراز کی طرف دریائے کشن گنگا کے دائیں کنارہ پر ضلع مظفر آباد کی تحصیل کرناہ میں واقعہ ہے۔ اور بہت قدیم زمانہ سے مشہور ہے۔ چنانچہ البیرونی (بزمانہ محمود غزنوی) نے اپنی کتاب الہند ہیم چندر کے مصنف دیا۔ کرن کلہن نے راج ترنگنی میں اسی طرح جونراج اور اس کے بعد کے مصنفوں اور فارسی مؤرخوں ابوالفضل (بزمانہ اکبر) وغیرہ سب نے اس کا ذکر کیا ہے۔

زونراج یا جونراج کی ایک تحریر کے مطابق معلوم ہوتا ہے۔ کہ سلطان زین العابدین بھی اس تیرتھ کی یاترا کے لئے آیا تھا۔ سٹین صاحب نے راج ترنگنی کے انگریزی ترجمہ میں لکھا ہے۔ کہ بادشاہ غالباً ۱۴۲۲ء میں اس مندر کی زیارت کے لئے گیا تھا۔

اُس زمانہ کے مشکل ترین راستوں پر غور کرو۔ پہاڑوں کی عظیم رفعت کو جہاں برف کے تودے لگے رہتے ہیں۔ دیکھو۔ دریاؤں اور ندی نالوں کی طغیانیوں پر نظر ڈالو۔ اور بادشاہ کی مستعدی اور دلوں پر حکومت کرنے کی پالیسی

Marfat.com

پردھیان کرو۔ اور پھر بتاؤ۔ کیا ایسی مثالیں آج بھی مل سکتی ہیں۔

مسجدیں اور پنڈت اور قشقہ

سلطان بُت شکن اور بادشاہ کے زمانہ میں ہندؤں کو مسجدوں میں داخل ہونے بلکہ ان سے چھو جانے تک کی سخت ممانعت تھی۔ بادشاہ نے یہ سختی ہٹادی۔ اور حکم دیا کہ ہندؤں کو بشرط طہارت مسجدوں میں داخل ہونے اور انکے صحنوں میں پھرنے اور ان کے دیکھنے کی عام اجازت ہے۔ کوئی پنڈت سلطان بُت شکن اور سلطان علی شاہ کے زمانہ سے نہ اپنے آپ کو علانیہ ہندو کہہ سکتا تھا۔ اور نہ اپنی پیشانی پر قشقہ لگا سکتا تھا۔ جو ان کا قدیم دستور تھا)۔ بادشاہ نے پنڈتوں سے اس مصیبت کو بھی دور کیا۔ اور کھلے بندوں ان کو ہندو کہلانے اور قشقہ لگانے کی اجازت عطا کی۔ علاوہ ان مراعات کے جرمانہ پیش کش نذرانہ جو سلطان بُت شکن کے زمانہ سے جاری تھا۔ معاف کردیئے۔

ہندؤں کے لئے ہندو عدالتیں

ہندوؤں اور مسلمان مصنفوں اور مؤرخوں نے بادشاہ کی اس انصاف پروری کی سنہری الفاظ میں داد دی ہے۔ کہ اس نے ہندوؤں کے مذہبی مقدمات کے تصفیہ کے لئے ہندو جج اور مسلمانوں کے مذہبی مقدمات کے لئے قاضی مقرر کر رکھے تھے۔ اور جب مدعی اور مدعا علیہ ہندو اور مسلمان ہوتے تھے۔ تو ان کے مقدمات کا تصفیہ دو جج مل کر کرتے تھے۔ جن میں ایک ہندو ہوتا تھا۔ ایک مسلمان۔ یہ وہ انصاف ہے۔ اور وہ عدل ہے کہ آج

ؒ طبقات اکبری۔ سال تصنیف سنہ ۱۰۰۱ھ

Marfat.com

بھی ہندوستان کو کامل طور پر نصیب نہیں ہو سکا۔

شکار سے نفرت اور گوشت سے پرہیز

بادشاہ کو باوجود ایک عظیم الشان اور فاتح و کامران بادشاہ ہونے کے شکار سے جیسے اورنگ زیب نے بھی "کار بیکاران" لکھا ہے۔ کوئی رغبت نہ تھی۔ شکار سے جو خرابیاں انسانوں اور حیوانوں پر آتی ہیں۔ وہ سب اس کے پیش نظر تھیں۔ صدہا انسان شکار کو گھیرنے اور شور مچانے کے لئے ہمراہ ہوتے۔ ان میں سے کئی ایک رستے کی خرابیوں اور پہاڑوں کے نشیب و فراز کی نذر ہو جاتے۔ پھر ان غریبوں کا جو ہرج اور نقصان ہوتا۔ وہ اس کے علاوہ تھا۔ میدانی فیاض نے اس کے پہلو میں ایک دردمند دل رکھا تھا۔ اس نے شکار کو نہ صرف خود ترک کیا۔ بلکہ اس خیال سے کہ اس کی رعایا کا ایک گروہ (طبقہ ہنود) شکار سے نفرت رکھتا ہے۔ اس نے کشمیر میں شکار کی قطعی ممانعت کر دی۔ بعض بعض ہندو تقریبوں اور تیوہاروں پر وہ گوشت بھی ترک کر دیا کرتا تھا۔

رفاہ عام دان اور دھرم نتبل

بادشاہ نے سوپور (حال ہیرپور) واقعہ دیتہ پیر پنچال میں جو شوپیان سے تھنہ و راجوری کے رستے میں ایک پڑاو ہے۔ اور اپنے تاریخی واقعات کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ کچھ مواضعات اس کام کے لئے وقف کر رکھے تھے۔ کہ ان کی مواضعات سے مسافروں کو جو پنجاب یا گرد و نواح سے کشمیر

Marfat.com

میں آیا کریں۔ بلا امتیاز (ہندو مسلمان) مفت کھانا ملا کرے۔ ہیرپور میں بادشاہی لنگر موجود رہتا تھا۔ اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے علیحدہ علیحدہ انتظام ہوتا تھا۔ اس دان یا فیاضی کا نام شریدر نے اپنی راج ترنگنی میں "ان ستر ادھین" لکھا ہے۔

وُلر میں پھل سنگھاڑہ بہ افراط پیدا ہوتی ہے۔ اس کے چاروں ساحل اس پھل کی پیداوار سے لبریز رہتے ہیں۔ بڈشاہ نے تمام پھل کو غریب غرباء کے لئے وقف کر دیا۔ اور نام اس کا دھرم منبل رکھا۔ چنانچہ تاریخ حسن میں لکھا ہے۔

"ازابتدائے عہد بڈشاہ تاحال وقف عام است۔ آں را دھرم منبل سے گویند" لیکن اس کا جنوبی و غربی حصہ اب مدت سے ضبط سرکار ہے۔ "آنکہ درنواحیٔ غرب و جنوب می رود از قدیم ضبط سرکار"۔

بڈشاہ ہندوؤں پر کیوں مہربان تھا؟

ہندو مورخوں اور ہندو کی تقلید میں مسلمان مؤرخوں نے ہندوؤں پر شاہی مراعات مبذول رہنے کے متعلق عجیب و غریب حکایتیں لکھی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ سلطان ابتدائے عہد میں ہندوؤں پر چنداں ملتفت نہ تھا۔ لیکن ایک دفعہ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ تو شری بھٹ اور دیگر اطبائے نامدار کی تمام تدابیر کے باوجود بھی اُسے آرام نہ آیا۔

۱ آخر شری بھٹ اور بودی بھٹ ایک باکمال جوگی کے پاس

Marfat.com

گئے۔ جو علم سیمیا میں یگانہ روزگار تھا اور کشمیر کے ایک گوشہ میں رہتا تھا۔ بادشاہ کی بیماری کا حال اس سے عرض کیا۔ جوگی نے کہا۔ مرگ سلطان سے چارہ نہیں۔ تقدیر کو کوئی ٹال نہیں سکتا ؎

وہ مقدر ہوں کہ ٹل سکتا نہیں
جو ہے پیش آنی وہ پیشانی ہوتی ہے

البتہ ایک صورت ہے کہ قدرت بھی اپنا کام کرے۔ اور بادشاہ بھی زندہ رہ سکے۔ اور اس کی تدبیر یہ بتائی۔ کہ جب بادشاہ کا دم نکل جائے۔ تو میں اپنے خاص عمل کے ذریعہ روح اپنے قالب سے نکال کر۔ اس کے قالب میں ڈال دوں گا۔ جب میری روح سلطان کے بدن میں منتقل ہو جائے۔ تو میرے قالب کو حفاظت و احتیاط سے تھام کر میرے اصلی آسن پر لے آؤ۔ تاکہ سلطان کو صحیح و تندرست بلکہ زندہ کر کے میں پھر اپنی اصلی حالت پر آجاؤں۔ چنانچہ جوگی کو اس کے شاگردوں سمیت بادشاہ کے دونوں مصاحب بادشاہ کے پاس لے آئے۔ جب بادشاہ کا مرغ روح اس کے قفس عنصری سے پرواز کر گیا۔ تو جوگی نے اپنا عمل شروع کیا۔ اپنی روح اس کے قالب میں ڈال دی۔ اس کے شاگرد نے امراء سے کہا کہ اپنے بادشاہ کو جاکر دیکھ لو۔ وہ اب صحیح و سالم موجود ہے۔ اور میں اب اپنے استاد کو معالجہ کے لئے اپنے استھان میں لئے جاتا ہوں۔

وجیز التواریخ کے مصنف نے استھان میں لے جانے

Marfat.com

سے اختلاف کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ مصاحبوں نے جوگی کے قالب کو ہندو رسوم کے مطابق جلا دیا۔ اس واقعہ کے بعد بادشاہ ۴۲ سال تک عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا۔ اور ہندوؤں کے بے غرضانہ محبت و خدمت کا اس کے دل پر محکم و پائیدار اثر پڑا۔

ہندو مؤرخین کا خیال ہے کہ چونکہ نئے زین العابدین میں ایک ہندو کی رُوح موجود تھی۔ اس لئے قدرتاً اُسے ہندوؤں سے محبت تھی۔ سشارٹ ہسٹری آف کشمیر کا ہندو مصنف بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ اور لکھتا ہے" لوگوں کا عام خیال ہے۔ کہ اس بڑی شخصیت میں ہندو رُوح حلول کر گئی تھی۔ جو اس کو ہندو کی طرف راغب کرتی رہتی تھی۔

لیکن ارباب دانش سے مخفی نہیں ہے کہ رُوح ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل نہیں ہو سکتی۔ البتہ مرض کا منتقل ہو جانا قرین قیاس ہے۔ جیسا کہ بابر کی موت اور ہمایوں کی بیماری کا حال سب لوگ جانتے ہیں۔ کہ دونوں باپ بیٹا سخت بیمار تھے۔ بابر نے خلوص دل سے خضوع و خشوع کے ساتھ دُعا مانگی۔ بار الہا ہمایوں کی جس قدر بیماری ہے وہ بھی میری بیماری میں شامل کر کے اس کو صحت و تندرستی عطا فرما۔ دُعا دل سے نکلی تھی اثر کر گئی۔ بابر زیادہ بیمار ہو گیا اور ہمایوں تندرست ہونے لگا یہاں تک کہ تیسرے ہی دن بابر کا انتقال ہو گیا۔

Marfat.com

قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ جوگی اور بادشاہ کا معاملہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔

بہرحال ہندو اس کے احسانات عظیمہ کے قائل و معترف ہیں۔ اور اس کی انصاف پروری رعایا پروری اور علم دوستی کا شکرگزاری اور احسانات کے ساتھ ذکر کرتے رہتے ہیں۔

راجہ راجور کی بیٹی اور بادشاہ

صاحب "اسلامک کلچر ان کشمیر" لکھتے ہیں۔

"راجوری کے راجہ سنذر سین نے جس کی تخت نشینی کا سال سنہ ۱۴۵۰ء بتایا جاتا ہے۔ اپنی بڑی لڑکی راجیہ دیوی بادشاہ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی۔ بادشاہ اُس وقت جھیل وُلر کی سیر کر رہا تھا۔ ڈولی اور ڈولی کا جلوس معہ کنیزگان وہیں پہونچا۔ بادشاہ نے دیکھ کر فرمایا کہ کس مائی کا ڈولی ہے۔ جو واقف کار تھے انہوں نے واقعہ عرض کیا۔ بادشاہ نے فرمایا جس کو ماں کہہ دیا ہے اُس کو بطور بیوی کس طرح قبول کر سکتا ہوں۔ بادشاہ نے اس خیال سے کہ "ڈولہ" واپس بھیجنے میں راجہ کی ہتک ہوگی۔ راجیہ دیوی کو حرم میں بھجوادیا۔ جہاں ہمیشہ اس کی خدمت میں وہ ایک بیٹے کی حیثیت سے حاضر ہوتا رہا۔

اسی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ رانی بادشاہ کا یہ حسن سلوک دیکھ کر تھوڑے عرصہ کے بعد مسلمان ہوگئی۔ اور اس نے بادشاہ کی اجازت سے اپنی یادگار کے طور پر نالہ ماریر راجوری کدل یا راجویری کدل کے نام سے ایک پُل تعمیر کیا۔

Marfat.com

صاحب اسلامک کلچر نے یہ واقعہ "جرنل آف دی پنجاب ہسٹوریکل سوسائٹی" سے لیا ہے۔ لیکن جیسا کہ "شبابِ کشمیر" کے صفحہ ۱۹ کے حاشیہ ۲ میں لکھا جا چکا ہے۔ والیان راجوری بقول توزک جہانگیری فیروز شاہ خلجی کے زمانہ میں اور بقول مصنف راجگان راجور شہاب الدین غوری کے زمانہ میں یعنی بادشاہ کے زمانہ سے بہر حال، کئی سو سال پیشتر اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس لئے راجوری کی شہزادی کو جو بادشاہ کی زوجیت کے لئے بھیجی گئی تھی۔ ایک ہندو راجکماری تصور کرنا تاریخ کی رُو سے بہت مشکل ہے۔

اس قسم کی کئی نظیریں ملتی ہیں۔ کہ ماتحت راجگان اور ماتحت مسلمان بادشاہوں نے جلیل القدر مہاراجوں اور شہنشاہوں کے پاس اپنی بیٹیاں بھیجی ہیں۔ ممکن ہے۔ راجوری کے مسلمان راجہ نے بھی بادشاہ کی خوشنودی مزاج کے لئے یہ پیشکش بھیجی ہو۔ اور بادشاہ نے جو نہایت متقی و پرہیزگار تھا اُسے زوجیت میں تو نہ قبول کیا ہو۔ البتہ شاہی محلات میں داخل کرا دیا ہو۔

ایک نو عمر اور پری چہرہ شہزادی کے پاس جو "بیوی" بننے کی خاطر بادشاہ کے حضور میں بھیجی گئی تھی۔ ہمیشہ ایک فرمانبردار بیٹے کی حیثیت سے جانا بادشاہ کے اخلاق حسنہ اس کی مقدس زندگی اور اس کے صفائے قلب کی ایک نادر مثال ہے۔ اور یقیناً اس کا ہندوؤں پر بھی بڑا اثر ہوا ہوگا۔

Marfat.com

گیارھواں باب

علم موسیقی اور بادشاہ

بادشاہ کا دربار معجون مرکب تھا۔ جس میں ہندو مسلمان دونوں قوموں کے صاحب کمال موجود تھے۔ اس کی فیاضی و سخاوت اور اس کی قدر دانیوں اور ہنر پروریوں کی شہرت سن کر ہندوستان کے علاوہ خراسان و بغداد تک سے ارباب کمال کھچے چلے آتے تھے[1]

[1] انفرادی حیثیتوں کے علاوہ اجتماعی صورتوں میں بھی کئی لوگ بادشاہ کے دربار میں آ گئے۔ مثلاً ایک میر توم ہے۔ جس کے بزرگ خراسان و ترکستان سے اس جنت نظیر ملک میں آئے۔ یہ لوگ

Marfat.com

بادشاہ کی موسیقی سے دلدادگی

مشائخ کبار اور علمائے کرام بھی اس کے دربار میں موجود تھے۔ جوگیان باصفا اور سنیاسیان بے ریا بھی اس کے دربار کی زینت تھے۔ شاعران جادو بیان بھی بزم شاہی کی رونق تھے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ

دراصل مرزا یعنی مغل تھے۔ جیساکہ صاحب تاریخ حسن لکھتے ہیں۔ "لفظ میر دراصل مخفف لفظ میرزا است" لوگوں نے بہ مرور ایام اس میں تغیر و تبدل کر کے اس کو میر بنا دیا۔ یہ لفظ سادات و مغول میں مشترک ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ سادات اس کو نام کے پہلے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے میر مبارک، میر مقبول۔ اور مغل نام کے بعد لکھتے ہیں۔ جیسے عزیز میر، غفار میر۔ صاحب حسن لکھتے ہیں" لیکن بعضے مغلان از روئے تعظیم نام میر اوّل می گویند" چنانچہ میر نازک قادری" پنجاب میں بھی اب یہ رواج ہو چلا ہے۔ چنانچہ حاجی میر شمس الدین (لاہور) میر امیر بخش اینڈ سنز (مالکان کریمی پریس لاہور) میر رحمت اللہ ہمایوں کابل (فرزند حاجی میر شمس الدین صاحب) میر کریم بخش (پشاور) خان بہادر ڈاکٹر میر ہدایت اللہ (امرتسر) اور ان کا تمام خاندان اور میر کرامت اللہ میر امرتسری۔ سب کے ناموں کے ساتھ از روئے تعظیم لفظ میر پہلے لکھا جاتا ہے۔

دوسری قوم ختائی ہے۔ جو خراسان کے (باقی صفحہ آئندہ پر)

Marfat.com

اور صانع وکاریگر اور دیگر اہل صنعت نے بھی اس کی سرپرستی کے دامن میں پرورش پاکر اپنے کمالات سے اس کی شہرت کو چار چاند لگا رکھے تھے۔ انہی میں علم موسیقی کے ماہر بھی تھے۔ اور بڈشاہ چونکہ خود موسیقی کا بڑا شائق بلکہ کئی سازوں کا موجد تھا۔ اس لئے دیگر اہل علوم وفنون کے ساتھ موسیقی کے جاننے والوں کی بھی بڑی قدر ہوتی تھی۔ چنانچہ صاحب طبقات اکبری لکھتے ہیں "سلطان زین العابدین ہر قسم کے علوم وفنون کا سرپرست تھا۔ علم موسیقی میں وہ بڑا ماہر تھا۔ اس کی سخاوتوں کے قصے سن کر اطراف واکناف سے کئی قسم کے باکمال کشمیر میں جمع ہو گئے تھے۔[1] غرض ؎

ہر طرف سے آتے تھے کچھ کچھ کے کیا کیا اہل ذوق
اہل علم اہل ہنر اور اہل تقوے اہل دین

بادشاہ موسیقی کا اس قدر دلدادہ تھا۔ اور اس سے اس قدر

بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ۔

نواحی موضع عیشاور سے اپنے اہل وطن کی قدر دانیوں کی خبریں سن کر کشمیر آئے۔ بادشاہ نے ان کی قابلیتوں کی وجہ ان کو اپنے مصاحبوں میں جگہ دی۔ ان کو عیشاوری بھی اور عشائی بھی کہتے ہیں۔ حاجی مختار شاہ عشائی کشمیر میں اس خاندان کے رئیس گزرے ہیں۔ خواجہ اکبر شاہ عشاوری رئیس وسوداگر کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ان کے فرزند خواجہ الوزشاہ موجود ہیں۔ خواجہ غلام احمد عشائی جو کشمیر کے سب سے پہلے مسلمان گریجویٹ ہیں۔ اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

[1] ترجمہ

حضور ہو چکا تھا کہ جب کبھی وہ مطربوں سے خوش ہوتا تو ان کو بیش قیمت انعام واکرام دیتا۔ اور ان میں جو زیادہ ماہر ہوتے ان کو درباری گویا مقرر کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتا۔ لکھا ہے کہ مطربوں سے خوش ہو کر اس نے کئی مرتبہ ان کے آلات موسیقی (مثلاً بین، رباب) سونے سے آراستہ کرا دئے۔ اور ان کو زر سے لبریز کرا دیا[1] صاحب وجیز التواریخ نے بھی بادشاہ کی سرپرستی اور حوصلہ افزائی کا ذیل کے الفاظ میں ذکر کیا ہے۔ "سلطان کو ساز وسرود سے بھی بہت رغبت تھی۔ وہ اس فن کو خوب جانتا اور راگ کی ماہیت کو خوب سمجھتا تھا۔ ملا عودی اور ملا جمیل کہ علم موسیقی میں صاحب التصانیف اور کئی راگ راگنیوں کے بانی تھے۔ اس نے خراسان سے بلوائے اور ان کو انعامات سے سرفراز کیا[2]"

کشمیر میں موسیقی کے مدارس

ابوالفضل کے قول کے مطابق ایرانی، تورانی راگی بھی اسکے دربار میں موجود تھے۔ ان میں سے بعض نے کشمیر میں موسیقی کے مدارس جاری کئے۔ اور جب انہوں نے بادشاہ کے حضور میں ان مدارس کی سرپرستی کی درخواستیں کیں۔ تو بادشاہ نے جو فقہ وحدیث اور تفسیر کے مدارس کا بھی مربی تھا۔ اور فارسی زبان کی درسگاہوں کا بھی معاون تھا۔ فنون لطیفہ کی اشاعت

---

[1] اسلامک کلچر ان کشمیر (انگریزی) صفحہ ۲۲۴
[2] اصل فارسی میں ہے۔ یہ ترجمہ ہے۔

Marfat.com

کا خیال رکھتے ہوئے موسیقی کے مدارس کی بھی سرپرستی و امداد قبول فرمائی۔

ان مدارس میں سے چند ایک سرینگر ہی میں تھے۔ اور گو نہ ابوالفضل نے اور نہ صاحب تاریخ فرشتہ نے ان کا محل وقوع بتایا ہے۔ تاہم قیاس یہ کہتا ہے کہ یہ مدارس نوشہرہ کے قریب و جوار میں ہوں گے۔ جو بڈشاہ کا دارالخلافہ تھا۔ اور جس کو بادشاہ نے عالیشان ایوانوں اور نہروں اور باغوں کے اجراء سے نمونہ بہشت بنا رکھا تھا۔

ایرانی راگنیاں جو کشمیر کے سازندوں اور مطربوں نے اختیار کر لیں۔ حسب ذیل بتائی جاتی ہیں۔ ساگا۔ راست کشمیری راست۔ چراغ۔ عراق، نوا۔ ریحانی۔ شاہ نواز۔ نوروز نے ریز اور ذنگورسلہ

کشمیری آلات موسیقی

کشمیری سازندے طوطی اور شہنائی بجانے میں بڑے ماہر تھے۔ لیکن بڑے بڑے آلات موسیقی جو بڈشاہ کے زمانہ

لہ مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم نے عرصہ ہوا۔ بڑودہ کی کانفرنس موسیقی کی تحریک سے ایک دلچسپ مضمون ہندی راگ پر ایرانی موسیقی کا اثر کے عنوان سے لکھا تھا۔ اور اس میں کشمیری موسیقی کا بھی ذکر کیا تھا۔ یہ اقتباس اسی مضمون سے لیا گیا ہے۔

Marfat.com

سے اب تک چلے آتے ہیں۔ حسب ذیل ہیں۔ گیک جو ہندی سارنگی سے مشابہت رکھتا ہے۔ لیکن اس سے ذرا بڑا ہے۔ اسے ایک کمان سے بجاتے ہیں۔ ستار جو ہندی ستار سے چھوٹی ہوتی ہے۔ مہد تار یا وستارہ جس کی سو تاریں ہوتی ہیں۔ اس میں زیر و بم بھی ہوتی ہے۔ یہ نہایت نفیس ساز ہے۔ اور جب بجایا جاتا ہے۔ تو چنگ کی سی آواز دیتا ہے۔

کشمیر کے سب راگی مسلمان ہیں

یہ نہایت اہم حقیقت ہے کہ تمام کشمیری سازندے اور راگی بلا استثنیٰ مسلمان ہیں۔ کشمیری پنڈتوں نے موسیقی کو خود کبھی نہیں حاصل کیا۔ لیکن وہ اس کے سننے کے ضرور شوقین ہیں۔ اور کبھی اپنے گوراشلوک اور منتر معنوی نغمہ یا آواز میں پڑھتے بھی ہیں۔ لیکن موسیقی کی اندرونی نفاستیں اس کی الجھنیں اور مشکلات ان کے لئے اب تک ایک سربمہر کتاب ہیں۔[1]

رائے بہادر پنڈت کشیو نرائن شمیم (لاہور کا مضمون بعنوان "کشمیری موسیقی" جو پنجاب ہسٹوریکل سوسائٹی لاہور میں سنہ ۱۹۱۶ء میں پڑھا گیا تھا۔ جناب شمیم پنجاب کے ادبار میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ تاریخ سے آپ کو خاص ذوق ہے۔ کشمیر آپ کے نام پر فخر کرتا ہے۔

[1] بڑشاہی عہد در ہندو ماہرین موسیقی سوتم پنڈت و بودی پنڈت کے نام پیش کرتا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے (نام صحیح نہ ہو)

Marfat.com

دربار بادشاہی کے نامور موسیقی دان

پنجاب کشمیر اور ہندوستان کے اکثر موسیقی دان نہ صرف اپنے ادنیٰ کیرکٹر کی وجہ سے موسیقی کو بدنام کرتے ہیں۔ بلکہ اہل علم نہ ہونے کی وجہ سے معزز طبقوں میں وہ قابل وقعت نظروں سے بھی نہیں دیکھے جاتے۔ گزشتہ زمانے لوگ اس فن کو ایک علم اور فن کے طور پر حاصل کیا کرتے تھے۔ اور اس کی تکمیل کے بعد اس پر اعلیٰ اعلیٰ کتابیں لکھا کرتے تھے۔ جن سے نہ صرف ان کی قابلیتوں کا اظہار ہوتا تھا۔ بلکہ فنون لطیفہ کے شوقین ان کتابوں سے مستفیض بھی ہوتے تھے۔

بادشاہ خود اس علم میں صاحب کمال تھا۔ اس نے بازاری گویوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ بلکہ اس نے اس فن کے ایسے ایسے صاحب کمال بلوائے جو اس زمانہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ ان کو دربار میں دوسرے صاحبان علوم وفنون کے برابر جگہ دی۔ چند نامور موسیقی دان جو اس کے دربار کی زینت تھے۔ حسب ذیل ہیں۔

بودی بٹ کشمیری پنڈت تھا۔ خدا نے اُسے عجیب دماغ دیا تھا۔ ذہن اس قیامت کا رسا اور حافظہ اس قدر تیز تھا کہ شاہنامہ فارسی جس کو فردوسی نے تیس سال میں لکھا تھا۔ اسے ازبر یاد تھا۔ سلطان کو شاہنامہ سے عشق تھا۔ جب بودی بٹ اپنی مستانہ لَے میں اسے پڑھتا تھا تو بادشاہ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس کی ایک کتاب علم موسیقی میں زین نام ہے۔ جو نہایت معتبر سمجھی جاتی ہے۔ بادشاہ بودی بٹ

Marfat.com

کی نہایت قدر کرتا تھا۔

ملا عود خراسانی النسل تھا۔ اور اس فن کے صاحب کمال خواجہ عبدالقادر کا عزیز شاگرد تھا۔ عود (بربط) بجانے میں بے مثل تھا۔ اور اسی رعایت سے اس کا نام ملا عود مشہور ہوگیا تھا۔ بادشاہ کی قدر دانیوں کی شہرت سن کر خراسان سے کشمیر آیا۔ لکھا ہے کہ جب یہ عود بجاتا تھا۔ تو سامعین نقش بہ دیوار ہو جاتے تھے۔ جب یہ بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو بادشاہ نے جو ہر فن اور ہر علم کا قدر دان تھا۔ اس کو اپنے دامن دولت میں جگہ دے کر فکر روزگار سے بے نیاز کر دیا۔ صاحب طبقات اکبری نے بھی ملا عود کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "عود اس غضب کا بجاتا تھا کہ محفل مدہوش ہو جاتی تھی۔ بادشاہ نے بارہا اس کو اپنی نوازشوں سے نوازا۔"

ملا جمیل بادشاہ کے چرچے ہندوستان سے نکل کر ایران تک جا پہونچے تھے۔ جب خراسان میں یہ خبر پہونچی کہ کشمیر کا بادشاہ اکثر سازوں، عود، رباب، طنبور وغیرہ کو طلائے خالص سے مڑھ کر جواہرات سے مرصع کرتا ہے۔ اور سازندوں کی ایسی قدر کرتا ہے کہ ان کو شام غربت کی خزاں میں صبح وطن کی بہاریں فراموش ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اسکی نظیر کے لئے ملا عود کا نام کافی تھا۔ تو بہت سے صاحبان کمال نے اپنی آشفتہ حالی دور کرنے کے لئے کشمیر کا رخ کیا۔ ملا جمیل بھی جو علم موسیقی کا ماہر ہونے کے علاوہ بذلہ

Marfat.com

سنج اور شاعر بے بدل بھی تھا۔ انہی میں سے ایک تھا۔ اس کی خوش الحانی وخوش خوانی اور اس کے خوش رنگ کلام سے تمام دربار خوش رہتا تھا۔ سلطان اس پر بڑا مہربان تھا۔ اور دل کھول کر اسے انعام دیا کرتا تھا۔

چنانچہ صاحب سیر المتاخرین (جلد اوّل) میں لکھتے ہیں۔

"ملا جمیل سلطان ابو سعید مرزا بادشاہ کشمیر کو بھی فن موسیقی میں دسترس ہے۔ تو اس نے بطور تحفہ ملا جمیل کو معہ اور تحائف کے بڈشاہی دربار میں بھجوا دیا۔"[1]

سوم پنڈت بڈشاہ کے اس نامور درباری کا ذکر اس سے پہلے درباریوں کے ذیل میں آ گیا ہے۔ یہاں اس کا صرف اسی قدر ذکر کیا جاتا ہے۔ جو علم موسیقی سے تعلق رکھتا ہے۔ صاحب طبقات اکبری لکھتے ہیں "اس نے بادشاہ کے لئے ایک کتاب مانک نام علم موسیقی پر لکھی۔ جسے بادشاہ نے اپنے نام پر معنون کرنا منظور فرما کر اس کی عزت افزائی کی۔ صاحب "اسلامک کلچر ان کشمیر" لکھتے ہیں۔ "سوم علم موسیقی کا ماہر ہونے کی وجہ سے بھی بادشاہ کا نہایت منظور نظر تھا۔"

بادشاہ آلات موسیقی کا موجد تھا۔ بڈشاہ کے علم موسیقی میں ماہر ہونے کا قریباً تمام مصنفین و مؤرخین نے ذکر کیا ہے۔ اور یہ بھی لکھا ہے کہ اس

---

[1] ترجمہ

Marfat.com

نے کئی آلات خود بھی ایجاد کئے تھے۔ لیکن ایک آلہ یا ساز کا ذکر صاحب طبقات نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے۔ "بادشاہ نے گانے کا ایک ایسا آلہ ایجاد کیا تھا۔ کہ یک نقش را بہ دوازدہ مقام ادا می نمود" یہ ساز آج مفقود ہے۔ بادشاہ کی قدردانیوں کا ذکر کرتے ہوئے صاحب طبقات لکھتے ہیں۔ سلطان کے حکم سے رباب، بین اور دیگر آلات سرود مرصع بہ زر کئے جاتے تھے۔

کشمیری مطرب دربار اکبری میں

اکبر اعظم جو بادشاہی کا ایک ادنیٰ سا پرتو تھا۔ دیگر اہل کمال کی طرح مغنیوں کا بھی بڑا مربی تھا۔ یہ بادشاہ کے ایک سو سال کے بعد ہوا ہے۔ اس وقت کشمیری مغنی اپنے کمال کی وجہ سے اتنی شہرت رکھتے تھے۔ کہ اکبر جیسے عظیم الشان شہنشاہ کے دربار میں ہندی، ایرانی اور تورانی اور تان سین جیسے صاحب کمال جس نے علم موسیقی میں حیات تازہ پیدا کر دی تھی۔ مغنیوں کے پہلو بہ پہلو قدر دانی کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

اکبر کے زمانہ میں چونکہ ہندی مغنیوں کی کثرت تھی۔ ان کے فیض صحبت سے کشمیری مغنی بھی متأثر ہوئے۔ اور جب یہ وطن میں واپس آئے۔ تو ان کے ساتھ ہی ہندوستانی راگنیوں نے بھی وادیٔ کشمیر میں قدم رکھنا شروع کیا۔

جس طرح کشمیری زبان حکومتوں کی تبدیلیوں کے ساتھ جدید سانچے میں ڈھل گئی اور نئے نئے الفاظ قبول کر رہی تھی۔

Marfat.com

اسی طرح اکبر کے زمانہ میں کشمیری موسیقی ایرانی و ہندی موسیقی کے اشتراک سے ایک جدید قالب اختیار کر چکی تھی۔

موجودہ کشمیری موسیقی

آج کشمیری راگ سارے ہندوستان میں موسیقی کیلئے باعث توہین سمجھا جاتا ہے۔ بلکہ ہندوستان میں مثل مشہور ہے۔ کہ راگ ہندوستان میں پیدا ہوا۔ پنجاب میں یہ پروان چڑھا اور کشمیر میں جا کر دفن ہوا۔ اور یہ اعتراض اور نکتہ چینی وہ لوگ کرتے ہیں جن کے آبائے وطن بادشاہ کشمیر کے دربار میں خالی دامان لے کے آتے تھے۔ اور جب واپس جاتے تھے۔ تو کامیابیوں کا ایک خزانہ ان کے ہمراہ ہوتا تھا۔ بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہوتے تھے جو بادشاہ کشمیر کے دامن دولت سے لپٹ کر یہیں کے ہو رہتے تھے۔

جس ملک کی اپنی حکومت چھن جائے۔ اس کے اخلاق اس کا تمدن سب بدل جاتا۔ بلکہ بگڑ جاتا ہے۔ اس کی خوبیاں برائیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔ اور فاتح جو غیر ملکی ہوتا ہے۔ ہر طرح سے ان کو کمزور، پست ہمت اور پست خیال بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ محکوم قوم کے کمالوں پر زوال آجاتا ہے۔ اُس کی آزادی پر غلامانہ عادات غالب آجاتی ہیں۔ اور غلامی کی وجہ سے ان میں خوشامد، خوف، جھوٹ وغیرہ عیوب پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو قوم اور ملک یہاں تک زوال پذیر ہو جائے اُس میں موسیقی کہاں تک ترقی کر سکتی ہے۔ ترقی تو کی

Marfat.com

اُس کا اصل حال پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اور پھر موسیقی اور شاعری تو فارغ البالی۔ آزادی بے فکری اور قومی حکومت کی عیش و عشرت کا نتیجہ ہوتی ہیں۔

کشمیریوں کی موسیقی ہی قابلِ مضحکہ نہیں۔ بلکہ آج تو اُن کا وجود تک باعثِ ننگ انسانیت سمجھا جا رہا ہے۔ آ کلفہ

خوشہ چینوں کے لئے رہتے تھے کیا کیا جھگھٹے
جب تک آتا تھا نظر پھولا پھلا یہ گلستان

ایک ہی گردش میں تیری سب نے آنکھیں پھیر لیں
ایک ہی چشمک میں تو نے کیا کیا اے آسمان

اب نہ وہ گلچین نہ وہ گلبن نہ وہ باغ و بہار
اب نہ وہ محفل نہ وہ ساقی نہ وہ پیرِ مغان

ہے یہ افسانہ نصیحت اہلِ عالم کے لئے
ہے زمانہ کے لئے عبرت ہماری داستان

Marfat.com

بارھواں باب

کشمیری صنعت و حرفت بڑشاہی عہد میں

کشمیری صنعت کی ترقی کا دور

مرزا حیدر جو بڈشاہ سے پون صدی بعد کشمیر میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا رہا ہے اپنی تاریخ رشیدی میں لکھتا ہے۔ کشمیر ایسی عجیب و غریب صنعتوں کا مرکز نظر آتا ہے جو سمرقند، بخارا، اور ماوراء النہر کے سوا اور شہروں میں بہت کم نظر آتی ہیں۔ ان صنعتوں میں پتھر کو جلا دینا۔ پتھر تراشنا۔ بوتل سازی، تابدان تراشنی

Marfat.com

اور طلائی ورق بنانا خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ کشمیر میں صنعت، وحرفت کی اس ترقی بلکہ بنا قائم کرنے کا سہرا صرف سلطان زین العابدین کے سر ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ کشمیر علوم وفنون اور صنعتی وحرفتی کاروبار کا گہوارہ اور امن وامان کا ماوٰی وملجا تھا۔ اور شمالی ہند۔ علوم وفنون اور صنعت وحرفت کی ترقی اور ملکی امن وامان کا مرکز ہونا۔ تو کجا کسی مستحکم حکومت سے بھی محروم تھا۔ بلکہ یورپ تک خواب غفلت میں محو اور اس قسم کی علمی وصنعتی ترقیوں سے بے نصیب تھا۔

بیرونی ارباب صنائع کشمیر میں

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔ بادشاہ ابھی شہزادہ ہی تھا کہ امیر تیمور اسے اپنے ہمراہ سمرقند لے گیا۔ شاہزادہ وہاں سات آٹھ سال تک رہا۔ وہ بڑے غور سے تیموری شان وشوکت کے اسباب پر نظر ڈالتا رہا۔ اُس کے گردوپیش کے حالات دیکھے۔ خراسان۔ سمرقند۔ ماوراء النہر ان سب ملکوں کے حالات دریافت کرتا رہتا تھا۔ اس نے تیموری مملکت میں اس قسم کی صنعتیں دیکھیں۔ جن کا اس کے ملک میں وجود بھی نہ تھا۔ وہ دل ہی میں یہ سوچتا رہتا تھا کہ میں بھی اپنے ملک واپس جاکر صنعت وحرفت کو ترقی دوں گا۔ لیکن جب تک امیر تیمور زندہ رہا۔ اُس کو کشمیر میں واپس آنے کی اجازت نہ مل سکی۔

بیرونی صنعت وحرفت کی اقسام

جب زین العابدین خود بادشاہ ہوگیا۔ تو

Marfat.com

اُس نے عالم شہزادگی کے اہل صنائع کی بڑی حوصلہ افزائی کی۔ اور علاوہ ان کے ماوراء النہر۔ سمرقند۔ بخارا۔ خراسان اور دیگر ممالک سے اور بھی بہت لوگ منگوائے۔ جن میں مندرجہ ذیل اقسام کے نام مختلف تاریخوں میں درج ہے۔

کاغذ ساز۔ صحاف۔ قالین باف۔ زین ساز۔ دایہ (قابلہ) حکاک۔ سنگ تراش۔ شیشہ گر۔ تابدآن تراش۔ زرکوب۔

بادشاہ نے بہت سے ان میں سے سرکاری کاموں میں لگا دئے جن کو سرکاری ملازمت یا کام نہ مل سکا۔ ان کو اپنا علیٰحدہ کاروبار کرنے کے لئے مالی امداد دی۔

بڈشاہ کے زمانہ میں صنعتی وظائف

بادشاہ نے بیرونی اہل صنائع کو یہ بھی تاکید کی کہ جو کام وہ خود جانتے ہیں۔ اہل کشمیر کو بھی سکھائیں۔ اس کے علاوہ بادشاہ نے نوجوان کشمیریوں کی ایک معقول تعداد کو ماہوار خرچ اور زادِ راہ دے کر سمرقند بھیجا کہ وہاں رہ کر علوم وفنون سیکھیں۔ اور واپس آکر اپنے ملک کی ترقی و فلاح میں حصہ لیں۔ ان میں جن نوجوانوں کے متعلق اُسے اچھی اطلاع ملا کرتی تھی اُن کو انعام فراوان بھی دیتا تھا۔

بڈشاہ نے عطائے وظائف کا شعبہ اُس زمانہ میں جاری کیا۔ جب دنیا کے کسی حصّہ میں اس قسم کی علمی وصنعتی خیرات کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔

Marfat.com

غالیچہ سازی کشمیر میں یہ بھی بڈشاہی یادگار ہے۔ بادشاہ کے بعد بھی کئی سال تک غالیچہ سازی کی تجارت کو فروغ رہا۔ لیکن جب ملک خانہ جنگیوں میں مصروف ہوگیا۔ اور بادشاہوں کو اپنی سلطنت بلکہ جانیں بچانے کی فکر پڑ گئی۔ تو یہ تجارت اور صنعت بھی قریباً معدوم ہوگئے۔

ریشم کا کام ریشم کا کام کشمیر میں بہت قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے۔ ممکن ہے بڈشاہ سے بھی پہلے زمانہ کا ہو۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ بڈشاہی دور میں اس کو بہت ترقی ہوئی۔ اُس زمانے میں دمشق اور بخارا اور ترکستان تک کی منڈیوں میں کشمیر کا ریشم جاتا تھا۔ اور بہت پسند کیا جاتا تھا۔ بخارا سے کشمیر کے ریشم کو بہت تعلق رہا ہے۔ اس کے بیج وہیں سے آتے تھے۔ اور اہل کشمیر کے صنعتی دماغوں کا یہ کمال ہے کہ ان کے تیار کئے ہوئے ریشم کی زیادہ کھپت بخارا ہی میں ہوتی تھی[۱]

اہل ختان کشمیر کے ریشم کو مغربی ایشیا اور یورپ تک بھیجا کرتے تھے[۲]۔ سر والٹر لارنس کی رائے میں ریشم کے کیڑے پالنے کے لئے کشمیر کی سرزمین نہایت موزوں ہے۔

---

[۱] رپورٹ مردم شماری ۱۹۲۱ء جموں و کشمیر

[۲] اسلامک کلچر ان کشمیر بحوالہ تاریخ رشیدی (انگریزی) صفحہ ۴۲۵

کاغذ سازی اور جلد سازی

کاغذ ملک چین کی ایجاد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات کے پچھتر سال بعد ایک شخص تسیح لن نام پیدا ہوا۔ جس نے دنیا بھر میں سب سے پہلے کاغذ تیار کیا۔ پہلے وہ بانس وغیرہ سے کام لیتا رہا۔ لیکن وہ زیادہ مفید ثابت نہ ہوا۔ تیس سال کے بعد اس نے شہتوت کے درخت کے ریشے تیار کئے۔ اور ان سے کاغذوں کا پہلا دستہ تیار کیا۔

لیکن کشمیر میں کاغذ کا بانی زین العابدین ہی ہے۔ جو صحافوں اور کاغذگروں کو سمرقند سے لایا۔ اور جس نے اپنے ملک کے نوجوان اس قسم کی صنعتوں کے سیکھنے کے لئے سمرقند میں وظائف دے کر بھیجے۔

ان لوگوں کو اس نے دارالخلافہ نوشہرہ میں آباد کیا۔ جہاں آج تک نہ صرف ان کاغذ سازوں کی ذریات موجود ہیں۔ بلکہ کاغذ سازی کا کارخانہ بھی جاری ہے۔ کشمیری کاغذ تمام ہندوستان میں باوجود اپنی بے انتہا گرانی کے اپنی صفائی اور پائداری کے وجہ سے بہایت پسند کیا جاتا ہے۔ یہ کاغذ اس قدر پائدار ہے۔ کہ اس کاغذ پر لکھی ہوئی کتابیں تین تین سو سال سے زیادہ عرصہ تک محفوظ و بے ضرر پائی گئی ہیں۔ پائداری میں دنیا کا اور کوئی کاغذ کشمیری کاغذ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

عہد اسلاف کا ہے ایک مرقع دلکش
دور حاضر کا ہے آئینہ روشن کاغذ

Marfat.com

چونکہ حکومت کی طرف سے اس کاغذ کی کوئی سرپرستی نہیں کی جاتی۔ اور عام بازاری کاغذ اس سے سستا ملتا ہے۔ اس لئے یہ صنعت بھی آج کشمیر میں زوال پر ہے۔ اس زمانہ میں نہ چھاپے خانوں کا رواج تھا۔ اور نہ کتابوں کی بہتات تھی۔ اس لئے جلد سازی کا بھی رواج کم تھا۔ اور اگر کہیں تھا بھی۔ تو بالکل معمولی اور ادنے درجہ کا۔ بڈشاہ نے سمرقندی صحافوں کے ذریعہ اس فن کو بھی ترقی دی۔ اور نہ صرف اعلیٰ جلدیں تیار کرائیں بلکہ نقرئی جلد سازی کا کام بھی سب سے پہلے کشمیر بلکہ ہندوستان میں اسی نے شروع کرایا۔

کاغذسازی پر ایک شاعر کی طبع آزمائی۔

ایک شاعر اسی زمانہ میں محلہ کاغذگران (نوشہرہ) سے گذرا۔ دیکھا کہ ایک کاغذساز پرانے اور پھٹے ہوئے بوسیدہ کپڑوں کے چھوٹے بڑے ٹکڑے جمع کرتا اور ان کو دھوتا۔ اور کاغذ بنانے کے لئے ان کو کوٹتا ہے۔ اس قسم کا کاغذ آبی کاغذ کہلاتا تھا۔ شاعر نے کاغذ اور کاغذ سازی کی یہ کیفیت دیکھ کر فی البدیہہ کہا۔[1]

---

[1] ادبیاض بوسیدہ و کہنہ مملوکہ خواجہ محمد اسماعیل صاحب نامی تہت لبقال۔ سرینگر۔

تا اجل آرام بخشِ زہم بے تابی شود
بدگمانی ہمدآہ عہد بے خوابی شود

پرزہ پرزہ جامۂ عاشق سرہ گفت دوش
گوشۂ دامان عاشق کاغذ آبی شود

بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اس نے شاعر کو بلوایا۔ اشعار سُنے اور بطور اظہارِ خوشنودی انعام عطا فرمایا۔

پیپر ماشی بوسیدہ کاغذوں پر جو منقش کام کیا جاتا ہے۔ اس کو پیپر ماشی کہتے ہیں۔ اس کا رواج بھی بڈشاہ ہی کے زمانہ میں ہوا۔ اس کو کار قلمدانی بھی کہتے ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے منقش قلمدان' اور چھوٹی چھوٹی خوبصورت صندوقچیاں نقش و نگار کے ساتھ تیار کی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں کاغذوں کی تشتریاں۔ چھوٹی چھوٹی کرسیاں۔ گلاس۔ پیالے اور متفرق چیزیں جن پر نہایت خوبصورت بیل بوٹے ہوتے ہیں بنائے جاتے ہیں۔

کشمیری تلوار اور بندوق پنجاب کے کشمیریوں نے فوجوں میں بھرتی ہو کر کپتانی اور لفٹنٹی اور صوبیداری تک کے اعزاز و عہدے حاصل کئے ہیں۔ اور اپنی شجاعت و شمشیر زنی سے وہ شہرت پیدا کی کہ تلوار اور بندوق کو ان کے نام پر فخر ونا ز ہے۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ وادئ کشمیر کے کیا مسلمان اور کیا ہندو آج تلوار و بندوق دونوں کے استعمال سے ناواقف ہیں۔

Marfat.com

بلکہ تلوار و بندوق کے ساتھ کشمیری لفظ دنیا میں سب سے زیادہ حیرت انگیز بات سمجھی جاتی ہے۔

لیکن جن لوگوں کو تاریخ پر عبور ہے۔ جو جانتے ہیں کہ ہر قوم اور ہر ملک میں کبھی نہ کبھی شجاعت و بسالت اور حکومت وسطوت کا دور دورہ رہا ہے۔ ان سے مخفی نہیں کہ کشمیری بھی کسی زمانے میں صاحب السیف والقلم تھے۔

محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کئے۔ جن میں بارہ بہت مشہور ہیں۔ وہ ہر حملہ میں پنجابیوں اور ہندوستان کو پامال کرتا رہا۔ اور بقول بعض مصنفین ان کو غلام بنا کے لے جاتا رہا۔ لیکن یہی "بزدل" ملک تھا۔ جہاں اُس نے دو دفعہ حملے کئے اور دونوں میں ناکام رہا[1]۔

جب راجہ جموں کو تاتار خان حاکم پنجاب کے خوف سے اپنے ملک کے علاوہ اپنی جان بھی بچتی نظر نہ آئی تو اسی "بزدل" ملک کے بادشاہ حسن شاہ کے سپہ سالار تارق بٹ نے سیالکوٹ کے مقام پر تاتاری افواج کو شکست دی۔ اور سیالکوٹ کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ راجہ جموں کے ملک اور اس کی جان کی حفاظت کی[2]۔

غرض جس زمانہ کی ہم ذکر کر رہے ہیں۔ وہ کشمیر میں عین شباب و عروج کا زمانہ تھا۔ ہر کشمیری تلوار کا دھنی تھا۔ اور

---

[1] و [2] تاریخ فرشتہ و دیگر تواریخ ہند و کشمیر۔

Marfat.com

تلواریں اور بندوقیں یہاں بنا کرتی تھیں۔ ایجرٹن صاحب[1] لکھتے ہیں۔ "کشمیر کی ساختہ تلواروں پر نہایت نفاست و خوبصورتی سے نہایت باریک باریک انسانی وحیوانی نقش و نگار کندہ ہوتی ہیں۔ تلواروں کا حاشیہ سونے سے چمکدار بنا دیا جاتا ہے۔ نیاموں پر نہایت خوبصورت شکلیں اور بیل بوٹے ہوتے ہیں، جو شال کے سلمہ ستارہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تلواروں پر کشمیری ارباب صنائع جو تصویریں بناتے ہیں۔ ان میں عموماً پیدل یا ہاتھی سوار شکاریوں کو کسی شیر یا خونخوار جانور کا تعقب کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ بندوق کی نالیاں بنانے میں بھی ان کو خاص شہرت ہے۔ لنڈن کے ہندوستانی عجائب خانہ میں پرانے کشمیری پیش قبض اور شیر بچہ اب بھی دیکھے جاتے ہیں۔"

لنڈن تو بہت دور ہے سری نگر کے عجائب گھر میں بھی کشمیری اسلحہ جات موجود ہیں ؎

اشک ریزاں در عجائب خانہ بر حال وطن
خود و تیر و زرہ و تیغ و سنان کاشمیر

تفنگ کا رواج اور آتش بازی

جب آتشباز بلوخا کی قدر دانیاں سن کر اپنے وطن سے کشمیر آیا۔ اس نے آتشبازی بنا کر طرح

---

[1] اسلامک کلچر ان کشمیر صفحہ ۲۵۴

طرح کے کھیل تماشے کئے۔ اور بادشاہ اور تماشائیوں کو محوِ حیرت کر دیا۔ بادشاہ ہر عجیب اور نئی چیز کا رواج اپنے ملک میں چاہتا تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ میرے اہل وطن کو بھی اس فن میں استاد کامل بناؤ۔

کشمیر میں تفنگ کا موجد بھی یہی آتشباز ہے۔ بادشاہ کی عنایات سے وہ مقربانِ شاہی میں داخل ہوا۔ تفنگ اور آتشبازی کا رواج کشمیر میں بڈشاہ ہی کے زمانہ سے ہے۔

Marfat.com

تیرھواں باب

بادشاہ کی علمی سرگرمیاں

بادشاہ کئی زبانیں جانتا تھا

بادشاہ اپنے زمانہ کے علم و ادب ہی میں مہارت تامہ رکھتا تھا۔ بلکہ اُس زمانہ کی متعدد زبانوں سے بھی اُسے بہت اچھی واقفیت تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ علم و علماء دونوں کی قدردانیوں سے اپنی ادبی کارناموں کو ناپائیدار شہرت دے سکا۔ آج ہندوستان و کشمیر کے مصنفوں اور مؤرخوں کے علاوہ یورپ کے مؤرخ و مصنف بھی اس کے بے مثل علمی عطایات اور اس کے ماہر علوم ہونے کی تعریف کر رہے ہیں[1]۔

---

[1] اسلامک کلچر ان کشمیر۔ بحوالہ لفٹننٹ کرنل جے اے ایس صفحہ ۲۱۲

کشمیری زبان تو بادشاہ کی ملکی و مادری زبان تھی۔ اس کے علاوہ وہ تبتی۔ فارسی۔ سنسکرت اور ہندی زبان میں بھی جانتا تھا۔ بلکہ ان زبانوں کا عالم و فاضل تھا۔ فارسی میں اس کے اشعار بھی ہیں۔ وہ علوم ریمیا و سیمیا میں بھی ماہر تھا۔

وہ خود عالم تھا۔ اسلئے علم کی اشاعت میں بڑی سرگرمی سے کام لیتا تھا۔ اور اس پر بیش و بہا رقوم خرچ کرتا تھا۔

بادشاہ ایک مصنف کی حیثیت سے

طبقات اکبری کا مصنف بادشاہ کی علمی سرپرستیوں کا ذکر کرتے ہوئے ملا آتشباز کے حالات میں لکھتا ہے۔ کہ "کتاب سوال و جواب" کہ متضمن فوائد بسیار است سلطان بہ اتفاق او تصنیف کردہ" یہ کتاب جس کا ذکر آج سے ۴۵۰ سو سال بیشتر کا مصنف اپنی کتاب میں "متضمن بہ فوائد بسیار" کے ساتھ کرتا ہے۔ بالکل نابود و معدوم ہے۔ کتاب کے نام "سوال و جواب" سے یہ بھی معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کس مضمون کے متعلق تھی۔ اور اس سے کس قسم کے فوائد بسیار عوام کو حاصل ہو سکتے ہیں۔

دارالترجمہ اور دارالتصانیف کا اجراء

بادشاہ نے اس زمانہ میں جبکہ ہندوستان کے علاوہ دیگر تمام ایسے ممالک بھی جنہوں نے علوم جدید کی شعاعوں سے آج تمام عالم کو منور کر رکھا ہے۔ اشاعت علوم و فنون کے طریقوں سے محض بے خبر تھے۔

Marfat.com

علمی وظائف کے علاوہ دارالترجمہ اور دارالتصانیف کے شعبے قائم کئے۔ جن میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی مذہبی تاریخی اور عام اخلاقی وطبی کتابوں کے تراجم ہوئے۔ اور نئی تصانیف بھی قابل مصنفوں سے معقول مشاہرے دے کر لکھوائی جاتیں۔ ملا احمد۔ زو نراج پنڈت۔ پنڈت بودی بٹ اور ملا قادری ان شعبہ جات کے معزز ارکان تھے۔ سب سے پہلے ملا احمد ہی نے مہا بھارت کو فارسی کا جامہ پہنایا تھا۔

ایک کتاب ہندی زبان کی جس کا اصل نام معلوم نہیں ہو سکا بادشاہ نے فارسی میں ترجمہ کرائی۔ اور نام اس کا افسانہ ہندی رکھا۔ بڑی عمدہ اور ضخیم کتاب ہے۔ اب کہیں نہیں ملتی۔ اکبر نے ملا عبدالقادر بدایونی سے فرمایا۔ اس کی فارسی غیر متعارف ہے۔ اسے مانوس عبارت میں لکھدو۔ ملا نے دو تین مہینے کے اندر کتاب تیار کر دی۔ اکبر نے دس ہزار تنکہ مرادی اور ایک گھوڑا انعام دیا۔ اور نام اس کتاب کا بحر الاسمار رکھا۔[۱]

معلوم ہوتا ہے کہ افسانہ ہندی کی صرف ایک جلد ہی بادشاہ کے حکم سے ترجمہ ہو سکی تھی۔ جیسا کہ دربار اکبری کی سطور ذیل ظاہر کرتی ہیں۔ "بادشاہ نے ابوالفضل سے فرمایا۔ افسانہ ہندی کی صرف ایک جلد ہی سلطان زین العابدین کے حکم سے ترجمہ ہوئی ہے

۱؎ دربار اکبری (اردو) مصنفہ شمس العلماء مولانا آزاد دہلوی صفحہ ۱۱۷

Marfat.com

بہت سی جلدیں اس کی باقی ہیں۔ انہیں ترجمہ کر کے پورا کر دو۔ چنانچہ اس کتاب کی اخیر جلد کہ ۶ جز کی ہے۔ پانچ مہینہ میں تیار کر دی

علم و علماء کی سرپرستی

بادشاہ نے اپنے ممالک کے اکثر لوگوں کو جو علم کی اہلیت اور اس کا شوق رکھتے تھے۔ وظائف دے کر بیرونی ملکوں میں پہونچا۔ ان میں جو لوگ شادی شدہ تھے۔ ان کے اہل و عیال کے اخراجات کا بوجھ بھی خزانہ شاہی پر ڈالا۔ علاوہ ازیں بیرونی ممالک سندھ۔ ہرات۔ ہندوستان۔ بخارا خراسان۔ عرب وغیرہ ممالک سے فارسی۔ عربی اور سنسکرت کے عالم بلوائے۔ ان کو معقول تنخواہیں دیں۔ اور ان تنخواہوں کے لئے خاص خاص دیہات وقف کر دئے۔ جو اہل علم زیادہ قابل تھے۔ انکو جاگیریں بھی عطا کیں۔ بلکہ ملک روم تک سے علماء و فضلاء کشمیر میں آئے۔ جیسا کہ ملا بہاؤ الدین متو اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں "وعہد او از دیگر امصار علماء و فضلاء دریں شہر آمدند۔ مثلاً مولانا محمد باقر رومی، مولانا احمد رومی کہ برادر یکدگر بودند از سلاطین مورد انعامات شدہ دریں شہر سکونت ورزیدند"

ہندوؤں کے علوم کی اشاعت

ہندو علوم کی کتابیں جن کو مہاجر کشمیری پنڈت اس کے باپ اور بھائی کے زمانہ میں اپنی جلاوطنی کے ساتھ ہی پنجاب وغیرہ ممالک میں لے

Marfat.com

گئے تھے۔ ہندوستان سے منگوا کر ملک میں تقسیم کیں[1]۔ تاریخ حسنؔ میں لکھا ہے۔ "دفاتر کفر و صحائف شرک کہ ازیں دیار در کشمیر بودند باز طلبیدند"

عالی حوصلگی، وسیع القلبی۔ بے تعصبی اور سرپرستی علوم کی یہ ایک ایسی مثال ہے کہ اس کی نظیر نہ پہلے کی تاریخوں میں مل سکتی ہے۔ اور نہ آج کوئی ملک اور کوئی بادشاہ اس قسم کی بلا تفریق مذہب و ملت" دلجوئی رعایا" کا ثبوت پیش کر سکتا ہے۔

مختلف علوم و فنون کی کتابوں کے لئے بادشاہ کے تحائف

بادشاہ کو علمی ذخائر جمع کرنے اور ان سے اپنے ملک کو مستفیض کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ وہ غیر ممالک کے بادشاہوں کو کشمیر کے بیش قیمت تحائف بھیجا کرتا۔ جنہیں ایک معزز جماعت لے کر جایا کرتی۔ اور بادشاہ اس جماعت کے اخراجات کا کفیل ہوا کرتا۔ اور جو مراسلہ اپنے ہمعصر بادشاہ کے نام ہوتا۔ اس میں صرف مختلف علوم و فنون کی کتابوں کی خواہ وہ کسی مذہب و ملت کے متعلق ہوتیں خواہش کیا کرتا۔ بہاؤالدین متو اپنی تاریخ میں لکھتا ہے" وور یہ

---

[1] مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف
[2] ۔۔۔ [illegible]

دیار کتب ہا و علوم کم بود۔ بہ ہمیں وجہ بادشاہ بہ دیگر سلاطین وقت ہدیہ وتحفہ ہا می فرستاد۔ از یشان کتاب ہا در مختلف علوم و تصانیف کثیر آوردایند"

بادشاہ نے اس طریق سے ایک ایسا کتب خانہ بنالیا۔ جو اس کے عہد میں اس کے کسی معاصر بادشاہ کے پاس نہ تھا۔ یہ کتب خانہ بادشاہ کے بعد ایک سو سال یعنی سلطان فتح شاہ کے عہد تک دستبرد زمانہ کے ہاتھوں محفوظ رہا۔ اس کے بعد دیگر تمام فانی اشیاء کی طرح یہ خزانہ علوم بھی جس میں خدا جانے کیسے کیسے بیش قرار علمی جواہرات تھے۔ فنا و نابود ہو گیا۔

ایک کتاب کے لئے مکہ معظمہ کو ایک کاتب کی روانگی

علامہ جار اللہ کی تصنیف تفسیر کشاف کا اصل نسخہ بہت کم یاب

ک کشمیر ہند و عہد قدیم ہی سے علوم و فنون کا مرکز رہا ہے یہاں اس زمانہ میں سنسکرت کی یونیورسٹیاں قائم تھیں۔ جب ٹیکسلا (پنجاب) اور بنارس کے سوا تمام ہندوستان علمی چشموں سے محروم تھا۔ لیکن ذالجو کے حملہ اور ظلم نے جو چھ ماہ تک کشمیر میں سلسلہ جاری رہا کشمیر کی ادبی شہرت اور اس کی سیاسی عظمت دونوں کو خاک میں ملا کر ہند وسلطنت کو بالکل کھوکھلا کر دیا۔ یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ کے بعد حکومت بھی ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ بڈشاہ نے کشمیر کو ادبی و سیاسی حیثیت سے دوبارہ زندہ کیا۔

Marfat.com

تھا، اس کے حصول کے لئے بادشاہ نے ہندوستان کے علاوہ ترکستان اور ماوراء النہر کے اطراف میں بھی آدمی دوڑائے۔ لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ ایک مرتبہ جب کشمیری حجاج کا قافلہ اپنے وطن میں واپس آیا تو ان میں جو حاجی علم دین کے ماہر تھے۔ انہوں نے بادشاہ سے عرض کیا۔ کہ علامۂ جار اللہ کی تصنیف کا اصل نسخہ مکۂ معظمہ میں موجود ہے۔ بادشاہ نے یہ سُن کر "یک مرد کاتب را خرچ راہ واہل وعیال دادہ بہ ہمیں غرض بہ مکہ فرستاد"

چنانچہ وہ کاتب عرصۂ دراز تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہا۔ اس نے کتاب کے اصل نسخہ سے اُس کی نقل کی۔ اور پھر نقل کو بعد مقابلہ صحیح کراکر اور اس کی تصدیق کے لئے اکابر علماء مکہ کے خطوط لیکر کشمیر واپس آیا۔ جب یہ تفسیر کشمیر پہونچی۔ تو شعراء نے نظمیں لکھیں چنانچہ ایک نظم کے جو بیاض بوسیدہ[1] سے معلوم ہوئی ہے۔ چند شعر ذیل میں درج ہیں۔

بشبہ پر از مدینہ نوز برہان آمد
رنجور شئے اہل دین بہ درماں آمد
آمد ز خدا دفتر اخلاص وادب
(بیاں کاغذ کرم خوردہ ہے)
(بیاں کاغذ کرم خوردہ ہے)
باسلطان بارسول قرآن آمد

---

[1] مملوکہ خواجہ محمد اسماعیل صاحب نامی تبت بقال سرینگر

Marfat.com

اصل نسخہ تفسیر کشاف کی یہ مصدقہ نقل مرزا حیدر کے زمانہ تک کشمیر میں موجود تھی۔ جب مغلوں اور کشمیریوں میں جنگ ہوئی اور بیشتر مغل جان سے مارے گئے اور مرزا حیدر بھی قتل ہوگیا۔ تو یہ کتاب ایک قاضی کے قبضہ میں آئی۔ جو مرزا کے ہمراہیوں میں تھا۔ وہ اپنی جان بچاکر اور کتاب کو بغل میں دباکر اپنے وطن چلا گیا[1]۔

بادشاہ کے حکم سے جامع مسجد (سرینگر) کے شمال کی طرف ایک مدرسہ کی بنا ڈالی گئی۔ جس میں فارسی، عربی کے علاوہ سنسکرت کی تعلیم بھی دیجاتی تھی۔ بادشاہ نے اس کے اخراجات و مصارف کیلئے چند دیہات وقف کر دیئے۔ قاضی میر محمد علی جو چنگیز خان کی اولاد سے تھے اس دار العلوم کے صدر بنائے گئے[2]۔

نوشہرہ میں بادشاہی دار العلوم

مرزا حیدر تاریخ رشیدی میں لکھتے ہیں۔ نوشہرہ میں شفا خانہ اور لنگر خانہ ہی نہ تھا۔ بلکہ دولت خانہ شاہی کے بالکل متصل راجدھانی (نوشہرہ) میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک شاہی بیت العلوم بھی جاری کیا گیا۔ کئی گاؤں طالب علموں کے وظائف اور ان کے اخراجات اور استادوں کو فکر معاش سے آزاد کرانے کے لئے وقف کئے گئے۔ اس بیت العلوم میں دار الاقامہ بھی تھا۔ جہاں

---

[1] تاریخ بہاؤ الدین متو

[2] از بیان واقعہ حالات مسجد جامع اردو غیر مطبوعہ از تصنیف مولوی محمد شاہ کاشمری۔

Marfat.com

طالب علم رہا کرتے تھے۔ مولانا کبیر جو بادشاہ کے استاد بھی تھے۔ اس دارالعلوم کے صدر یا پرنسپل تھے۔

اس مدرسہ میں مندرجہ ذیل اساتذہ کا نام تاریخوں میں نظر سے گذرا ہے۔ ملا پارسا۔ اصل وطن معلوم نہیں۔ لیکن سلطان کے وقت میں کشمیر آئے۔ سلطان نے ان کی قابلیت سے خوش ہو کر مدرسہ بادشاہی میں جگہ دی۔ اور معقول جاگیر بھی عطا کی۔ ملا محمد۔ مولانا نادری ملا احمد۔ ملا ضیائی جو بڈشاہی عہد کے نامور شاعر اور ادیب تھے۔ اور قاضی حمید الدین جنہوں نے بڈشاہ کے زمانے میں کشمیر کی تاریخ بھی لکھی ہے۔ لیکن جو آجکل بلکہ عرصہ دراز سے نایاب ہے۔ غرض سے

اس کے زریں عہد میں جاری تھے وہ دارالعلوم
جن کی شہرت کے ہیں شاہد آج بھی شمس و نجوم
جن کے علم و فن پہ نازاں ہند و سندھ و شام و روم
جن سے بچ بچ کر بھی چلتی رہی بادِ سموم....
گردش ایام نے شکلیں وہ ایسی مٹا دیں
آج ان تعلیم گاہوں کا نشان تک بھی نہیں

لہ از تاریخ حسن قلمی۔ صفحہ ۱۵۸

Marfat.com

چودھواں باب

بڈشاہ کے عام اخلاق وعادات

بڈشاہ اپنی فتوحات عظیمہ اور لشکر جرار اور اپنی مشہور بے تعصبی و رواداری کی وجہ سے عظیم الشان اور قابل احترام بادشاہ نہ تھا۔ بلکہ اپنے پاکیزہ اخلاق اور نیک عادات اور اپنے نیک چال وچلن کے باعث بھی اپنی رعایا کی آنکھوں کا تارا تھا۔ مسلمان اور ہندو اس کی نام کی بجائے ہمیشہ اسے بڈشاہ اور بڑے شاہ کہتے رہے۔ اور یہ مقبولیت اسے اپنی زندگی ہی میں نصیب ہوگئی۔ آج بھی بہت لوگ ہیں جو اس کے اصلی نام سے آگاہ ہیں

مال غیر اور زن بیگانہ سے نفرت

مال غیر اور زن بیگانہ دونوں کو وہ اپنے لئے حرام سمجھتا تھا۔ چنانچہ صاحب مختصر التواریخ لکھتے ہیں۔

Marfat.com

برروئے زن بیگانہ و مال مردم نظر بہ خیانت در نہ کرد - ایک شہزادہ نے ایک برہمنی کے ساتھ جو نازیبا حرکت کی - اس کے لئے یہ جلیل القدر شہنشاہ برہمن کے مکان پر ننگے پاؤں گیا - اور اُس سے معذرت طلب کی - راجہ راجپوت اپنی بیٹی اسکے حضور میں بطور تحفہ بھیجتا ہے - اور یہ اُسے ماں کہکر پکارتا ہے - اور جب تک وہ زندہ رہتی ہے - بطور ماں کے اس کا ادب و احترام کرتا ہے -

تاریخ کشمیر کوئی ایسی نظیر پیش نہیں کرتی کہ اس بادشاہ نے دوسروں کے زر و مال پر دستبرد کی ہو - بلکہ اُس نے اپنے باپ اور بھائی کے زمانہ کے ٹیکس بھی رعایا کو معاف کر دیئے -

عتاب میں الطاف یہ بادشاہ ایسا نیک دل اور نیک نیت تھا، اور اس کے اخلاق ایسے اعلیٰ تھے کہ جس کسی پر اس کا عتاب بھی نازل ہوتا تھا - اُس کو اس وقت فراموش کر کے کسی اور موقع پر ایسی آسانی اور خوبی کے ساتھ اپنے ملک سے بدر کر دیتا تھا کہ وہ بادشاہ کی ناراضگی سے قطعی لاعلم و بے خبر رہتا تھا۔

بلکہ ملک بدر شخص جلا وطنی کو بھی بادشاہ کی عنایت ہی سمجھتا - اُس کی پالیسی ایسی گہری ہوتی تھی کہ عقلمند سے عقلمند آدمی بھی اُس کی دوستی دشمنی میں تمیز نہ کر سکتا تھا۔

ل طبقات اکبری

ل مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف -

Marfat.com

ملک گیری و پیش قدمی کا حامی نہ تھا

بادشاہ پر اسکی رعایا کا ایک ایک فرد جان دیتا تھا۔ اُس کی باقاعدہ پیدل اور سوار فوج بھی کافی تعداد میں تھی۔ اور ملک کی لاج قائم رکھنے کے لئے مرمٹنا معمولی بات سمجھتی تھی۔ کشمیر سے باہر ہندوستان۔ خراسان۔ عراق و عرب تک اس کی فیاضی و سرپرستی اور اس کے اعلیٰ اوصاف کی شہرت تھی۔ اگر وہ ملک گیری و پیش قدمی کی پالیسی کا حامی ہوتا۔ تو اندرونی و بیرونی ہر دلعزیزیوں کی وجہ سے یقیناً ہر جگہ کامیاب ہوتا۔ اور جہاں تک چاہتا اپنی مملکت کو وسعت دے سکتا تھا۔

لیکن ناحق مخلوق خدا کا خون اُس نے کبھی پسند نہیں کیا۔ وہ ایسا رحم دل تھا۔ کہ اس نے شکار تک کی ممانعت کر دی تھی پھر وہ انسانوں کا خون کس طرح جائز رکھ سکتا تھا۔ تاریخ جس قدر اُس کے حملوں کا پتہ دیتی ہے۔ یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ مدافعتی حملے تھے۔ جیسا کہ سطور ذیل سے بھی معلوم ہوگا۔ ”اگر کسے از سلاطین اجانب و اطراف تغلب و استیلا بر ایں نواحی مے نمود۔ سلطان زین العابدین سپہ داران و امرائے لشکر خود کشیدہ با ایشاں جنگ ہا مے کرد۔ حدود ولایت خود را از استیلائے ایشاں نگاہ مے داشت۔

دشمنوں سے سلوک

جو متمرد اور سرکش ہوتے تھے۔ ان کی گوشمالی بھی

کرتا تھا۔ جیسا کہ پانڈو چک کو اس کی بدکرداریوں کی سزا دی گئی۔ اور جو ان میں صلاحیت اختیار کر لیتے تھے۔ ان کی عزت افزائی بھی کرتا تھا۔
(اس موقعہ پر پانڈو چک کے بیٹے حسین چک کو یاد رکھنا چاہیئے۔ جو باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوا تھا۔ اور ترقی کرتے کرتے دربار شاہی میں پہونچ گیا تھا۔ جہاں اس نے خدمات حسنہ کے باعث بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا تھا۔)

سادگی اور انکساری

باوجود اس قدر شان وشوکت اور جاہ وجلال کے یہ بادشاہ ہمیشہ سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ البتہ تاج کے اندر وہ کلاہ مبارک ضرور رکھتا تھا۔ جو امیر کبیر سید علی ہمدانی نے اس کے دادا سلطان قطب الدین کو عطا فرمایا تھا۔ اور جو اس کے خاندان میں سلطان ابو الفتح یعنی فتح شاہ تک جو بڈشاہ کا پوتا تھا۔ برابر سر پر پہنا جاتا رہا۔ ابو الفتح کے مرنے کے بعد جب وہ کلاہ اس کے کفن کے ساتھ دفن کردیا گیا۔ تو اسی زمانہ سے ان کی دولت وسلطنت کو زوال آنا شروع ہوا۔

اس کے انکساری کا یہ عالم تھا کہ علماء وفضلاء کو زاد راہ بھیجکر مختلف ممالک سے بلواتا۔ اور مناصب جلیلہ عطا کرتا تھا۔ اور پھر ان کی صحبتوں سے مستفیض ہوتا تھا۔ اور بعض علماء وصوفیا جیسے

---

۷ طبقات اکبری
۸ اسرار الابرار

حریت صادقہ سے کام لے کر اس کی باتوں سے اختلاف بلکہ ناراضگی کا اظہار کرتے تھے۔ تو برا نہیں مناتا تھا۔ اور اگر کبھی ناراض بھی ہوتا تھا۔ تو بہت جلد اپنی پشیمانیوں کا اظہار کرتا تھا۔

خزانہ شاہی پبلک امانت ہے

اس نے سرکاری خزانہ کو ہمیشہ رعایا کی امانت تصور کیا۔ اور جب کبھی اُسے خرچ کیا۔ فلاح عامہ اور آسائش رعایا کے خیال کو سب سے مقدم رکھا۔ اُس نے شاہی خزانہ کو علوم وفنون کی سرپرستی زراعتی ترقی اور نہروں کے احداث کے لئے وقف کر دیا۔ اور بقول صاحب "اسلامک کلچر ان کشمیر" بڈشاہ ایسا بادشاہ تھا" جو صنعت وحرفت کا معاون۔ مزارعین کا دوست۔ علوم وفنون کا مربّی۔ ہندؤں کا محسن اور اپنی رعایا کا بہی خواہ تھا۔

بادشاہ کے ذاتی اخراجات

سرکاری خزانہ اور شاہی دفائن جب رعایا کے سود و بہبود کے کام آتے تھے۔ تو آخر بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات کہاں سے ادا کرتا تھا؟ اسکے جواب میں صاحب طبقات لکھتے ہیں "سلطان کے اپنے روزمرہ کے اخراجات کی کفیل سلطنت نہیں ہوتی تھی۔ نہ اُس نے خزانہ سے کوئی اپنی تنخواہ مقرر کر رکھی تھی۔ بلکہ کان مس سے۔ جو اس نے خود دریافت کی تھی۔ اور جہاں سو یا مزدور بیگار پر نہیں۔ بلکہ کام پر لگے رہتے تھے۔

ئہ ترجمہ ؎

وہ اپنے اخراجات ادا کیا کرتا تھا۔ اسی مس کی کان سے سرکاری سکہ جات تیار ہوتے تھے۔

چونکہ بادشاہ علم کیمیا وسیمیا میں بھی بخوبی ماہر تھا۔ کان مس کے علاوہ کان جواہر بھی اس نے دریافت کی تھی۔ چنانچہ جواہرات زینہ رتن اسی کے نام پر اور اسی کے عہد سے مشہور چلے آتے ہیں۔ ان دونوں کانوں کی آمدنیوں سے وہ سیر و تفریح کرتا۔ اور مطربوں اور مغنیوں کی سرپرستی کیا کرتا تھا۔ البتہ علماء و فضلاء کی قدر دانیاں درس گاہوں کے اخراجات علمی و صنعتی وظائف غرباء و ضعفاء کی پرورش اور دیگر امورات جن کا تعلق ملک کی خدمت و فلاح سے تھا۔ وہ خزانہ شاہی سے ادا ہوا کرتے تھے۔

بادشاہ کی بے تعصبی

بادشاہ کی بے تعصبی بلکہ مندروں اور بت خانوں کی تعمیر و مرمت کی وجہ سے اکثر مؤرخین نے اس پر بت پرستی کا الزام بھی لگایا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے۔ کہ وہ خالص اسلامی اخلاق و تعلیم کا پابند تھا۔ جس میں لکھا ہے کہ تم غیر اقوام کی عبادت گاہوں کو مسمار نہ کرو اور ان کے بتوں کو گالیاں نہ دو۔ تاکہ وہ تمہارے خدا کو گالیاں نہ دیں۔ بادشاہ اپنی عمر کی آخری لمحہ تک اس پر قائم رہا۔ بلکہ مرنے سے پیشتر اس نے مندر شنکراچارج کی نہ صرف حفاظت کی۔ بلکہ اس تعمیر و مرمت کر کے اس کو از سر نو زندہ کیا۔

تبدیل لباس اور حالات رعایا

بادشاہ آج کل کے بادشاہوں اور والیان ریاست کی

طرح دارالخلافہ کی آرام طلبی اور محلات کی عیش وعشرت ہی میں غرق نہیں رہتا تھا۔ بلکہ اپنے اوقات عزیز کا بڑا حصہ سیر و سیاحت اور دارالخلافہ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی بقیمت را میں صرف کرتا تھا۔ دیہات و پرگنہ جات میں بھی اس کی آمد و رفت رہتی تھی۔ اور ہر چند اسکے اس فرمان کا بھی عمال پر بڑا اثر تھا کہ کوئی اہل کار کسی شخص سے نذرانہ قبول نہ کرے۔ لیکن اس کے اپنے دورہ اور آمد و رفت کی وجہ سے بھی افسران مالی و ملکی خوف زدہ رہتے تھے۔ اور اس طرح غریب دیہاتی اور عوام ماتحت حکام کی استبداد پرستیوں کا تختہ مشق بننے سے محفوظ رہتے تھے۔

لیکن اس کی رعایا پروری یہیں تک ختم نہ ہو جاتی تھی۔ وہ راتوں کو لباس تبدیل کر کے ادھر اُدھر نکل جاتا۔ وہ لوگوں میں شامل ہو کر ان کے حقیقی خیالات و جذبات ان کے مطالبات اور ان کی شکایات سے آگاہی حاصل کرتا۔ اور اپنی ذات کے متعلق لوگوں کے خیالات سنتا۔ لوگ اس کی تعریف بیان کرتے۔ تو خدا کا شکر ادا کرتا۔ اور زیادہ خدمات کی توفیق رفیق ہونے کے لئے دست بدعا ہوتا۔ اگر کوئی اپنی برائی سنتا۔ تو اس سے دور کرنے کی کوشش کرتا۔ اور اگر کسی حاکم کی زیادہ ستانی سے اس کے کان آشنا ہو جاتے تو اس کی سرزنش کرتا۔

بادشاہ کی اس نیک عادت کو تاریخ حسن کے مصنف نے نہایت مختصر مگر جامع طور پر مندرجہ ذیل الفاظ میں ادا کیا ہے۔

"بادشاہ رعیت پروری بسیاری نمود۔ و تغیر لباس کردہ۔

Marfat.com

شب ہائے برے آید۔ تا حسن وقبح اعمال وعمل خود بشنود[1]"

بادشاہ کا زہد و اتقا

جس بادشاہ کی نظروں میں زن بیگانہ اور مال غیر حرام ہو۔ جو بادشاہ ہونے اور ہر قسم کی استطاعت رکھنے کے باوجود صرف دو بیویاں رکھتا ہو۔ اور دیگر بیگمات اور کنیزوں اور لونڈیوں کی کثرت سے بے نیاز ہو۔ اس کے زہد و اتقا میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

مشائخ عظام اور علمائے کرام کی خاک پا کو وہ طوطیائے چشم تصور کرتا تھا۔ مساجد و مزارات کی تعمیرات میں اس نے فراخدلی سے کام لیا۔ زینہ لنک میں جو عالیشان محل اس نے تعمیر کرایا۔ اس میں بھی عبادت خانہ بنائے بغیر نہ رہ سکا۔ جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے" وبریک طرف آں از صفہ عمارتے بہ اتمام رسانیدہ عبادت کدہ بہ جہت پرستش پروردگار خوب ترتیب دادہ کہ ازاں نقش برجائے نمے باشد"۔

جہانگیر لکھتا ہے۔ "لوگوں میں اس کا اس قدر احترام ہے۔ کہ اس کو ولی سمجھ کر اس کے خوارق عادات بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ جہانگیر اس کی ایک کرامت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

" روزے یکے از ناخلف زادگان بقصد قتل او دران عبادت

---

[1] صفحہ ۲۱۵ قلمی نقل سنہ ۱۳۰۱ھ جو راقم الحروف نے راجہ شمشیر علی خان صاحب جاگیر دار راجپور تحصیل ہندواڑہ کشمیر کے پاس دیکھی تھی۔

Marfat.com

خانہ اُو را تنہا یافتہ بشمشیر کشیدہ در مے آید۔ چوں او بر سلطان مے افتد بنا بر صلابت بیدی و شکوہ صلاح سراسیمہ و مضطرب گشتہ مے گردد۔ بعد از لحظہ سلطان از عبادت خانہ برآمدہ با ہماں پسر در کشتی مے نشیند۔ و روانہ شہر مے گردد۔ در اثنائے راہ بہ آں پسر مے گوید۔ کہ تسبیح خود را در عبادت خانہ فراموش کردہ ام بر زورقے سوار شدہ۔ تسبیح را خواہی آورد۔ پسر بہ عبادت خانہ در آمدہ پدر را در آں جامے بیند۔ آں بے سعادت از روئے شرمندگی تمام در پائے پدر اُفتاد۔ عذر خواہے تقصیر خود مے نماید۔

جہانگیر لکھتا ہے۔" بادشاہ بہ ایں سطوت و شوکت چلہ کشی بھی کرتا تھا۔ چنانچہ ایک چلہ اس نے اسی عبادت خانہ میں گزارا۔ اور اوراد باب سلوک و ریاضت کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول ہوا۔ اور اس طویل عرصہ میں دیگر لذات دنیوی کے ترک کرنے کے ساتھ اس نے اپنی آنکھوں کو بھی خواب سے آشنا نہ کیا۔

اس سے زیادہ اس کی عبادت و ریاضت اور اس کی پاک و بے عیب زندگی کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

پندرھواں باب

دربار پڈشاہی کے ارکان

بڈشاہ کس طرح بڈشاہ بنا

بڈشاہ کے حالات میں تم نے دیکھا ہوگا۔ موسیقی اور گانے بجانے کے اہل فن سے اُس کا دربار بھرا پڑا تھا۔ اس نے نہ صرف موسیقی والوں کی قدردانی پر ہزاروں اور لاکھوں صرف کیے بلکہ آلات موسیقی کو طلاکار بنا دیا۔ اس علم پر کتابیں لکھوائیں۔ اور خود کئی قسم کے ساز ایجاد کیے۔ کیا ایسا بادشاہ جہاں اس قسم کا راگ رنگ رہتا ہو۔ ہندوؤں میں بڈشاہ (یعنی ہندوؤں کا بادشاہ) اور

Marfat.com

مسلمانوں میں "مقرب درگاہ لم یزلی" اور عوام کی نظروں میں بادشاہ یعنی بہت بڑا بادشاہ مشہور ہو سکتا ہے۔

وہ علماء و صلحاء کی صحبتوں کو "حاصل زندگانی" سمجھتا تھا۔ ان کی ناراضگی اس کے لئے سوہان روح تھی۔ اور ایک جلیل القدر بادشاہ ہو کر ان کے آستانوں پر جاتا۔ اور گھنٹوں ان کے پاس بیٹھا رہتا۔ اور ان کی خانقاہیں، مسجدیں، باغات اور مکانات تعمیر کراتا۔ عبادت و ریاضت میں اتنا محو رہتا کہ بقول جہانگیر بادشاہ ایک چلہ فقر و فاقہ کے ساتھ کاٹتا۔ اور فقہ و حدیث کی کتابوں کے لئے مکہ معظمہ تک آدمی بھیجتا۔ کیا ایسا "خشک ملا" کبھی مملکت رانی کا اہل ہو سکتا ہے۔

بات یہ تھی کہ اس کا ہر کام اپنے موقعہ اور محل پر ہوتا تھا۔ اس کے دربار میں جو موسیقی دان تھے۔ وہ بڑے بڑے اہل علم تھے۔ وہ بھڑوے اور میراسی نہ تھے کہ اپنے ارذل اخلاق سے بادشاہ کی صحبتوں کو بدنام کرتے۔ بادشاہ نے کبھی طوائفوں کی سرپرستی نہیں کی۔ بلکہ اس کے طویل عہد میں بازاری عورتوں کا کہیں کوئی پتہ نہیں ملتا۔ ممکن ہے اس کے مبارک دور میں ان کا وجود تک بھی نہ ہو۔ وہ موسیقی کی قدردانیوں ایک علم اور فن کی حیثیت سے کرتا تھا۔

اس کے علماء و صلحاء بھی اس زمانہ کے سے نہ تھے۔ کہ اپنی خود غرضیوں سے بادشاہ کو کسی محکوم قوم کی طرف سے بدگمان و گمراہ کرتے۔ اور نہ بادشاہ کی فطرت اس قسم کی

Marfat.com

بدگمانیاں قبول کرنے کے لئے تیار تھی۔

وہ خود عالم و شجاع اور بے تعصب و وسیع القلب بادشاہ تھا۔ اور اس کے سب درباری بھی اُس کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور حقیقت یہ ہے۔ کہ اگر درباری ارکان اچھے ہیں۔ عالم بے تعصب۔ کارکن۔ ملک کے خیر خواہ ہیں۔ اور اخلاق حیوانوں کے سے نہیں بلکہ انسانوں کے سے رکھتے ہیں، تو بادشاہ اگر "مٹی کا مادھو" بھی ہو۔ تو بھی سلطنت و مملکت کو کسی قسم کا ضعف نہیں پہونچ سکتا۔

رنجیت سنگھ اور اکبر کا ذکر

ہمارے سامنے اکبر اور رنجیت سنگھ کی مثالیں موجود ہیں۔

وہ ہر چند "مٹی کے مادھو" نہیں تھے۔ اور دولت علم سے بالکل محروم تھے۔ لیکن یہ سب کو معلوم ہے۔ کہ ان کے ارکان سلطنت اگر قابل زیرک اور ملک اور بادشاہ کے نام پر اپنی جان تک فدا کرنے کے لئے تیار نہ ہوتے۔ تو یہ دونوں بادشاہ کبھی لازوال شہرت حاصل نہ کر سکتے۔ انکے درباروں میں ہندو اور مسلمان دونوں موجود تھے۔ اور گو اکبر کے ہاں بھی رنگ رلیوں کی نہ تھی اور رنجیت سنگھ تو کئی رانیوں کی موجودگی کے باوجود "گل بیگم اور موران" جیسی شاہدان بازاری کے ہاتھوں بک چکا تھا۔ اور قلعہ کے اندر "عورتوں کی ایک مسلح فوج" بھی بطور باڈی گارڈ رکھتا تھا۔ لیکن اس پر بھی دیکھ لو کہ اکبر۔ اکبر اعظم ہو کے مرا۔ اور رنجیت سنگھ پنجاب کے علاوہ افغانستان تک پہنچا۔

Marfat.com

اس کی وجہ کیا تھی صرف یہی کہ اکبر کے ارکان سلطنت اپنی قابلیتوں اور راعی و رعایا کی خیرخواہیوں کی وجہ سے نو رتن اکبری بن کے چمکتے رہے۔ اور رنجیت سنگھ کے مصاحب و مشیر تلوار اور قلم کے دھنی ہونے کے علاوہ ہمیشہ ملک کی نیک نامی اور سلطنت کی تقویت کا باعث بنے رہے۔

خوش قسمتی سے بڈشاہ کو بھی قدرت نے اسی قسم کے مشیر و مصاحب دے رکھے تھے۔ بادشاہ چونکہ کثیر التعداد مسلمانوں کے علاوہ قلیل التعداد ہندوؤں کا بھی بادشاہ بھی تھا۔ اس لئے اُس کے دربار میں ہندو اور مسلمان دونوں مذہبوں کے نمائندے موجود رہتے تھے۔ جس طرح اکبری دربار کے ارکان سلطنت نو رتن کے نام سے موسوم کئے جا سکتے ہیں۔ جن کی ایک مختصر سی فہرست ذیل میں درج ہے۔

ارکان بڈشاہی کی مختصر سی فہرست

نمبر شمار	نام	عہدہ
۱	محمد خان	نائب السلطنت
۲۔	شری بٹ	امیر الاطباء
۳۔	بلمت رینہ	سپہ سالار
۴۔	ملک احمد یتو	مدار المہام
۵۔	ملک جلال الدین ٹھاکور	مشیر سلطنت

Marfat.com

۶ -	ناد ہو کول[1]	قانون گو کا مراج
۷ -	خواجہ بدیع الزمان بانڈے[2]	رئیس المملک
۸ -	سید نصیر الدین خانیاری[3]	سفیر
۹ -	احمد رینہ	امیر الجیش
۱۰ -	ملک مسعود ٹھاکور	وزیر
۱۱ -	گنیش کول[4]	قانونگو مراج
۱۲ -	کوپال کول[5]	صدر قانون گو قلمرو
۱۳ -	میر علی بخاری	قاضی شہر
۱۴ -	ملا کبیر	شیخ الاسلام
۱۵ -	نتہ گنائی	امیر الامراء
۱۶ -	سید حسین قمی رضوی	فخر العلماء
۱۷ -	سید محمد بیہقی	مصاحب
۱۸ -	حسین چک	امیر المملک
۱۹ -	ملا جمال الدین	قاضی القضاۃ
۲۰ -	میر علی گنائی	مصاحب
۲۱ -	سدا شیو بائیو	جوتشی و منجم
۲۲ -	ملا پارسا	مصاحب و مدرس
۲۳ -	سید ناصر الدین	مصاحب اصلی

[1] از اسرار الاخیار۔ [2] تا [4] کے لئے ملاحظہ ہو۔ مجموعہ شیوا مصنفہ غلام رسول کھوبہامی

[5] از گلزار خلیل مصنفہ خواجہ محسن شعری

Marfat.com

افسر الاطباء حکیم شری بٹ

سلطانؒ کے نامی طبیبوں۔ ندیموں اور مقربوں میں شری بٹ کا بہت بڑا درجہ تھا۔ وہ طبابت میں منتخب روزگار تھا۔ اور سلطان اس پر انواع واقسام کی نوازشیں کیا کرتا تھا۔ حکیم شری بٹ ہی تھا۔ جس کی تحریک و سفارش سے بادشاہ نے حکم عام دیدیا کہ سلطان سکندر کے زمانہ سے جو لوگ جلاوطن ہوکر ممالک غیر میں چلے گئے ہیں۔ وہ وطن میں واپس آسکتے ہیں۔ اور جہاں جہاں ان کی جائداد ہے۔ وہ اس پر قابض ہو سکتے ہیں۔ اور جہاں جہاں اُن کے معابد ہیں وہ ان میں عبادت کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی رعایتیں دیں۔ جن کا ذکر اپنے موقع پر ہو چکا ہے۔

یہی شری بٹ تھا جس نے اُسی زمانہ میں جبکہ لوگ حب وطن اور قوم پرستی کے جذبات سے محروم اور ایثار و قربانی کے محسوسات سے بے بہرہ تھے۔ وہ کام کر دکھایا کہ اس کے قریباً دو سو سال کے بعد شاہجہاں کے زمانہ میں اس کی ایک مثال ملتی ہے۔ جس میں بادشاہ کی بیٹی جہاں آرا بیگم کا کامیاب علاج کرنے کے بعد ایک انگریز انعام و اکرام کے بدلے اپنی قوم کی تجارت پر سرکاری محصول کی معافی کا خواستگار ہوتا ہے شری بٹ نے بھی بادشاہ کا کامیاب علاج کیا۔ اور جب بادشاہ نے اس کو انعام دینا چاہا تو اس نے ذاتی انعام کی بجائے اپنی تمام قوم کے لئے انعام کی درخواست کی۔ اور جزیہ کی معافی مانگی۔

لہ طبقات اکبری۔

چنانچہ بادشاہ نے جزیہ تمام ہندؤں پر سے معاف کر دیا۔

طبقات میں ایک اور جگہ سشری بٹ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بادشاہ کا وزیر بھی تھا۔ اور بہت قابل تھا۔ بادشاہ کو اس کی خاطر اس قدر منظور تھی۔ اور اس کی خدمات اور قابلیتوں نے اس کے دل پر ایسا اثر کر رکھا تھا کہ اس نے اپنے نامی طبیب اور قابل مشیر کی وفات پر زبانی افسوس ہی کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ اس کے اہل و عیال کے لئے ایک کروڑ زر کشمیر جو اکبری سکے کے مطابق چار سو اشرفی کے برابر ہے مقرر کیا۔ طبقات کے اصل الفاظ اس عطیہ کی تصدیق کے لئے حسب ذیل ہیں۔

"سری بٹ کہ وزیر سلطان بود، چوں از عالم رفت سلطان یک کروڑ زر کشمیر کہ چار صد اشرفی باشد۔ بہ جہت او بہ اطفال تصدیق نمود"[1]

سشری بٹ ایسا کامل طبیب ہوا۔ جس کو اکبری عہد کا نامور مؤرخ "صاحب طبقات اکبری" اس فن میں منتخب روزگار لکھتا ہے اور بحر علم طب میں، اس کی کوئی تصنیف کشمیر میں نہ مل سکی۔ تعجب ہے کہ ہمارے خیال میں اس نے ضرور اس فن پر کوئی کتاب بلکہ کئی کتابیں لکھی ہوں گی۔ جو آج ہماری بدقسمتی سے ناپید و معدوم ہیں۔

—— ٥ ——

Marfat.com

سید ناصر الدین

سید ناصر الدین سلطان زین العابدین مقربان خاص میں تھے۔ سلطان اپنی مجلس میں ان کو (ان کے علم وفضل اور ان کے مشیر با تدبیر ہونے کی وجہ سے) ہمیشہ اپنے آپ پر سبقت وفوقیت دیتا تھا۔ ان کی پوتی یعنی سید حسن کی بیٹی حیات خاتون سے زین العابدین کے پوتے یعنی سید حسن شاہ نے شادی کی تھی۔ جس سے دو بیٹے محمد وحسین پیدا ہوئے۔ محمد محمد شاہ کے نام سے تخت کشمیر کا مالک بنا سلطان حسن شاہ کے زمانہ تک سلطان ناصر زندہ تھے۔ اور وہ چونکہ بڈشاہ جیسے جلیل القدر بادشاہ کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے۔ اور سلطنتوں کے بگڑنے اور بننے کے وجوہ واسباب سے کما حقہ آگاہی رکھتے تھے۔ انہوں نے حسن شاہ کو اس کی بے اعتدالیوں۔ سے منع کیا۔ لیکن اس نے راہ راست اختیار کرنے کی بجائے آپ کی اس حریت۔ وحق گوئی سے ناراض ہو کر آپ کو کشمیر سے نکلوا دیا۔ آپ سید سے دہلی چلے گئے۔ اور وہیں رہائش اختیار کرلی۔ جب ان کے بعد باہمی خانہ جنگیوں سے کشمیر میں ابتری پھیلنی شروع ہوئی۔ تو حسن شاہ نے آپ کو یاد کیا۔ اور دہلی میں آپ کے لانے کو آدمی بھیجے۔ آپ اس وقت ضعیف العمر تھے۔ اور سفر کے ناقابل۔ لیکن ملک

Marfat.com

کی تباہی کی خبریں سن کر آنسو نکل آئے۔ چنانچہ آپ کو کشمیر کو روانہ ہوگئے۔ اور جب تمام مراحل طے کر کے درۂ پیر پنچال کی سر بفلک بلندی پر پہونچے۔ تو طبیعت زیادہ کمزور ہوگئی۔ اور وہیں ٹھہر گئے۔ ؎

حسرت پہ اس مسافر بے کس کی روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

خیال یہ تھا کہ ع

آگے چلیں گے دم لے کر

لیکن قدرت اس وقفہ و قیام ہی کو دم واپسین بنا رہی تھی۔ چنانچہ آپ نے اسی عالم مہجوری میں جان جان آفرین کو سونپ دی ؎ المؤلف

ہائے اے ولولہ خواہش اصلاح وطن
تجھ سا پُر حسرت و ارمان نہ دیکھا نہ سُنا

ملک مسعود جلال

تاریخ کشمیر میں ٹھاکور خاندان[1] کا بڑا مرتبہ ہے۔ ملک مسعود و ملک جلال اسی خاندان کے نونہال تھے۔ بابا داؤد مشکوتی

---

[1] ٹھاکور یا ٹھکور کی صحیح وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہوسکی۔ بابا داؤد مشکوتی تو اسی خاندان سے سے تعلق رکھتے ہیں گو ان کے آبا و اجداد شاہجہاں کے

(باقی صفحہ آئندہ پہ)

Marfat.com

مصنف اسرار الابرار جو خود بھی اسی خاندان سے ہیں شیخ اوتر ٹھکور کے حالات میں اپنا خاندانی تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں ہم ضحاک بادشاہ کی نسل سے ہیں۔ جب فریدوں ضحاک پر غالب آیا تو ضحاک کی اولاد کوہ غور میں چلی آئی۔ اس خاندان میں سب سے پہلے شیب نے مذہب اسلام قبول کیا۔ جب غوریوں پر غزنی و دہلی میں زوال آیا۔ تو حوادث روزگار کے باعث ان کا ایک نامور فرد حسن غوری ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ کشمیر چلا آیا۔ شاہان کشمیر نے ان کی نجابت و شجاعت سے آگاہ ہو کر حسن غوری کو عمدۃ الملک کا خطاب دیا۔ لیکن عوام میں وہ صرف ملک کے نام سے مشہور رہے۔ چنانچہ ملک حسن، ملک قاضی ٹھکور، ملک فیروز ٹھکور ملک مسعود اور اس کا بیٹا ملک جلال سب اسی نام سے شہرت پذیر ہوئے۔ ملک مسعود بڈشاہ کے عہد حکومت میں سپہ سالاری اور وزارت تک کے عہدوں پر رہا ہے۔ اس کے تدبر (انتظام) کی بڑی تعریف کی جاتی ہے۔ بڈشاہ ہمیشہ اس مدبر جرنیل

(بقیہ صفحہ گذشتہ) زمانہ میں ایک عارف کامل بزرگ ہوئے ہیں۔ لکھتے ہیں۔ ٹھکور ہم غوریوں کا نام ملبار و رینج ہی میں رکھا گیا تھا۔ جس کے معنی بیٹھوا کے ہیں۔ مولوی سعادت مفتی گلشن کشمیر میں لکھتے ہیں۔ ٹھکور کے معنی پہلوان اور زورآور کے ہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں لکھتا کہ ٹھکور ہے کس زبان کا لفظ ہے

Marfat.com

کا مداح رہا ہے۔ باوجود اس عہدہ اور ان سرکاری مصروفیتوں کے بابا اسماعیل زاہد کبروی سے بیعت بھی تھی۔ اخیر عمر میں مجاہدہ وگوشہ عزلت سے زیادہ سروکار رہا۔ بادشاہ کی وفات کے ۳۱ سال بعد ۹۱۰ھ میں وفات پائی۔ اپنے باغ میں جو فتح کدل کے قریب وجوار میں تھا۔ مدفون ہوئے۔

ملک جلال آپ کا نامور فرزند ملک سیف الدین اور سلطان سکندر بت شکن وعلیشاہ برادر بڈشاہ کا داماد تھا۔ ملک سیف الدین کی لڑکی گُچھی خاتون اپنے علم وفضل اور اپنے نیک کاموں کی وجہ سے بہت مشہور تھی۔ اس کا نام نہر گچھی کول کی وجہ سے اب کشمیر میں زندہ ہے۔ جس کے آثار آج سے چند سال پیشتر راقم الحروف نے بھی جامع مسجد سرینگر کے پاس دیکھے تھے۔

Marfat.com

سولھواں باب

عہد بڈشاہی کے مؤرخ و شاعر

پنڈت زونراج

دار الترجمۂ میں تاریخ نویسی کے عہدہ پر ممتاز اور بادشاہ کے معزز درباریوں میں تھا۔ تاریخ نویسی میں اس کو ملک احمد علامۂ کا ہم پلہ بتایا گیا ہے۔ زونراج نے کلہن کے بعد زمانہ لیکر سلطان زین العابدین کے وقت تک کے حالات بزبان سنسکرت نظم میں قلمبند کئے۔ جس پر سلطان نے بذریعہ انعام واکرام اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ زونراج کی تاریخ کا نام اس کے اپنے اور بادشاہ (زین العابدین) کے نام پر زینہ ترنگنی مشہور ہے۔ اور یہ تاریخ کم یاب و نایاب

Marfat.com

ہی نہیں ۔ بلکہ ناپید ہے ۔ سٹین صاحب نے اپنے ترجمہ اور نوٹوں میں زینہ گیر ترنگنی کے حوالہ جات دئے ہیں ۔ اور زونراج کا بھی ذکر کیا ہے ۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے ۔ زونراج نے اپنی زینہ ترنگنی میں ہندوؤں کے آخری عہد سے لے کر سلطان زین العابدین کے زمانہ تک کے حالات پر خامہ فرسائی کی ہے ۔

زونراج بڑا عالم وفاضل تھا ۔ اور کشمیر کے تاریخی حالات پر اسے کامل عبور تھا ۔ مگر ہند و مؤرخین کشمیر میں جو درجہ کلہن کو مل چکا ہے ۔ وہ کسی اور ہند و مصنف و مؤرخ زونراج شرید ۔ شک ۔ پر جا بھٹ عزض کسی کو نہیں مل سکا ۔

بادشاہ کی وفات سے پندرہ سال پیشتر ۱۴۵۶ء میں کہ ابھی زینہ ترنگنی اختتام تک بھی نہ پہنچی تھی ۔ زونراج ع

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

کے مطابق اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اس عالم فانی سے رخصت ہو گیا

بادشاہ کی زندگی میں صرف زونراج ہی نے سفر آخرت نہیں کیا ۔ بلکہ اس کی طویل حکومت میں اس کے کئی مصاحب اور وزیر ومشیر بھی ایک ایک کر کے چل بسے ۔ اور بالآخر اس کے حال پر استاد داغ کا یہ شعر صادق آنے لگا ۔

ہوش و حواس و عقل و خرد جا چکے ہیں سب
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

Marfat.com

سوم پنڈت

دارالترجمہ کے معزز و سربرآوردہ ارکان میں تھا۔ کشمیر کی تاریخوں کے علاوہ اس کا ذکر صاحب طبقات نے بھی کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے۔ سوم پنڈت سلطان کے دانشمند درباریوں میں میں تھا۔ وہ کشمیری زبان میں اعلیٰ شعر کہتا تھا۔ اور ہندی علوم (سنسکرت) کے علاوہ وہ فارسی عربی اور تبتی زبانوں میں بھی اُسے بڑی مہارت تھی۔ اُس نے زین چرت نام ایک کتاب بادشاہ کے نام پر لکھی تھی۔ جس میں اُس عہد کے تمام واقعات بالتفصیل درج کئے تھے۔ اسے علوم موسیقی میں بھی دخل تھا۔ اور اس علم میں مانک نام ایک کتاب اس نے لکھی تھی۔ ان وجوہات سے وہ ہمیشہ مورد الطاف شاہی رہا۔ عربی فارسی کی کئی کتابوں کو اس نے بادشاہ کے حکم سے ہندی زبانوں میں ترجمہ کیا۔ مہابھارت کہ ہندوؤں کی مشہور و مقدس کتاب ہے۔ سب سے پہلے اُسی نے فارسی میں ترجمہ کی۔ راج ترنگنی کو بھی اسی نامور عالم نے فارسی کا لباس پہنایا۔

زونراج کی زینہ ترنگنی کی طرح سوم پنڈت کی زینہ چرت بھی آج صفحۂ دنیا سے نابود و معدوم ہے۔ کشمیر کی یہ علمی و تاریخی جواہرات خدا جانے کس کتب خانہ کی زینت ہیں۔ یا کسی سلطنت کے انقلاب کی نذر ہو چکے ہیں۔ یا کیڑوں مکوڑوں کی خوراک بن گئے ہیں۔ اگر یہ روشنی میں آجائیں تو دنیا کو معلوم

Marfat.com

ہو جائے کہ کشمیر کا یہ چھوٹا سا مگر خوبصورت ملک جو آج اپنی علمی واخلاقی اور سیاسی و مالی کم مائیگی کی وجہ سے دنیا کی نظروں میں حقیر سمجھا جا رہا ہے۔ ہمیشہ سے اسی طرح نہ تھا۔ اس میں علم بھی تھا اخلاق بھی۔ اس کی سیاحت کشمیر کی حدود سے باہر جا کر کہیں چین و تبت اور کاشغر کے ساتھ ٹکراتی تھیں۔ اور کہیں شاہ دہلی کے ملک سے دوچار ہوتی تھیں۔ اس کی اقتصادیات کا یہ عالم تھا کہ دور کے ملکوں سے لوگ اس کی مدد قدر دانیاں اور فیاضیاں سنکر آتے تھے۔ اور مالا مال ہوتے تھے۔ لیکن آہ آج یہ سب باتیں ایک افسانہ ہی معلوم ہوتی ہیں۔

ہم بھی کسی وقت میں انسان تھے — ہم بھی کبھی بے سر و سامان تھے
ہم نے بھی پہنا ہے سمور و حریر — ہم نے بھی کھایا ہے بہت شہد و شیر
سارے زمانے کے ہنر یاد تھے — لوگ تھے شاگرد ہم استاد تھے

ملک الشعراء ملا احمد بڈشاہی

ملا احمد کاشمیری بڈشاہ کے دار الترجمہ و دار التصانیف کی روح رواں تھا۔ ملا احمد نے بادشاہ کے حکم سے رتنہ پورہ ن و راج ترنگنی جیسی قدیم سنسکرت تاریخوں کو فارسی کا لباس پہنایا۔ اور نام اپنی تاریخ کا "وقائع کشمیر" رکھا۔

ملا احمد کی قوت استدلال۔ لطافت طبع اور قادر الکلامی کا تمام مؤرخین نے اعتراف کیا ہے۔ دربار شاہی کے علمی مباحثوں

Marfat.com

میں جو نامور ادباء و شعراء حصہ لیتے تھے۔ ملک الشعراء ملا احمد ان سب کا سرتاج تھا۔

ایک دن بزم آراستہ تھی۔ بادشاہ سلامت تخت پر جلوہ افروز تھے۔ ملا احمد بھی دستار کا شملہ پیشانی پر شاخوار لٹکا کر جھومتے جھامتے بلکہ ہانپتے کانپتے جب دربار میں آئے تو بادشاہ نے مسکرا کر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ؎

شاخ پیشانئے ملا احمد کشمیر بہ بین
گر نہ دیدستی تو در آفاق انسان شاخوار

بادشاہ مذاق صحیح اور طبع سلیم رکھتا تھا۔ اس کے درباری مصاحب اور شعراء بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔ اور ملا احمد تو ملک الشعراء ہی تھا۔ فوراً بول اٹھا ؎

شاخ پیشانی خدیوا گر گوارے داشتم
تا نیایم درمیان مادہ گاوان در شمار

جواب کی برجستگی ملک الشعراء ملا احمد کے ذہن رسا کا پتہ دے رہی ہے۔

تاریخی اوراق میں ملا احمد کے استاد کا نام ملا محمد افضل بخاری ثم الکشمیری بتایا جاتا ہے۔ شاگرد نے اپنے استاد کی زندگی ہی میں ملک الشعراء کا خطاب اور بادشاہ کی مصاحبت و قربت کا اعزاز حاصل کر لیا تھا۔ لیکن اس منتہائے کمال پر بھی ملا احمد اپنے استاد کی خدمت گزاری اپنا فخر سمجھتا رہا۔ بقول شاعر ؎

Marfat.com

احسان یہی ہے فخر میرا
شاگرد جلالؔ لکھنوی ہوں

مناظرہ و مباحثہ و بدیہہ گوئی میں فرد کامل تھا۔" وقائع کشمیر[1]
کے علاوہ مہا بھارت کا فارسی ترجمہ بھی اس کی یادگار ہے۔
مرنے کے بعد ملک پورہ یعنی مزار السلاطین میں جگہ پائی۔ حسد اور
حاسدوں سے زمانہ کبھی خالی نہیں رہا۔ مولانا احمد بھی اس سے
نہ بچ سکے۔ جب دربار سے ملک الشعراء کا خطاب ملا۔ حاسد اور
بھی جل گئے۔ آخر کہہ سن کر بادشاہ کو ملا احمد سے برافروختہ
کرادیا۔ یہاں تک کہ ملا بے چارہ پکھلی (ہزارہ) چلا گیا۔ اور ایک
مدت تک وہاں سرگرداں رہا۔ آخر یہ رُباعی لکھ کر بادشاہ کی
خدمت میں بھجوائی۔

نے بہ نجوم زمید اخبر ے ، نے بہ منطق زجز و کل اثرے
بزرقی این کسروجر چرا دانند ، احمد از مزمنصرف خوانند

سلطان اس رُباعی کے ملاحظہ و مطالعہ سے بہت خوش ہوا۔
مولٰنا کو واپس بلایا۔ اور بیش از بیش انعام عطا فرمایا۔[2]
ایک دن ملا احمد نوشہرہ میں سلطان کی خدمت میں حاضر
تھا۔ ایک فقیر ہاتھ میں کاسہ گدائی یعنی کچکول لئے آیا۔ اور نہایت
بے باکی کے ساتھ آ کے بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ بادشاہ کو اس

---

[1] از مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف
[2] از بیان خواجہ محمد اسماعیل صاحب نامی سرینگر۔

Marfat.com

کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ طیش میں آ کے فرمایا۔ یہ کچلول تم کو کس نے دیا ہے؟ وہ تو خاموش ہو رہا۔ ملا احمد اٹھا اور فی البدیہہ بولا ؎

اے آنکہ ترا تاجوری دادسری داد

در دست گدا رکوۂ دریوزہ گری داد

اس شعر کا سننا تھا کہ بادشاہ کا غصہ فرو ہو گیا۔

ملا احمد کے متفرق اشعار جو مختلف تاریخوں اور بیاضوں سے مل سکے ہیں۔ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں ؎

تا خبردار شدم بے خبر خویشتنم

نیستم ہیچم ار در نظر خویشتنم

شکوہ واقعہ ہائے کہ از بر ماست

موئے افتاد بلال و گہر خویشتنم

از کوئے کہ شد موج خیالم کہ کجا سیجا

ہر کاوش دل گل بہ کنارہ آدریں باغ

مرہون رگ گل شدہ ہر نالہ بلبل

زانسان کہ صدا دمے قارہ آدریں باغ

ـــــــــــــــ

ملا نادری

یہ ا معلوم ہوتا ہے۔ اصل وطن کشمیر نہیں تھا۔ البتہ بادشاہ کی

ـــــــــــــــ

لے از بیاض خواجہ محمد اسماعیل صاحب نامی سرینگر ٭

Marfat.com

مناپانت نے کشمیر کو وطن بنانے پر مجبور کر دیا۔ اور کمالات علمی بھی کشمیر سے باہر ہی حاصل کئے تھے۔ چنانچہ علامہ ہدایت اللہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔ "بعد تحصیل کمالات علمی در عنفوان جوانی بہ کشمیر رسید"[1]

ملا نادری کی تاریخ کشمیر اور اس کی شاعری کا ذکر اکثر تاریخوں اور بیاضوں میں درج ہے۔ لیکن نہ اس کا دیوان کہیں ملتا ہے اور نہ اس کی تاریخ کا کوئی پتہ چلتا ہے۔ آج سے دو سو سال پہلے کا مصنف علامہ مولوی ہدایت اللہ جو ۱۱۸۵ھ سے ۱۲۰۶ھ تک عہدہ شیخ الاسلامی پر رہا ہے۔ مصاحبین بادشاہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ملا نادری کے حالات میں لکھتا ہے۔ "طبع موزون داشت اشعار آبدار مے گفت تاریخ کشمیر از وے یادگار است"۔ لیکن وہ تاریخ ہے کہاں اس کے متعلق لکھتے ہیں۔ "مگر بہ نظر وقائع نگار نہ رسید" صاحب تاریخ حسن بھی ملا نادری کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "اسمش معلوم و جسمش معدوم"۔

صرف آپ کا ایک ہی شعر ملا ہے۔ وہی درج ہے۔[2]

بر قعہ لوز است بر رخسار آتش ناک تو

یا ز تاب عارضت آتش فتادہ در نقاب

---

[1] بعہد نورالدین خان و جمعہ خان الکوزئی ناظمان کشمیر۔ کشمیر میں نہایت نامور عالم گذرے ہیں۔

[2] از بیاض محی الدین کاشمیری نوشتہ ۱۲۲۴ھ قلمی مملوکہ پیر شمس الدین صاحب پانڈے سرینگر۔

Marfat.com

برقعہ کا لفظ ظاہر کرتا ہے۔ کہ زمانہ بڈشاہی میں بھی اس کا رواج تھا۔

ملا محمد شاعر

طبقات اکبری بڈشاہ کے حالات میں ایک شاعر سلطان محمود[1] کا ذکر کرتے ہیں۔ اور لکھتے ہیں۔ وہ اہل علم ہونے کے علاوہ نہایت زیرک و دانا تھا۔ ہر قسم کے بحر و قافیہ میں بدیہہ اشعار کہتا تھا۔ اور جب کبھی مشکل سے مشکل علمی سوال اس سے کیا جاتا۔ وہ اسی وقت اور بے تامل اس کا حل کر دیتا تھا۔

افسوس ہے صاحب طبقات نے اس کا کوئی شعر اور اس کی بدیہہ گوئی کا کوئی واقعہ درج نہیں کیا۔

بادشاہ کی شاعری

زین العابدین کے نام سے کشمیر میں ایک مناجات بزبان عربی پڑھی جاتی ہے۔ اور کہا جاتا ہے۔ کہ یہ بڈشاہ کی تصنیف سے ہے۔ لیکن اس پر وثوق و اعتبار کسی تاریخ دان کو نہیں ہے۔

فارسی میں اس کا ایک مصدقہ شعر ملک الشعراء ملا احمد کے

---

[1] طبقات اکبری کے علاوہ دوسری تمام تاریخوں میں محمود کی بجائے محمد نام درج ہے۔

Marfat.com

حالات میں لکھا جاچکا ہے۔ دوسرا شعر بیاض ناں (غیر مطبوعہ) میں نظر سے گزرا ہے۔ جس کو بڈشاہ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اور جو حسب ذیل ہے ؎

جہاں نتوان ستردن نقش عشق سرشکن ہرگز
حکایت ہا زبان تیشہ فرہاد مے گردد

سو سال کے بعد حضرت یعقوب صوفی کاشمیری (اکبر کے زمانے میں) اس کی تضمین اس طرح کرتے ہیں ؎

نگردد کم نوائے بلبل از شور زغن ہرگز
نہ سازد محو ہنگام خزان حرف چمن ہرگز
غم دنیا نہ سازد تلخ فکر عیش من ہرگز
جہاں نتوان ستردن نقش عیش سرشکن ہرگز
حکایت ہا زبان تیشہ فرہاد مے گردد

کشمیر میں اکثر شعراء کے تذکرے بھی ہیں۔ اور بیاضیں بھی۔ میں نے کبھی کئی ایک بیاضیں دیکھیں۔ مگر افسوس ہے۔ دور بڈشاہی کے شعراء کے اشعار و حالات حسب خواہش نہ مل سکے۔ اس لئے جو کچھ دستیاب ہو سکا ہے۔ وہ سطور متذکرۃ الصدر میں حاضر کر دیا ہے۔

قاضی حمید

حمید الدین نام تھا۔ ان کے بزرگ قضا کے عہدوں پر ممتاز رہے ہیں۔ اس لئے قاضی کہلاتے تھے۔ ان کا ذکر کسی جگہ تفصیل سے

Marfat.com

نظر نہیں آیا۔ تاریخ حسن (غیر مطبوعہ) میں صرف ایک سطر درج ہے۔
"قاضی حمید در زبان بادشاہ تاریخ تصنیف کردہ است۔ نقل آں نایاب"
آج قاضی حمید دنیا میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کی کتاب بھی نایاب ہے۔
لیکن صاحب کتاب یعنی مؤرخ ہونے کی حیثیت سے تاریخوں
میں اس کا نام آج بھی زندہ ہے۔ سچ ہے ؎

رہتا ہے ذوق نام سخن سے ابد تک

اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

Marfat.com

سترھواں باب

عہدِ بڈشاہی کے علماء و مشائخ

علماء مشائخ کی کثرت

یہ صحیح ہے کہ بڈشاہ نے ترویج اسلام و تائید سنت نبوی کے لئے وہ اشحہ عمل اختیار نہیں کیا جو سلطان سکندر اور اس کے وزیر ملک سیف الدین کے پیش نظر رہا۔ اور بعض مؤرخین نے دبے الفاظ میں اس کی شکایت بھی کی ہے۔ جیسا کہ صاحب تاریخ حسن (صفحہ ۵۰ پر) لکھتے ہیں: "در ترویج اسلام و سنت نبوی ﷺ بہ مرتبہ پدر توفیق نہ یافت" لیکن اس میں بھی کلام نہیں۔ کہ سکندر اور سیف الدین نے ترویج اسلام کے لئے جو کچھ کیا ہے۔ اگر وہ صحیح ہے تو اسلام نے اور سنت اسلام نے جو اسلام ہی ہی کا دوسرا نام ہے۔ ہرگز اس قسم کی تعلیم نہیں دی۔

Marfat.com

باوجود "بہ مرتبہ پدر توفیق نہ یافت" کے بادشاہ کے عہد میں کشمیر شریعت اسلامیہ کی پابندی کے لئے خاص طور پر مشہور رہا ہے۔ علماء مشائخ اور فضلاء فصحاء کی اس نے وہ قدردانی کی ہے۔ کہ اس نے کشمیر کو علمستان اور اسلامستان بنا رکھا تھا۔ جسقدر علماء و مشائخ اس عہد میں کثرت و شدت سے تاریخوں میں نظر آتے ہیں۔ اس سے قبل اور اس کے بعد کے بادشاہ کشمیر کے عہد میں دکھائی نہیں دیتے۔ بلکہ کئی ایسے بھی ہوں گے جن کا نام بھی تاریخوں میں نہ آسکا ہوگا ؎

نہ دانم ز آغاز و انجام شاں

مرا بر زبان بس بود نام شاں

بادشاہی عہد کے تمام علماء و مشائخ کے حالات کے لئے ایک علیحدہ دفتر کی ضرورت ہے۔ اسلئے چند نام یہاں درج کئے جاتے ہیں۔

(۱) ملا محمد باقر رومی (۲) سید برخوردار (۳) ملا احمد رومی (۴) سید محمد شیبانی (۵) سید محمد رشید (۶) سید محمد لورستانی (ایران) (۷) حافظ فتح اللہ خوشخوان (۸) مولانا محمد مروی (۹) مولانا نور الدین (۱۰) سید حسین رومی (۱۱) شیخ سلطان کبروی بلخی (۱۲) شیخ شمس الدین زمینہ پوری (۱۳) حضرت سید حبیب کاسانی (۱۴) سید بلال (۱۵) میر سید حبیب اللہ سرجابی (۱۶) سید شہاب الدین (۱۷) سید حضور اللہ (۱۸) حضرت بابا تاج الدین (۱۹) بابا نصر الدین (۲۰) بابا لطیف الدین (۲۱) بابا قیام الدین (۲۲) سید حسین ورد (۲۳) شیخ الاسلام مولانا کبیر (۲۴) ملا جمال الدین (۲۵) حافظ بغدادی (۲۶) علامہ سید شمس الدین اندرابی (۲۷) سید حسین قمی رضوی (۲۸) بابا حاجی آدہم (۲۹) سید محمد مدنی (۳۰) سید محمد عالی بلخی (۳۱) میر سید حسن

Marfat.com

(۳۲) میر سید حسین منطقی (۳۳) سید جان باد ولی (۳۴) بابا زین الدین (۳۵) بابا عثمان گنائی (۳۶) شیخ بہاؤالدین گنج بخش (۳۷) شیخ نورالدین ولی رشی (۳۸) میر سید محمد امین اویسی

یہ سب بزرگ آسمان تصوف و علم کے درخشندہ ستارے تھے۔ ان میں سے کئی ایک کی خدمت میں بادشاہ خود حاضر ہوتا رہا۔ کئی ایسے تھے۔ جن کے لئے بادشاہ نے خانقاہیں اور درگاہیں تعمیر کرا دیں۔ اور وظائف اور جاگیریں تو قریباً سب کے لئے مقرر تھیں۔ یہی وہ عالی پایہ صالحین تھے۔ جن کے وجود مبارک کو بادشاہ ہمیشہ نزول رحمت و برکت کا باعث تصور کرتا رہا۔ یہی وہ صاحبان ولایت تھے

ذات سے جن کی زمین و آسمان! ناز تھا
جن کے سنگ آستان پر لوگ گھستے تھے جبین

ان میں سے نمبر ۲۳ سے لے کر نمبر ۳۹ تک کے مختصر سے حالات قلمبند کئے جاتے ہیں۔ جو بادشاہ کی اس عقیدت و ارادت پر بھی بالوضاحت روشنی ڈالتے ہیں۔ جو اس کو متبرک گروہ سے تھی۔

شیخ الاسلام مولانا کبیر

کشمیری الاصل تھے۔ عنفوانِ جوانی ہی میں کہ سلطان سکندر کا زمانہ تھا۔ ہرات چلے گئے۔ فقہ وحدیث اور تفسیر کے حصول میں وہ سعی کی کہ ان کا نام شہرت و عزت کے پر لگا کر اڑتا تھا۔ اور تمام عالم اسلام سے ان کو روشناس کراتا تھا۔

Marfat.com

بڈشاہ جب بادشاہ ہوا تو بڑی منتوں اور آرزوؤں سے ان کو بلوایا۔ محلہ نوشہرہ میں شاہی محلات کے قریب ان کو جگہ دی۔ منصب شیخ الاسلام کہ اس سے پہلے اس ملک میں اس عہدہ کا دستور و رواج نہ تھا۔ عطا کیا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد ان کی مزید وابستگی و دلدہی کے لئے اعلیٰ پیمانہ پر ایک بادشاہی مدرسہ راجدھانی میں قائم کیا۔ جس کا افسر اعلیٰ مولانا کبیر کو ہی مقرر کیا۔ مولانا کا مقبرہ محلہ نوشہرہ ہی میں ہے۔

قاضی القضاۃ ملا جمال الدین

تمام مؤرخوں نے لکھا ہے۔ ان کا وطن ہندوستان تھا جب کشمیر آئے تو خانقاہ امیریہ (شاہ ہمدان) میں رہائش اختیار کی۔ اور درود وظائف کے بڑے پابند اور بڑے عالم و فاضل اور جید اہل قلم تھے۔ مگر عوام سے ہمیشہ اپنے علم کو پوشیدہ رکھا کرتے۔ لیکن عشق و مشک کا چھپانا بڑا مشکل ہے۔ بلکہ ان کے لئے " نتوان نہفتن" استادوں نے کہا ہے۔ چنانچہ آپ نے کسب حلال کے لئے عرائض نویسی کا کام شروع کیا۔ آپ اہل مقدمات کی طرف سے بادشاہ کے دربار میں عرضیاں لکھا کرتے۔ اور جو لوگ کسی حاکم کے خلاف کوئی شکایت لکھواتے۔ تو اس کے تدارک یا اصلاح کے لئے بھی آپ اہل شکایات کو عرضیاں لکھ کے دیا کرتے۔ بادشاہ ان عرضداشتوں کے مضامین پڑھکر بڑا متاثر ہوتا۔ اور عرائض نویس کے تبحر علمی کا قائل ہو جاتا۔

بادشاہ نے کئی دفعہ چاہا کہ عرائض نویس کو اپنے دربار میں بلوا کر اس

Marfat.com

کے کمال منصاحت سے اور بھی زیادہ بہرہ اندوز ہو۔ لیکن کوئی نہ کوئی امر مانع ہوتا رہا۔ آخر جب آپ نے ایک منظوم درخواست بادشاہ کی خدمت میں بھجوائی۔ جس میں سلطان سکندر کی وفات پر بھی قطرات اشک بہائے گئے تھے۔ اور جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

شہ کہ بود مرادش بجائے مسکینان
بجان و دل طلبد دعائے مسکینان

تو بادشاہ کو زیادہ انتظار کی تاب نہ رہی۔ اپنے ایک درباری کو آپ کے بلانے کے لئے بھیجا۔ جب آپ بادشاہ کے حضور میں گئے۔ تو وہ قدر دانی و مردم شناسی کا پتلا ایک گوشہ نشین درویش کے ساتھ جو ایک خانقاہ پر رہبانیت کی سی زندگی بسر کر رہا تھا۔ ادب واحترام کے ساتھ پیش آیا۔ اٹھ کر تعظیم کی[1]۔ اور اپنے پہلو میں بٹھایا[2]۔ آپ نے بادشاہ کی خدمت میں ایک تصنیف ہدیۃً پیش کی۔ بادشاہ اس کے مطالعہ سے بے حد مسرور ہوا۔ اور آپ کی اعلیٰ قابلیت نے اس کو مسحور کر لیا۔

عرائض نویسی میں جو دلائل و براہین آپ لکھا کرتے تھے۔ بادشاہ ان کو نہایت پسند کرتا تھا۔ اور خیال کرتا تھا۔ کہ اگر ایسا شخص جو انشاء پردازی کے ساتھ دماغ بھی مقنن رکھتا ہے۔ میری قلمرو کی عدالت اعلیٰ کا جج ہو جائے۔ تو انصاف اس سے بڑا نیک نام ہو سکتا ہے۔

---

[1] مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف
[2] تاریخ خواجہ اعظمی ؛

Marfat.com

چنانچہ بادشاہ نے عہدہ قاضی القضاۃ ان کے سپرد کیا۔ جو اس زمانہ کی چیف ججی کے برابر ہے۔ قاضی جمال علوم دینیہ و دنیویہ سے آراستہ تھے۔ اور احکام کے فیصلے بلا کسی لحاظ و مروت کے بلا رو رعایت و دیانت کے ساتھ کیا کرتے تھے۔ بادشاہ ان کے فیصلے سے خوش ہو کر ہمیشہ ان پر نوازشوں اور شاہی عنایتوں کا اظہار کرتا رہا۔

حافظ بغدادی

اصل وطن جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ بغداد تھا۔ سلطان کی شہرت سن کر وطن کو ترک کیا۔ اور ہزار ہا کوس کا فاصلہ طے کر کے کشمیر پہونچے۔ بادشاہ نے جو نہایت جوہر شناس اور مسافر نواز تھا۔ مصاحبوں میں داخل کر کے اس کی قدر دانی فرمائی۔ حافظ بغدادی سے بیشتر لوگوں کو علم و عمل کا فیض حاصل ہوا۔ آپ کبھی کبھی جامع مسجد میں وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔

میر علی بخاری

بخارا کے رہنے والے تھے۔ جب کشمیر میں آئے۔ اور بادشاہ تک آپ کے علم و فضل کی خبر پہونچی۔ منصب قضا عطا فرمایا۔ اور عنایات خسروانہ کے دروازے کھول کر عطائے جاگیر کے ذریعہ مالا مال کر دیا۔

علامہ سید شمس الدین اندرابی

کشمیر میں خاندان سادات اندرابیہ کا۔ جو امیر کبیر مبلغ اسلام سید علی ہمدانی کے زمانہ ہی سے چلا آتا ہے۔ چنانچہ حضرت

لہ یہ خاندان عرب سے نکل کر پہلے پہل اندراب میں داخل ہوا۔ وہاں سے کچھ عرصہ کے بعد کوہ ہندوکش کے قریب اقامت

Marfat.com

امیر کی مراجعت کے بعد سید احمد اندرابی نے جو حضرت امیر کے ہمشیرہ زادہ بھی بیان کئے جاتے ہیں۔ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ کشمیر ہی میں اقامت اختیار کر لی۔

سلطان سکندر نے محلات شاہی کے قریب آپ کے لئے ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرادی۔ جو اس وقت سری نگر کے محلہ ملارٹہ میں خانقاہ اندرابیہ کے نام سے مشہور ہے۔ لنگر کے مصارف کے لئے چند مواضعات جن میں موضع ویچڈ بیرہ بار اور اچھتن وغیرہ بھی شامل تھے۔ بطور جاگیر عطا کئے۔ ۸۰۲ھ میں آپ نے وفات پائی۔ اور سلطان سکندر نے مزار السلاطین کی صف اول میں آپ کو جگہ دی۔

کشمیر کا مشہور مؤرخ شائق اپنی تاریخ میں آپ کے متعلق لکھتا ہے ؎

حسینی نسب سید احمد بنام
کہ بودہ است از اولیائے کرام
زیاران میر کبیر است او
بزہد و ورع بے نظیر است او

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اختیار کی۔ لیکن عجم کے وطن اول یعنی اندراب کی طرف منسوب ہو کر اندرابیہ کہلایا۔ جب خاندان کشمیر آیا۔ تو یہاں بھی سادات اندرابیہ کے نام ہی سے مشہور ہوا۔

ؔ اس کا اصل نام ملا عراقی بھٹہ تھا۔ ملا عالم (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

سید شمس الدین اندرابی آپ سے تیسری[1] پشت میں ہیں۔ آپ نے اپنے والد ماجد سید ابراہیم اندرابی سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کر کے فقہ حدیث اور تفسیر میں امتیازی شہرت حاصل کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بیس سال ہی کی عمر میں علوم ظاہریہ کی تکمیل سے آپ فارغ ہو گئے تھے۔
آپ نے سلسلہ درس و تدریس جاری کر کے اپنی خاندانی روایات کو از سر نو زندہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ تزکیہ نفس کرتے ہوئے مدارج سلوک و مقامات عرفان بھی طے کرتے رہے۔ اور آخر آپ نے اپنے علم و عمل سے ثابت کر دیا کہ ع

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

آپ جیسے صاحبان علوم باطنیہ کے لئے ہی موزون ہے۔
یہ فاضل ترین ہستی بادشاہ کی نگاہوں سے زیادہ دیر تک پوشیدہ نہ رہ سکتی تھی۔ چنانچہ اس جوہری نے اس نگینہ کی قدر و قیمت سے آگاہی حاصل کر کے اس کو چار چاند لگا دئے۔ بلکہ آپ کی شادی بھی منطقی سیدوں کے خاندان میں ہوئی۔ جن کے ایک لڑکے محمد امین اویسی کو بادشاہ نے اپنا لے پالک بنا رکھا تھا۔
شاہی خاندان میں منسلک ہونے کی وجہ سے ان کا ظاہری

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) متبرک کو کہتے ہیں۔ شاید کسی عراقی ملا کے نام پر ہو۔ اب اسی محلہ کو ملا رٹہ کہتے ہیں۔

[1] سید احمد اندرابی کے فرزند سید محمد ان کے سید محمد ابراہیم اور ان کے فرزند سید شمس الدین اندرابی ؁

Marfat.com

اقتدار بھی شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ رہا۔ بادشاہ نے بھی اپنے الطاف و کرم کے اظہار سے ہمیشہ اپنی عقیدت کا خلوص دیا۔ سلطان سکندر کی بنا کردہ خانقاہ کے باوجود اسی خانقاہ کے متصل ایک عالیشان مسجد معہ حمام ان کے لئے تعمیر کرائی۔ ایک پختہ کنواں بھی کھدوایا۔ لنگر کا انتظام بھی کیا۔ جس سے آپ کے طالبان علوم و معارف کو دو وقت کا کھانا ملتا تھا۔

سکندر و بڈشاہ کی دونوں عمارتیں اب تک موجود ہیں۔ پہلی عمارت کو گرمیوں میں اور دوسری کی بنائی ہوئی مسجد کو سردیوں میں نماز کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ بڈشاہی عمارت کے اختتام کی تاریخ "عبادت گاہ نکو کاران" کے فقرہ سے نکلتی ہے۔ اور اگر یہ صحیح ہے تو سمجھنا چاہیئے کہ بڈشاہ نے یہ مسجد ۸۵۰ھ میں تعمیر کرائی تھی۔

اس قدر ساز و سامان کے باوجود بھی سید شمس الدین پر زہد و درویشی کا رنگ غالب رہا۔ آخر عمر میں کوہ ماران (ہری پربت) کے جنوب میں عزلت و تنہائی کے ساتھ عبادت کرنے کے لئے آپ نے ایک عبادت گاہ بنوائی۔ یہیں آپ نے ۱۷ رجب ۹۳۲ھ کو انتقال کیا۔ اور یہیں آپ دفن کئے گئے[1]۔

---

[1] آپ کا مزار قلعہ ناگر نگر یعنی اکبری قلعہ ہری پربت کے اندر قلعہ مذکور اور آخون ملا شاہ کی مسجد و حمام کے درمیان واقع ہے۔

Marfat.com

سید محمد میرک اندرابی آپ ہی کے اکلوتے فرزند تھے۔ جن کی بدولت سے کشمیر کا مشہور خاندان سادات اندرابیہ اس کسمپرسی کے زمانہ میں بھی اپنے علمی وروایتی وقار کو قائم رکھے ہوئے ہیں[2]۔

---

[1] سال وفات ۹۹۰ھ۔ مدفن خانقاہ اندرابیہ کے جانب جنوب۔ اس مزار پاک کو اہل دل نے فیوض وبرکات کا سرچشمہ تسلیم کیا ہے۔

[2] آپ کی ذریات میں سے سید محمد عنایت اللہ شہید نے ۱۱۵۹ھ میں بعید المانعتہ شہادت کا درجہ حاصل کیا۔ سید ابراہیم سید شہید کے دوسرے فرزند تھے۔ جو باپ کے واقعہ شہادت کے بعد کانٹھ پورہ علاقہ لولاب (شمالی کشمیر) میں چلے گئے۔ چنانچہ آپ کی اولاد اب تک وہاں موجود ہے۔ سید کمال الدین سید شہید کے تیسرے بیٹے تھے۔ جن کے پانچ فرزندوں میں علامہ سید سعید اندرابی استاذ العلماء کا درجہ رکھتے تھے۔ علامہ سعید کے بڑے فرزند سید جلال الدین نے عالم سفر میں بمقام پشاور انتقال فرمایا۔ اس زمانہ کے نوجوان عالم دین اور مفسر کشمیر سید مولانا میرک شاہ صاحب اندرابی مولوی فاضل سید جلال الدین کے بڑے بیٹے سید عبدالاحد کے پوتے ہیں۔ مولانا میرک کا نام ملکانہ راجپوتوں کی تبلیغ اور سرینگر کی انجمن حفاظت اسلام کے سرپرست اور دارالعلوم دیوبند کا ایک قابل وممتاز علمی فرزند اور (بقیہ صفحہ ۲۹۰)

سید حسین قمی رضوی رح

آپ بادشاہ کے عہد میں اپنے وطن قم (ایران) سے تشریف لائے

بادشاہ کو چو حرم شناسی میں فرد یگانہ ہونے کی وجہ سے قیافہ دیکھ کر اندرونی کیفیت پرکھ لیتا۔ اور لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ لیتا تھا۔ جب آپ کے بے مثال علم و فضل' زہد و اتقا' عظمت و فضیلت اور کشف و کرامات کا علم ہوا۔ تو زینہ گیر کی آبادی و برکت کے لئے باغ زینہ گیر ہی میں آپ کی اقامت کا انتظام کیا۔
سید صاحب بھی اسی ملک (ایران) سے آئے تھے۔ جس کو کوہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) معین الاسلام سوپور کے دار العلوم کا صدر اور جلیبیغ کالج کرنال کا ایک معزز رکن ہونے کی وجہ سے آج تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔ آپ کا نامور خاندان علوم ظاہریہ اور معارف کے مراتب عالیہ کے اعتبار سے جو قابل رشک شہرت رکھتا ہے۔ اس کے لحاظ سے خاندان سادات اندرابیہ کے حالات کے لئے ایک مستقل تذکرہ کی ضرورت ہے۔ اور اگر زمانہ نے مہلت دی۔ تو انشاء اللہ یہ تذکرہ بھی کبھی عالم وجود میں آجائے گا۔ اس خاندان کے افراد طلا رشہ اور کھنڈ پورہ کے علاوہ کشمیر کے دیگر مقامات چوڑمل رتی پورہ اور پنجاب میں لاہور میں بھی پائے جاتے ہیں۔

Marfat.com

ساروں، مرغزاروں اور چشمہ ساروں کے مناظر نے بہشت ارضی بنا دکھا تھا۔ یہاں آکے بھی یہی کیفیت دیکھی۔ خصوصاً قرب ولر[1] کو آپ نے بہت پسند کیا۔ بادشاہ نے بھی آپ کی سیر و تفریح کے لئے چاکواری (ہاؤس بوٹ) پرندہ اور شکار ہوا دیئے۔

کشمیر میں سادات تو پہلے سے بھی موجود تھے۔ اور بڈشاہ کے زمانہ میں بھی آئے۔ لیکن کشمیر میں خاندان سادات رضوی یہ سلسلہ آپ ہی سے چلا ہے۔ جو امام علی الرضا کی طرف منسوب ہے جن کا روضہ مشہد مقدس میں زیارت خاص عام ہے۔

آپ کے فرزند کلاں کا نام حاجی محمد سید ہے۔ جن کا روضہ احمد پورہ، ماگام (بارہ مولہ) میں واقع ہے۔ جس کے ساتھ ایک مسجد اور ایک امام باڑہ بھی ہے۔ آپ کی اولاد[2] زیادہ تر اسی موضع میں

---

[1] جھیل ولر کی وسعت اس زمانہ میں آج کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ مواضعات آری پورہ وارہ پورہ (جو ٹھاکر کرتار سنگھ صاحب گورنر جموں کو ۱۹۲۷ء میں جاگیر میں ملا ہے) اور چنکی پورہ سب ولر ہی کا ایک حصہ تھے۔

[2] اس قبیلہ کے ایک درخشندہ گوہر حاجی سید حسن کا حال ہی میں احمد پورہ میں انتقال ہوا ہے۔ آپ نے کئی حج کئے۔ عراق ایران شام، عرب کی سیاحت کی کشمیر کے علمائے سادات میں خاص طور پر مقدس وجود تھے۔

Marfat.com

آباد ہے ۔ یہ سب لوگ سادات احمد پورہ[1] کہلاتے ہیں ۔
علامہ سید حسین قمی علیہ الرحمۃ کے دوسرے فرزند کا نام آغا سید احمد[2]

---

۱ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرا کہ سادات احمد پورہ کی شاخ کے ایک سربرآوردہ رکن علامہ سید قاسم شاہ کشمیر سے پنجاب آئے ۔ لاہور میں قیام کیا ۔ نوابان قزلباش اس زمانہ میں علم و فضل کے قدردان تھے ۔ نواب علی خان رہنا نے اس جوہر شناسی سے کام لیا ۔ کہ یہ جوہر گرانمایہ واپس کشمیر نہ جا سکا آخر تمام شیعان پنجاب نے آپ کی تبحر علمی سے آگاہ ہو کر آپ کو مجتہد العصر تسلیم کر لیا ۔ شمس العلماء مولانا سید علی حائری صاحب مجتہد العصر پنجاب جو لاہور کوچہ شیعان میں رہتے ہیں ۔ آپ ہی کے صاحبزادہ ہیں ۔

۲ آپ کی اسی شاخ سے جسٹس آغا سید حسین رضوی قمی ہیں جو کشمیر کے سپوت اور کشمیریوں کے مخزن ہیں ۔ آپ کی پیدائش ۱۹۳۳ء بکرمی میں ہوئی ۔ علوم عربی و فارسی کے بعد کشمیر ہی میں انگریزی کی تعلیم شروع کی ۔ اور آپ ہی سب سے پہلے مسلمان ہیں ۔ جنہوں نے کشمیر میں نئی تعلیم کی طرف توجہ کی ۔ سر راجہ امر سنگھ آنجہانی (موجودہ مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر کے والد) نے آپ کو قابل و ہونہار اور خاندانی لڑکا دیکھ کر مونہ کا ایک افسر بنانے کے لئے محکمہ مال کی ٹریننگ کے لئے سر والٹر لارنس مہتمم بندوبست کے سپرد کر دیا ۔ آپ پچیس

Marfat.com

تھا۔ جن کی اولاد مرشد آباد۔ عظیم آباد۔ پٹنہ۔ لاہور اور دیگر مقامات کے علاوہ عراق میں بھی پائے جاتے ہیں۔ آپ کے خاندان کے کئی افراد کربلائے معلےٰ میں تحصیل علوم کے لئے گئے۔ جنہوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی، ان میں آغا سید حسین کاشمیری مجتہد عراق کے نام سے مشہور ہے۔

غرض بڈشاہ ابھی زندہ ہی تھا۔ کہ سید صاحب ۷ رشعبان ۸۷۱ھ کو انتقال فرما گئے۔ اور زینہ گیر ہی میں جہاں آپ کے نام پر موضع سیّدپور آباد ہو گیا تھا۔ آپ دفن کئے گئے۔ آپ کے مزار مبارک کے حالات زینہ گیر کے بیان میں لکھے جا چکے ہیں۔

بڈشاہ اور سید صاحب علیہ الرحمۃ کے تعلقات کے سلسلہ میں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیئے۔ کہ بڈشاہ سُنی المذہب تھا۔ اور سید صاحب

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) سال ہی کی عمر میں اسسٹنٹ سٹلمنٹ افسر مقرر ہو گئے۔ لداخ کا سب سے پہلا بندوبست آپ ہی نے کیا۔ اس کے بعد اسسٹنٹ گورنر۔ سٹلمنٹ افسر۔ وزیر وزارت مہتمم بندوبست کشمیر بھی رہے۔ اور جموّں کے گورنر بھی آپ نے ان عہدہ ہائے جلیلہ کی ذمّہ داریوں کو اس محنت وخوش اسلوبی اور اس لیاقت سے انجام دیا۔ کہ مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر نے آپ کو جموّں وکشمیر کی ہائی کورٹ میں ایک جج مقرر فرما دیا۔ اور آپ بفضلہ تعالیٰ ایک قابل اور ممتاز جج ثابت ہو رہے ہیں ◆

Marfat.com

شیعہ تھے۔ لیکن بادشاہ نے کبھی اس بات کا خیال نہ کیا۔ کہ میں ایک شیعہ بزرگ کی کیوں عزت افزائی اور ارادتمندی کر رہا ہوں۔ سید صاحب نے بھی کبھی اس بات کو وقعت نہ دی کہ وہ شیعہ مذہب کے بزرگ ہو کر ایک سنی بادشاہ کے پاس کیوں پناہ گزین ہیں۔ اور اگر ان کے بعد بھی عالمان دین اور احکام دنیوی انہی خیالات و جذبات کے مالک ہوتے۔ ان کے دل بھی فرقہ بندیوں کے جھگڑوں اور باہمی تکفیر و نفرت سے ایسے ہی آزردہ ہوتے۔ تو نہ کبھی سنی بلخ بدنام ہوتا اور نہ شیعہ کشمیر مورد طعن سمجھا جاتا۔

باباحاجی ادھم

سلطان ابراہیم ادہم کے خاندان سے منسوب ہونے کی وجہ سے ادہمی کہلاتے ہیں۔ جامع علوم ظاہرو باطن تھے۔ ترک وطن کے بعد پہلے حج کیا۔ پھر کشمیر آئے۔ شیخ بہاؤالدین گنج بخش اور شیخ نورالدین ولی کے صحبت داروں میں تھے۔ مقام میر واری میں جس کو شاعروارنی بھی کہتے ہیں۔ اور جو میر اوسی کے باغ کا نام ہے۔ اور فی الحال حدود قلعہ (اکبری) سے باہر ہے۔ مدفون ہیں۔ میر سید حسن منطقی میر سید محمد اور مولانا حسام الدین غزنوی اور بڑے بڑے صوفیا بزرگ اہل اللہ حضرت بابا کے صحبت یافتہ اور مرید تھے۔

حضرت سید محمد مدنی

میر سید محمد ہمدانی کے رفقاء بلکہ نسبت داروں میں تھے۔ امیر تیمور نے ان کو سلطان سکندر کے پاس بھیجا ایلچی بنا کر بھیجا تھا۔ خطۂ کشمیر آپ کو ایسا پسند آیا۔ کہ یہیں اقامت اختیار کر لی۔ لیکن تیموری و سکندری

Marfat.com

عہد و پیمان کی تکمیل کے لئے آپ کو ماوراء النہر جانا پڑا۔ جہاں آپکے عیال رہتے تھے۔ جب آپ واپس آئے۔ تو اہل و عیال کو بھی ہمراہ لیتے آئے۔ محلہ رانیواری (حال رینہ واری) میں مسکن گزین ہوئے۔ سکندر اکثر مرتبہ خود ان سے ملاقات کرنے کے لئے رانیواری میں آیا کرتا تھا۔ جب بڈشاہ بادشاہ ہوا۔ تو اس نے اپنے جدید دار الخلافہ راجدھانی نوشہرہ کو رونق دینے کے لئے آپ سے التماس کی۔ چنانچہ آپ نوشہرہ میں آگئے۔ عہد شاہجہان کے گورنر نواب علی مردان خان کے زمانہ تک آپکا مقبرہ زیارت گاہ خاص و عام تھا۔

سید محمد عالی بلخی

بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بلخ[1] کے بادشاہ تھے۔ دو سال کی حکومت کے بعد کہ ابھی شباب ہی کا عالم تھا تخت و تاج کو لات مار کر خدا کی یاد اختیار کی۔ اشارہ غیبی سے کشمیر میں آئے۔ وہ زمانہ سلطان سکندر بت شکن کا تھا۔ شیخ العالم شیخ نور الدین ولی نے مقام رو پہ ون سے بابا نصر الدین کو استقبال کے لئے بھیجا۔ سلطان زین العابدین بھی آپ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ پرگنہ ناگام آپ کے اخراجات کیلئے وقف تھا۔

میر سید حسن و میر سید حسین منطقی

اصلی وطن شہر بیہق ملک خراسان تھا۔ چونکہ علم منطق میں کمال رکھتے تھے۔ اس لئے منطقی کے نام سے مشہور ہیں۔ سید حسن باپ کا اور سید حسین[2] بیٹے کا نام ہے۔

---

[1] بلخ کی تاریخ اس کی تصدیق یا تکذیب کر سکتی ہے۔

[2] تاریخ حسن میں آپ کو میر سید حسین منطقی کا بیٹا (باقی صفحہ آئندہ پر)

Marfat.com

باپ بیٹا دونوں کشمیر آئے۔ لیکن سید حسن کچھ عرصہ کے بعد واپس چلے گئے،
بادشاہ کو ان کے کمالِ علم کی وجہ سے ان کی جُدائی شاق گذری۔ انکے
بیٹے میر سید حسین کو زادِ راہ دے کر ایک کافی جمعیت کے ساتھ
بیہق روانہ کیا۔ کہ ان کو واپس لائیں۔ چنانچہ ان کے واپس آنے پر
بادشاہ نے ان کا استقبال کیا۔ اور بڑی عزت افزائی کی۔

وانتی پورہ اس زمانہ میں بادشاہ کی توجہ سے روز بروز رونق حاصل
کر رہا تھا۔ اور بادشاہ نے اپنا باغ بھی وہاں تعمیر کرایا تھا۔ اسی
میں میر سید حسین کو رہنے کو جگہ دی۔ آپ کا مزار بھی وانتی پورہ ہی میں ہے۔

بادشاہ نے ایک دن میر سید حسن منطقی سے تبرک مانگا۔ آپ
نے دوسرے دن کا وعدہ کیا۔ اور حسب وعدہ جب دوسرے دن
کوئی چیز زیرِ آستین چھپائے ہوئے سلطان کے پاس آئے تو فرمایا
تمہارے لئے تبرک لایا ہوں۔ بادشاہ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے
ایک نوزائیدہ بچہ نکال کر اس کے حوالہ کیا۔ اور کہا میں تم کو اپنا لختِ
جگر بطور تبرک بخشتا ہوں۔ اس کا نام محمد امین رکھنا۔ بادشاہ
اس عجیب تبرک سے خوش بھی ہوا۔ اور حیران بھی۔ لیکن آگے چل کر
اس نوزائیدہ بچے نے پالٹیکس کے بجائے دنیائے تصوف و سلوک
میں وہ نام پیدا کیا۔ کہ آپ کے مناقب و فضائل میں کئی کتابیں لکھی
گئیں۔ اور آپ کے مزار فائض الانوار کے متعلق کہا گیا ہے

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) لکھا گیا ہے۔ جو غلط ہے۔ اسرار الابرار اور
فتوحات الکبرویہ نے میر سید حسن کا بیٹا لکھا ہے۔

Marfat.com

گلشن وزارت یارب یا ہمہ بیت السرور
یا چو بیت اللہ بہر طائفان دار الامان

سید جانباز ولی

حضر راہ اہل نیاز حضرت سید جانباز کا اصل نام تو محمد وطن اصفہان اور طریقہ رفاعیہ تھا۔ حضرت سید جلال الدین بخاری کے مرید اور علوم ظاہری و باطنی میں صاحب کمال تھے۔ سلطان زین العابدین کے زمانہ میں کشمیر آئے۔ پہلے سید رفاعی کے نام سے مشہور رہے۔ پھر ریاضات کاملہ کی وجہ سے سید جانباز مشہور ہو گئے۔

بادشاہ کے اصرار سے دار الخلافہ (نوشہرہ) کو اپنا وطن بنایا۔ لیکن جب لوگوں کی کثرت، عبادت و ریاضت اور آزادی میں حارج ہونے لگی۔ تو بادشاہ کو مجبور کر کے اپنی قیامگاہ بدل لی۔ اور بارہ مولا میں آ رہے۔

بادشاہ آپ کے ساتھ کشتی میں سوپور تک آیا۔ بلکہ جزیرہ زینہ لنک کی تعمیر کے لئے حضرت سے دُعا کرائی۔

آپ کا قیام عین دامن کوہ میں دریا کے کنارے پر اس جگہ تھا۔ جہاں آج موضع جانپورہ آباد ہے۔ بادشاہ نے حضرت کے خدام اور لنگر کے اخراجات کے لئے تین گاؤں جاگیر میں دیئے۔ اور ایک وسیع چراگاہ ان کے خدام کے گھوڑوں کے لئے عطا فرمائی۔ اسی چراگاہ کے مقام پر آج جانباز پورہ ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہے۔

۲۲ ربیع الثانی ۸۴۲ھ کو آپ کا وصال ہو گیا۔ جانپورہ

لہ اسرار الابرار غیر مطبوعہ تصنیف ۱۰۶۳ھ و مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم۔

Marfat.com

میں آپکا مزار مبارک مرجع خاص و عام ہے[1]۔

تو جاگیر خاندان کشمیری چکوں کی حکومت مغلوں کے دور اور افغانوں کے عہد میں اس زیارت کے ساتھ وقف تھی۔ سکھوں نے اپنے زمانہ حکومت میں ضبط کر لی۔

بابا زین الدین شیخ نور الدین ولی کے نامور خلفاء میں تھے۔ اصل وطن کشتواڑ تھا۔ اور راجگان کشتواڑ کی اولاد سے تھے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ دشمنوں نے ان کے باپ کو قتل کر کے یتیم بنا دیا۔ اور ان کی بیوہ ماں نے دُرّ یتیم بنا کے رکھا۔ ایک خواب کے مطابق انکی والدہ انکو کشمیر لے آئی۔ اور شیخ بابا بام الدین کے پاس جو شیخ نور الدین کے خلیفہ تھے۔ پہونچی۔ اتنے میں شیخ نور الدین ولی بھی آگئے ان کی ماں نے کہا۔ بس یہی بزرگ تھے۔ یہی شکل اور یہی صورت تھی جو عالم خواب میں میرے پاس تشریف لائے تھے۔ آخر ماں بیٹا حضرت شیخ نور الدین ولی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔ اور نام آپکا زین الدین رکھا گیا[2]۔

---

[1] آپ کا عرس زیر اہتمام خواجہ امیر شاہ صاحب رئیس بارہ مولا و ذیلدار خانپورہ ہر سال نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے آپ اس خانقاہ کے متولی بھی ہیں۔ اور زمانہ قدیم سے یہ زیارت آپ ہی کے خاندان کی تولیت میں چلی آتی ہے آپ بڑے مخیّر اور صاحب دل ہیں۔

[2] اسرار الابرار۔

آپ اسی مقام میں برسوں تک عبادت و زہد میں مصروف رہے۔ اور یہیں آپ کا مزار مبارک بھی بنا۔ لیکن آپ شمالی کشمیر میں بھی مختلف مقامات میں سیر و سیاحت کرتے رہے۔

ایک مرتبہ شیخ بابا زین الدین علاقہ زینہ گیر میں تھے۔ موضع شیوہ[۱] میں ان کا قیام تھا۔ انہی دنوں سلطان زین العابدین بھی زینہ گیر کی آبادی اور نہر کی کھدائی اور تیاری میں اسی علاقہ میں تھا۔ بادشاہ ایک دن موضع شیوہ میں ان سے ملنے کو گیا۔ شیخ عبادت[۲] میں مصروف تھے۔ بادشاہ

۱؎ موضع شیوپورہ میں سوپور سے بجانب شمال عین دامن کوہ میں چھ میل کے فاصلے پر واقع ہے۔ محمد الدین فوق مصنف کتاب ہذا اور منشی غلام محمد صاحب خادم کے آباء و اجداد اسی موضع سے پنجاب آئے تھے۔ آج بھی قبلہ خادم صاحب کی بہت سی اراضیات اس موضع میں آباد ہیں۔ جن میں زراعت کے علاوہ تین باغات بھی ہیں۔ راقم الحروف کا بھی ایک چھوٹا سا رقبہ شیوہ میں واقع ہے۔

۲؎ فتحیات الکبرویہ صفحہ ۱۲۵ (قلمی) پر لکھا ہے "دران وقت شیخ طہارت مے کرد۔ سلطان آمدہ بر مصلے بنشت و از شیخ التفاتے نہ یافت۔ تا بہ تعظیم چہ رسد"

خوارق السالکین کے مصنف نے بھی صاحب فتحیات کی تائید میں طہارت ہی کا ذکر کیا ہے۔ اسی واقعہ کو ان دونوں کتابوں سے بہت عرصہ کے بعد کی تصنیف ملاقی صفحہ آئندہ پر)

Marfat.com

کی تعظیم و تکریم جیسی کہ چاہیئے نہ کر سکے۔ بادشاہ سجادہ پر بیٹھ گیا۔ اور کچھ دیر انتظار کرتا رہا۔ جب حضرت نے کوئی توجہ نہ کی۔ تو ملول خاطر ہو کر وہاں سے اٹھ آیا۔

بادشاہ کے جانے کے بعد جب حضرت بابا عبادت سے فارغ ہوئے حکم دیا۔ سجادہ آلودہ ہو گیا ہے۔ اس کو دھو ڈالو۔ بادشاہ کو ملاقات اور گفتگو سے محروم ہوتے ہی کا رنج تھا۔ بعض لوگوں نے نمک مرچ لگا کر سجادہ دھلوانے کا واقعہ بھی بیان کیا۔ جب یہ سنا کہ میرے بیٹھنے سے وہ جگہ بھی ناپاک سمجھی جانے لگی ہے تو اور بھی برافروختہ ہوا۔ حکم دیا کہ اگر میں ایسا ہی ناپاک ہوں تو میرے ملک سے کیوں نہیں چلے جاتے۔ بلکہ بعض تذکروں میں تو لکھا ہے کہ ملک سے نکل جانے کا حکم ہی دے دیا۔ باوجود شدت زمستان کے آپ مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ کوہستان تبت کی طرف چلے گئے۔

چونکہ یہ زمانہ نالہ پہرو کی کھدائی اور تعمیر کا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۸۵۹ھ یا اس سے ایک دو سال پہلے کا ہے۔

حضرت کے ملک بدر ہونے یا ترک وطن کرنے کے بعد جو واقعہ زین العابدین کو پیش آتا ہے۔ اس میں تذکروں کا بہت کچھ اختلاف ہے۔ صاحب خوارق السالکین[۲] لکھتے ہیں۔ چند دنوں کے بعد بادشاہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) "نورالدین نامہ منظوم تصنیف ۱۲۳۵ھ" میں بڑھا گھٹا کر بابا بام الدین کے ساتھ منسوب کیا گیا۔

[۱] اسرار الابرار داؤد مشکاتی تصنیف ۱۰۶۳ھ غیر مطبوعہ [۲] صفحہ ۹۳ (بقیہ صفحہ آئندہ پر)

کا بیٹا پاؤں کے درد میں مبتلا ہوگیا۔ جب علاج معالجہ بے سود ثابت ہوا تو بادشاہ کو خود ہی خیال آیا کہ یہ سزا بابا زین الدین کو ملک بدر کرنے کے نتیجہ میں مل رہی ہے۔ ادھر بابا زین الدین بھی تھوڑے عرصہ کے بعد خود ہی مراجعت وطن پر آمادہ ہوگئے۔ بادشاہ نے ان کے آنے کی خبر سنی تو بیمار بیٹے کو استقبال کے لئے بھیجا۔ جس کو رستے ہی میں اس شدت درد سے نجات مل گئی۔

صاحب اسرار الابرار[1] لکھتے ہیں "بادشاہ اس واقعہ کے بعد درد پا میں بیمار ہوگیا۔ جب حکماء اطباء اس کے علاج سے عاجز آگئے۔ تو اہل دربار سے فرمایا میرے درد کا علاج صرف اس درویش کی رضا ہے۔ جسکو زمستان اور برف باران کے شدید موسم میں میں نے محض شاہانہ غرور کی وجہ سے جلا وطن کیا ہے۔ جب تک وہ بزرگ واپس تشریف نہ لائیں گے۔ مجھے شفا کی امید نہیں ہے۔ چنانچہ اپنے ایک فرزند (اور بقول صاحب فتحیات الکبرویہ[2] شہزادہ حیدر خان) کو کوہستان تبت

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) ۹۲ ، ۹۵ غیر مطبوعہ سال تصنیف ۱۱۹۶ھ

[1] غیر مطبوعہ سال تصنیف ۱۰۶۳ھ

[2] صاحب فتحیات نے بھی خود بادشاہ کے بیمار ہونے کی تائید کی ہے۔ لیکن اتنا اضافہ کیا ہے۔ کہ بادشاہ عاجز ہونے کے بعد بابا لطیف الدین کی خدمت میں جو اس زمانہ میں کامل واکمل بزرگ تھے۔ آیا۔ اور شفا کے لئے دعا کی التجا کی (بقیہ صفحہ آئندہ)

Marfat.com

کی طرف بھیجا۔ کہ سمجھا بجھا کر اور عذر و معذرت کرکے ان کو ہمراہ لے آئیے
چنانچہ شیخ نے شہزادہ کی التماس قبول کی۔ اور کشمیر کی طرف روانہ ہوئے۔
بادشاہ باوجود اس درد عظیم کے مع امراء و وزراء استقبال کو نکلا۔ لکھا ہے
کہ جوں جوں شیخ نزدیک آتے تھے۔ بادشاہ صحت یاب ہوتا جاتا تھا۔
یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو گیا۔

علیش مقام میں انتقال فرمایا۔ رحلت کے وقت وصیت کی کہ
مجھ کو غسل دے کر کفن پہنا دو اور تابوت رکھدو۔ اور دیکھو پردہ غیب
سے کیا ظہور میں آتا ہے۔ چنانچہ جب تابوت کو دیکھا گیا۔ تو اندر
کچھ بھی نہ تھا۔ آخر تابوت ہی کی جگہ قبر بنائی گئی۔[۱]

فانی ز خود و ز خویش باقی
این طرفہ کہ نیستند و ہستند

بابا عثمان گنائی

آپ خاص سرینگر کے رہنے والے تھے۔ اس زمانہ میں جب معمولی سفر دشوار گزار تھے۔ آپ پنجاب و ہند کی سفر کرتے ہوئے حرمین شریفین

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) آپ نے فرمایا بابا زین الدین کی دعاء ہی یہاں کارگر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے بیٹے شہزادہ حیدر خان کو استدعائے مراجعت اور عذر و تقصیرات کا پیغام دے کر بھیجا۔ ان کے تشریف لانے سے بادشاہ کو صحت کلی ہو گئی۔

[۱] تاریخ خواجہ اعظمی صفحہ ۶۲

Marfat.com

تک پہنچے۔

فراز و شیب رہ از رہروان گرم مپرس
کہ پیش مرغ ہوا کوہ و دشت یکسان است

وہاں خواجہ اسحاق ختلانی[1] سے ملاقات ہوئی۔ اور ان سے ارادت و بیعت کی خواہش کی، خواجہؒ نے فرمایا تمہارے گھر میں گنگا بہہ رہی ہے۔ زیارت حرمین سے فارغ ہو کر سیدھے اپنے وطن جاؤ، اور شیخ گنج بخش گنج بخش کی خدمت و اطاعت سے مقاصد دلی حاصل کرو چنانچہ آپ واپس تشریف لائے۔ اور ان سے فیوضات باطنہ حاصل کئے۔ حضرت شیخ نورالدین ولی اور حضرت حاجی آدہم اور دیگر اولیائے کرام کی صحبتوں میں بھی رہے۔

تاریخ اعظمی[2] میں لکھا ہے۔ "بابا صاحب کمال بود۔ بعد تحصیل علوم بہ ذوق خدا پرستی راہ حرمین گرفت۔ حق تعالیٰ در علم و تقوی او برکت داد

اکثر احفاد و ذریات ایشاں را کار با فضیلت و علم افتاد" بابا رجب گنائی۔ بابا زینی گنائی۔ ملا فیروز گنائی۔ نتو گنائی بدشاہی، ملا نوفی

---

[1] مزار حضرت شاہ اسحاق در کابل در جہت شرقی قریب سواد شہر واقعہ است و دران جا بہ "شاہ شہیدان" اشتہار دارد۔ از تاریخ اعظمی حاشیہ صفحہ ۵۲

[2] صفحہ ۶۶ ۔

Marfat.com

گنائی ۔ بابا یزید عاصی ۔ میر عیسیٰ گنائی ۔ وغیرہم جو کشمیر کے نکوکاروں تقویٰ شعاروں اور صاحبان علم وفضل میں درجہ امتیاز رکھتے تھے ۔ آپ ہی کے اولاد واحفاد سے تھے[1]

تذکرۃ الحضرات[2] میں لکھا ہے ۔ مخدوم بابا عثمان ۱۱۷۱ھ میں پیدا ہوئے ۔ خوشنویسی وحساب دانی میں دیگر علوم وفنون کے علاوہ شہرہ آفاق اور جوان رعنا تھے ۔ گنائی قبیلہ کے متعلق لکھا ہے ۔ گنائی خطاب شاہی ہے ۔ جو نویسندہ ۔ یا محرر یا منشی کے معنی میں استعمال کیا جاتا تھا ۔ بعد ازاں یہ خطاب ایک قبیلہ ہی کا نام ہوگیا ۔ صاحب تاریخ اعظمی[3] بھی اس کی تائید کرتے ہیں ۔ اور لکھتے ہیں "گنائی

---

[1] لاہور میں چودھری جان محمد مرحوم بانی کشمیری گزٹ اور ان کے بھائی چودھری محمد اسماعیل تاجر کتب بھی گنائی خاندان سے ہیں ۔ چودھری جان محمد صاحب مرحوم کے صاحبزادے (خواجہ) الٰہی بخش علمی وادبی مشاغل میں مصروف ہیں ۔ اور کشمیر نیشنل بورڈ لاہور کے سکرٹری ہیں ۔ ایک علم دوست گنائی خاندان لون متصل اسلام آباد کشمیر میں آباد ہے ۔ جس میں (خواجہ) مختار گنائی سفیدپوش راقم الحروف کی تمام تصانیف کے قدیم قدردان ہیں ۔

[2] یہ تذکرہ جو امیر الدین کلاں مندرالا فاضل کی تصنیف ۱۲۵۱ھ ہے ۔ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے ۔ اور کشمیر میں کئی لوگوں کے پاس ہے ۔

[3] صفحہ ۲۲

در عرف آں وقت نویسندہ را مے گفتند از مغنی تا پٹواری ہمیں لقب بود"

کشمیر کے تذکروں میں آپ کی بہت سی کرامتوں کا ذکر ہے ۔ صاحب "خوارق السالکین" نے لکھا ہے کہ بڈشاہ نے بھی آپ سے ملاقاتیں کر کے آپ کے کمالات و کرامات کا اعتراف کیا ہے ۔ اور اپنے حق میں مخدوم بابا سے دعائے خیر بھی کرائی ہے ۔ صاحب تذکرۃ الحضرات نے آپ کی وفات سنہ ۹۶۰ھ لکھی ہے ۔ مدفن آپ کا مقبرہ سلاطین میں پیش روئے مقبرہ مرزا حیدر کاشغری بیان کیا جاتا ہے ۔

شیخ بہاؤالدین گنج بخش

شاہ اسحاق ختلانی (خلیفہ امیر کبیر علی ثانی) کے تربیت یافتوں اور مریدوں میں تھے ۔ ابتداء میں بڑے سیاح تھے ۔ چنانچہ شاہ اسحاق کے پاس خود ختلان گئے ۔ اور ان سے فیوضات حاصل کئے ۔ ان کے جذب و سلوک کی حکایات بے شمار ہیں ۔

اصل نام بہاؤالدین ہے ۔ گنج بخش ان کا لقب ہے ۔ شیخ سلطان کشمیری سید محمد مدنی اور حضرت شیخ نورالدین ولی کے صحبت یافتوں میں تھے ۔ بادشاہ ان کی ایک بشارت کے عملی ظہور کی وجہ سے جس کا ذکر بادشاہ کے بچپن کے بیان میں ہو چکا ہے ۔ ان کا بڑا ادب کرتا تھا ۔ ایک مرتبہ آپ کو محلات شاہی میں آنے اور دریا کی سیر کرنے کی دعوت دیگئی ۔ آپ نے شکریہ کیساتھ قبولیت دعوت سے انکار کر دیا

ایک دن حضرت شیخ بہاؤالدین موضع کرشہ بل میں لب دریا ایک درخت کے نیچے سر بزانو بیٹھے تھے ۔ نصف شب کے قریب جو روشنی

کی ایک جماعت شہر سے مال و متاع لے کر اس طرف آئی۔ اور چوری کا مال باہر تقسیم کرنے لگے۔ مال تقسیم کرنے کے بعد ان کی نظر اس تاریکی میں آپ پر پڑی۔ ان ظالموں نے اس خوف سے کہ یہ شخص ضرور ہمارا راز فاش کر دے گا۔ آپ کو شہید کر دیا۔

بادشاہ کو اس واقعہ المناک کی خبر ہوئی۔ بہت افسوس کیا۔ شیخ نے اپنے ہم صحبتوں اور ارادتمندوں کو وصیت کر رکھی تھی کہ جب میرا انتقال ہو جائے۔ تو میرا جنازہ کندھوں پر لے جانے کی بجائے یہ کام کرو کہ میرے پاؤں میں رسہ باندھ کر کشاں کشاں لئے پھرو۔ یہاں تک کہ قبرستان میں پہونچا دو۔ لوگ اس وصیت کی تکمیل کے لئے بڑے متردد و مضطرب تھے۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی۔ حکم دیا۔ حضرت شیخ کی وصیت ضرور پوری ہونی چاہیئے۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے ایک گہوارہ بنایا گیا۔ اُس میں آپ کی لاش رکھی گئی۔ گہوارہ کے نیچے پہئے لگائے گئے۔ اور اس کے ساتھ رسہ باندھ کر اس کو قبرستان تک پہنچایا گیا۔ بادشاہ حضرت بابا عثمان گنائی اور بہت سے بزرگان شہر اور داعیان مملکت کے ساتھ آپ کے جنازہ میں شامل ہوا کوہ ماران کے دامن میں کہ بیرون قلعہ ہے اور جہاں ایک وسیع قبرستان ہے۔ آپ دفن کئے گئے۔ مزار آپ کا اور احاطہ قبرستان بادشاہ کی بیگم نے جو لاولد تھی۔ اپنا زیور فروخت کر کے تعمیر و مرمت کرایا تھا۔

سنہ ۸۴۹ھ میں آپ نے درجہ شہادت حاصل کیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے۔ کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر بہت بڑی تھی۔

آپ کے مزار مبارک کے دروازہ پر ہی شمس چک کی قبر ہے۔ جو

Marfat.com

سنہ ۸۹۳ھ میں بعہد سلطان محمد شاہ بن سلطان حسن شاہ کشمیر کا حاکم اور مدار المہام گذرا ہے۔

شیخ نور الدین ولی

اوائل عمر میں اپنے بھائیوں کے اصرار و جبر سے ان کے ساتھ چوری و رہزنی کیا کرتے تھے۔ اور چونکہ جذبہ الٰہی کے شعلہ لامتناہی بطن مادر ہی سے لے کے آئے تھے۔ اس لئے ان کے بھائی ہمیشہ ان پر ناراض رہتے تھے۔ آخر تیس سال کی عمر میں بھائیوں کا ساتھ بالکل ترک کر دیا۔ بلکہ وہ کام بھی جو طبیعت پر گراں گذرتا تھا۔ چھوڑ دیا۔ اور ایسی توبہ کی کہ ریاضت و جانبازی اور زہد و عبادت میں قدم رکھکر یادگار متقدمین اور افتخار متاخرین ثابت ہوئے۔ اور حبیب محبوب ذوالجلال سے لو لگائی تو تعلقات زن و فرزند کو بھی حجاب تصور کر کے قطع کر دیا۔

آں کس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند
فرزند و عیال و خانماں را چہ کند
دیوانہ کنی و ہر دو جہانش بخشی
دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

بارہ سال تک آپ پہاڑوں کے غاروں میں صرف کاسنی کے پتے کھا کر گذارہ کرتے رہے۔ اسکے بعد بارہ سال تک کاسنی کو ترک کر کے دودھ کے ایک پیالے پر گذراوقات کی۔ پھر اسے بھی لذت نفس جان کر ترک کیا۔ اور دو اڑھائی سال تک قدرے آب جو پر گذارہ کیا۔ غرض گوشہ نشینی و تنہائی اختیار کرنے کے بعد بقول صاحب تاریخ اعظمی "بست و شش سال نان و غلہ نخورد" سے

Marfat.com

فوت جبرئیل از مطبخ نہ بود
بود از دیدار خلاق ودود

حضرت میر محمد ہمدانی - میر سید حسن سامانی - شیخ بہاؤ الدین گنج بخش شیخ سلطان پکلی - بابا حاجی ادہم - اور دیگر کئی بزرگ آپکے ہم رتبہ وہم سال بیان کئے جاتے ہیں -

آپ کی ولادت قریباً تمام مؤرخین نے بالاتفاق ۷۵۷ھ بیان کی ہے - لیکن تاریخ وفات میں مختلف الرائے ہیں - بعض نے سال وفات ۸۰۸ھ اور بعض نے ۸۴۲ھ لکھا ہے - اور عمر آپ کی ۶۳ یا ۶۴ سال بتائی ہے - اور یہ بھی مؤرخین نے لکھا ہے کہ بادشاہ کے زمانہ میں آپ فوت ہوئے - اور بادشاہ آپکے جنازہ پر گیا -

صاحب تاریخ اعظمی کے حساب سے ۲۶ سال وہ جنگلوں اور پہاڑوں میں رہے - تیس سال کی عمر میں انہوں نے رہزنی ترک کی - چھپن سال تو اسی طرح ہو گئے - اُدھر ۷۵۷ھ کی پیدائش اور ۸۰۸ھ کی وفات کے مطابق ان کی عمر صرف اکیاون سال ہوتی ہے -

البتہ اگر ۸۴۲ھ کو سال وفات صحیح تسلیم کیا جائے - اور اسی کو صاحب اعظمی نے بھی تسلیم کیا ہے - تو آپ کی عمر ۷۵۷ھ کے مطابق بچاسی سال ہوتی ہے - اور یہ وہ زمانہ ہے - کہ بڈشاہ بھی آپ کے سال وفات میں زندہ موجود تھا - اور اس حساب سے اسکا حضرت کی ذات سے فیوض حاصل کرنا اور ان کے جنازہ میں شامل ہونا قرین قیاس بھی ہے بڈشاہ کا آپ سے تعارف کس طرح ہوا - اس کو ہم معارف الحقائق[1]

(۱ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

Marfat.com

کے طویل مضمون سے مختصر طور پر یہاں درج کرتے ہیں۔ صاحب "معارف" کہتے ہیں ایک مرتبہ بادشاہ بیمار ہوگیا۔ جب علاج سے تمام حکماء عاجز آگئے۔ تو بادشاہ نے نجومیوں کی طرف رُخ کیا۔ نجومیوں نے کہا۔ بیماری کی وجہ یہ ہے کہ ملک رانی و عدالت گستری میں کوئی کمی ہوگئی ہے۔ بعد حاکموں اور افسروں پر سستی و کاہلی نے عمل دخل کر لیا ہے۔ اور بطور مثال یہ واقعہ بیان کیا۔ کہ گزشتہ زمانہ میں ایک بادشاہ تھا۔ اسکے عہد میں ایک بڑھیا کا اکلوتا لڑکا سخت بیمار ہوگیا۔ اور وہ دربار میں آکر شور وفغان کرنے لگی۔ بادشاہ نے سبب پوچھا تو کہا میرا بیٹا سخت بیمار ہے۔ اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بادشاہی اہل کاروں نے کوئی ایسا کام کیا ہے جو عدالت و آئین فرمانروائی کے خلاف ہے۔

بادشاہ نے نجومیوں سے کہا۔ تم اپنی کتابوں میں دیکھو۔ کہ بیرزال کا فرزند کیوں بیمار ہوگیا ہے۔ منجموں نے متفق ہو کر کہا۔ ہمارا علم ہم کو یہی بتاتا ہے کہ بادشاہ کے ملک میں کسی بے انصافی کا واقعہ ظہور میں آیا ہے۔ اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک قصاب نے اپنا پیشہ ترک کر کے دنیا کمانے کے لئے گوشہ نشینی اختیار کرلی ہے۔ لازم یہ ہے کہ قصاب کو غار سے نکال کر شہر میں لایا جائے۔ اور سزا دی جائے۔ تاکہ اور کوئی شخص آرام طلبی اختیار کر کے مکر و فریب سے دنیا کو لوٹنے اور کاروباری دنیا کو ضعف پہنچا کر گوشہ

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) سال تصنیف رمضان ۱۲۳۳ھ نیز مطبوعہ ۔ اس کے مؤلف و مصنف یعقوب بن عبدالعزیز بن ہاشم مظفر بن قطب الدین بن شاہ قاسم حقانی ہیں ۔

Marfat.com

گیری اختیار کرنے کی جرأت نہ کرے۔ چنانچہ جب اس کو پکڑ کر لائے اور بزرگی وریاضت میں لاف زنی کرنے پر تنبیہ کرکے اس سے اس کا آبائی کاروبار شروع کرایا گیا، تو اس بڑھیا کے بیٹے کو صحت حاصل ہو گئی۔

نجومیوں نے یہ واقعہ بیان کرکے بادشاہ سے کہا۔ اے بادشاہ جم جاہ تیرے عہد میں بھی اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا ہے۔ ایک شخص جس کا کاروبار رہزنی۔ چوری اور ڈاکہ زنی ہے۔ جنگل میں جا بیٹھا ہے۔ زن و فرزند کو جواب دے چکا ہے۔ اور اپنے آپ کو عابد و زاہد کہتا ہے۔ جب تک اسکو گرفتار کرکے قتل نہ کیا جائے گا۔ بادشاہ کو صحت کلی حاصل نہ ہوگی۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ ایسے شخص کو گرفتار کرکے حضور میں پیش کرو۔ بادشاہی آدمی دوڑے دوڑے اس جنگل میں گئے۔ جہاں حضرت شیخ نورالدین کا قیام تھا۔ حضرت باہر ٹہل رہے تھے۔ کہ بادشاہی پیادوں کو مضطرب الحال دیکھ کر پوچھا۔ اے جوانان یہ شتاب و اضطراب کیوں ہے۔ اور کس کی تلاش میں یہ سرگردانی ہے۔ پیادوں نے کہا۔ ہم شیخ نورالدین کی تلاش کر رہے ہیں اس کو بادشاہ کے حضور میں لے جانا ہے۔ شیخ نے کہا۔ جس کی تلاش میں تم نے بیابانوں۔ ویرانوں اور کوہستانوں کو ایک کر دیا ہے۔ وہ فقیر میں ہی ہوں۔ چلو اسی حال میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔

جب شیخ بادشاہ کے پاس پہونچے۔ تو اس کی بیماری میں افاقہ ہونا شروع ہوا۔ منجموں نے کہا۔ بادشاہ سلامت ہم نے جھوٹ تو نہیں بولا تھا۔ یہ دزد مکار کہ اس کے باپ دادا کا پیشہ ڈاکہ اور رہزنی ہے۔ اب دعویٰ بزرگی کرتا ہے۔ جو نہی حاضر دربار ہوا ہے۔ حضور کو بیماری کی تکلیف سے نجات مل رہی ہے۔

Marfat.com

بادشاہ تو بڑا زیرک اور مصلحت اندیش بادشاہ تھا۔ اس نے کہا۔ اے نادانو! اپنی اپنی سمجھ کا پھیر ہے۔ میرا یہ خیال ہے کہ اسی بزرگ کے دیدار، برکت و فیض آثار سے میری صحت بحال ہو گئی ہے۔ ایسا بزرگ میرے ملک میں ہو۔ جس کے دیدار ہی سے آثار نحوست وادبار دور ہو جائیں۔ اس سے زیادہ میری کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے۔ یاد رکھو ایک درویش کی ناراضگی اور پھر بلا وجہ۔ ایک عالم کو درہم برہم کر دیتی ہے۔

بادشاہ کے دل میں روز بروز شیخ کی عزت بڑھتی گئی۔ بہت عذر خواہی کی اور کہا میرے لئے بدرگاہ رب الاعلیٰ دعائے نیک فرمائیے حضرت شیخ نے کہا۔ خدا تمہیں عدل وانصاف کی توفیق مزید دے۔ کہ اس ملک کے ساتھ ملک آخرت بھی کہ باقی وپائندہ ہے۔ تمہارے قبضہ میں ہو۔

۸۲۲ھ میں کہ بادشاہ کی حکومت کا اٹھارواں سال تھا۔ ۶۳ اور بقول بعض ۶۴ سال کی عمر میں انتقال فرما گئے۔ نماز جنازہ اور تجہیز وتکفین میں تمام علماء وصلحاء اور بزرگان دین جمع ہوئے۔ بادشاہ خود خیل وحشم کے ساتھ مزار شریف پہونچا۔ اور کہنے لگا۔ جسد مبارک شہر میں لے چلو۔ وہیں حضرت کا مرقد و مقبرہ بنایا جائے گا۔ شہر میں لوگوں کی آمد ورفت زیادہ ہے۔ زیارت سے منوّر ومسرور ہوا کریں گے۔

اس موقع پر گرد ونواح کے قریباً دس ہزار آدمی جمع تھے۔ ان کا منشاء یہ تھا کہ مقبرہ خام پورہ میں ہو۔ جو سر راہ ہے۔ حضرت کے جو درویش تھے۔ انکی یہ خواہش تھی کہ اسی جنگل خار زار میں جہاں آپ نے اپنی عمر بسر کردی ہے۔ روضہ مبارک بنایا جائے۔

حضرت بابا نصیر الدین خواجہ شیخ کے خلفائے اعظم میں سے تھے۔

Marfat.com

اور بادشاہ بھی ان کا احترام کرتا تھا۔ اس اجتماع وکثرت اور بحث ومباحثہ سے بہت متردد تھے۔ آخر آپ کے فیصلہ کے مطابق مقبرہ چرار ہی میں بنایا جانا قرار پایا۔ اور بادشاہ نے بھی اس فیصلہ کو قبول کرلیا۔

بادشاہ ابھی چرار ہی میں تھا۔ کہ اس کے حکم سے گلکار سنجار اور کارکن بلائے گئے۔ اور روضہ کی تعمیر شروع ہوگئی۔ چنانچہ روضہ مبارک سب سے پہلے بڈشاہ ہی نے تعمیر کرایا۔ انقلاب زمانہ کی وجہ سے بعد میں اس میں ترمیم وتغییر بھی ہوتی رہی ہے۔

میر سید محمد امین اویسیؒ

میر سید حسن عرف بابا حسن منطقی (کہ علم ظاہری وباطنی سے آراستہ تھے) کے چھوٹے بیٹے اور میر سید حسین منطقی کے جن کا مزار وانتی پورہ میں ہے۔ چھوٹے بھائی تھے۔

یہی وہ نوزائیدہ بچہ تھا۔ جس کو اس کے باپ میر سید حسن منطقی نے بڈشاہ کو بطور تبرک دیا تھا۔ اور کہا تھا۔ نام اس کا محمد امین رکھنا۔

لہ عالی کدل میں جس مکان میں آپ پیدا ہوئے۔ وہاں آجکل مفتی اعظم مولانا شریف الدین رہتے ہیں۔ اکبر بادشاہ نے یہ مکان آپ کے ایک بزرگ خواجہ موسیٰ کو عنایت کیا تھا۔ جب آپ کے پردادا مولوی نظام الدین محمد شاہ مؤلف تاریخ نظام الوقائع بعہد جبار خان سکھوں اور پٹھانوں کی لڑائی میں شہید ہوگئے۔ تو سکھوں نے جو علم وادب کی قدر وقیمت سے محض بے بہرہ تھے۔ مکان کے ساتھ ہی آپ کے عظیم الشان کتب خانہ کو بھی جلا دیا۔

(باقی صفحہ آئندہ پر)

Marfat.com

اسی خاندان (بہیقی) سے چونکہ بادشاہ کی ایک بیگم بھی تھی۔ جو لاولد ہونے کی وجہ سے ہمیشہ غمگین و ملول رہتی تھی۔ بادشاہ نے وہ نوزائیدہ بچہ بہیقی بیگم کے سپرد کر دیا۔ بادشاہ نے محمد آمین کی ظاہری و باطنی تعلیم کا پورا پورا انتظام کیا۔ خواجہ بلال اشم والے ان کے پیر طریقت تھے۔ اور بابا حاجی آدہم کے سپرد ان کی ظاہری تعلیم ہوئی۔ چنانچہ تعلیم قرآن اور علوم دینیہ یعنی فقہ و حدیث و تفسیر اور معقول و منقول سب انہی سے حاصل کئے بادشاہ اس کو اپنے بچوں کی طرح رکھتا تھا۔ ایک تو اس کی پیشانی سے ستارہ بلندی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ دوسرے وہ ایک بزرگ صاحب علم و فضل سید کا عطیہ و تبرک تھا۔ اس لئے سفر و حضر میں اس کو ساتھ رکھتا اور کہتا۔ ع

سفر برائے تو جویم وطن برائے تو خواہم[1]

اُویسی اس لئے مشہور تھے۔ کہ حضرت اویس قرنی سے نسبت رکھتے تھے۔ بلکہ اپنا تخلص بھی اویسی رکھ لیا تھا۔ اور اپنے نام کی بجائے میر اویسی کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔

جب سن تمیز کو پہنچے تو بادشاہ نے آپ کی فراست و کیاست دیکھ کر بعض امور مملکت آپ کے سپرد کرنا چاہے۔ ماں نے بھی بہت کچھ سنا کہا۔ حشمت و شوکت بادشاہی کی ترغیب بھی دلائی۔ اور

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) مولانا شریف الدین ابو الخیر مولوی خیر الدین کی جو فتاویٰ عالمگیری مرتب کرنے والوں میں سے ایک تھے۔ ساتویں پشت ہے۔

[1] فتوحات۔ نمبر دو یہ صفحہ ۱۲۲

بڑی بڑی اُمیدوں کا اظہار کیا۔ مگر جس کے سر میں فضائے عالم معنوی کی ہوا سے دل کو سیر کرنے کا سودا ہو۔ وہ لذّت مال وجاہ صوری سے ذائقہ حلاوت کیا تمنا رکھتا ہے۔ غرض آپ نے نہ بادشاہ کا مشورہ قبول کیا۔ نہ بیگم کی بات پر کان دھرے۔ بلکہ مندرجہ ذیل شعر؎

زما سوائے تو آنانکہ فارغ البال اند
بہ عالمے نہ فروشند ذوق تنہائی

کے علاوہ ایک طویل ترجیع بند بادشاہ کو لکھ کر بھیجا۔ اس کے چار بند یہاں بھی درج کئے جاتے ہیں[1] ؎

عاشقان ہمتے کہ کردام ساز
رخت بربستم از مقام نیاز

عارفان رحمتے ذراہِ کرم
کہ ندارم بجز شما ہمراز

واصلاں جذبۂ زعین رضا
تا شوم باشما دمے دمساز

ماھران التماس تکبیرے
کہ رہ سخت و منزلیست دراز

رہ صدق و صفا گرفتم پیش
میل مہر و فا نمودم باز

از مخالف ہمے کنم آہنگ
تا رسم با نواز راہ حجاز

ہمچو شمع ز جمعے دلداران
میروم با ہزار سوز و گداز

مرکبم ہمت است و عشق دلیل
ہمرہم آہ و نالۂ ام دمساز

چونکہ این منزل اقامت نیست
گوشیا مے کنم ہمیں آواز

بعد ازیں ترک گفت و شنود
کنج کوہ و عبادت معبود

---

[1] آپ کے اس بند اور چند ایک اور ترجیع بندوں کے اکثر اشعار کشمیر میں بطور وظیفہ پڑھے جاتے ہیں۔

منکه در اصل بوده ام عنقا — قلهٔ قاف داشتم ملجا
این زمان من به اصل خویش شوم — که به اصل است مرجع اشیا
کنج وحدت قرارگاه من است — زانکه کنج است کنج را ماوا
آمده بر طریق مهمانی — پنج روزے برین سپنج سرا
میزبانان دهر را دیدم — هر یکے خو ویان اژدرها
نوش ننهد بغیر نیشش به کس — بے سم دل نواله حلوا
چوں بدیدم براه معنی نیست — یا دل خسته گفتم اے شیدا
کامجویان کس نه سازم نوش — گر بمیرم بر سنج استغنا
کرده ام عهد و بسته ام پیمان — که به توفیق ایزد دانا

بعد زیں ویس ترک گفت و شنود
کنج کوه و عبادت معبود

آزمودم جهان و اهل جهان — آنچه هستند آشکار و نهان
همه در بند خویشتن مشغول — همه در کار خویشتن حیران
نے ترحم به حال غمزده — نے تکلف به لطف یا احسان
جمله در قصد خون یکدگراند — او فتاده چو موش در انبان
کارشان نے بغیر کذب — بارشان نے به خلق جز بهتان
هر کرا اگر میئے ز سر بینند — بر قدومش کنند سر قربان
گر بود کار سامری او را — مے بدانند موسی عمران
کس نگوید که این خران تا کے — جان دهید از برائے یک لب نان
روشنم گشت چوں حقیقت حال — بے دل و جان بگو به جانا جهان

بعد ازیں ویس ترک گفت و شنود
کنج کوہ و عبادت معبود

نہ نمودیم عجز خود باکس | نہ نشستہ سخوان کس چو مگس
بے طمع از در صغار و کبار | بے خصوصیت بہر کس و ناکس
نے خیالے بہ کار و بار جہاں | نے مجابے بہ جستجوئے ہوس
چوں یقین شد مرا کہ خلق زیاں | بہ جفایم کشادہ ہم چو جرس
گاہ بے گاہے گذر کند در دل | کہ چو خوردم چہ بردہ ام از کس
منکہ شہباز حضرتم بیات | چند باشد دگر بہ بند قفس
بگسلم بند و بشکنم زنجیر | باز رانم بہ آستانہ فرس
ہر کسے را بہ خویشتن کارے | من و سودائے یار دارم و بس

بعد ازیں ویس ترک گفت و شنود
کنج کوہ عبادت معبود

بادشاہ اور بیگم کو محمد امین کی ذات سے ملکی خدمات و فلاح کی بڑی بڑی تمنائیں تھیں۔ اس کے صوفیانہ طرز عمل اور اسکے اشعار کے مطالعہ سے سب خاک میں مل گئیں۔ لیکن با وجود ان باتوں کے بادشاہ کو آپ سے کمال محبت تھی۔ سال میں دو تین مرتبہ ان سے ضرور ملتے۔ کبھی کبھی میر اویسی خود بھی بادشاہ کے پاس چلے آیا کرتے تھے۔

زینہ لنک کے جشن شاہی کے واقعہ کے بعد مبینہ میں میر اویسی ناراض ہو کر چلے آئے تھے۔ اور جسکا ذکر زینہ لنک کی تعمیر کے دوران میں ہو چکا ہے۔ آپنے محلات رینچن شاہ میں جسکا نام محلہ بلچھر[1] بھی

---

[1] خبیہ: رینچن شاہ نے اسلام قبول کر کے اپنا نام ملک صدر الدین
(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

Marfat.com

ہے۔ رہنا اختیار کیا۔ کبھی کبھی موضع اشم میں بھی کئی کئی دن رہا کرتے تھے۔ جہاں آپ کے شیخ طریقت سیدؒ بلال کا قیام تھا۔ بادشاہ نے اشم میں بھی میراویسی کے لئے کئی عمارات تیار کرادیں۔

میراویسی بادشاہ کے گھر میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے باوجود نہایت درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لطیف طبع تھے۔ اور حسن ظاہری کے ساتھ حسن خلق بھی بے مثال تھا۔ باوجود غلبۂ حال و کمال اور علوم و افضال انکساری و نیازمندی پر فخر تھا۔ فرماتے ہیں ؎

گناہ ما زعدم گر نیامدے بہ وجود　　وجود عفو تو در عالم عدم مے بود

لیکن باوجود اس درویشی کے ان کے مکان پر دربان رہتا تھا۔ جب میراویسی حالت خاص میں ہوتے تھے۔ تو دربان اعلان کر دیتا تھا کہ میر باخداست۔ چنانچہ کوئی شخص ان کے پاس نہیں جا سکتا

بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ

بادشاہ کشمیر رکھا۔ اور اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی مسلمان ہوگئے۔ اور بادشاہ اور سید بلبل (بلال) شاہ نے جن کے ہاتھ پر رینچن شاہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ اسی علاقہ میں اپنے محلات و مکانات بنوائے تو ہندو نے ازراہ نفرت و حقارت اس محلہ کا نام ملیچھ مر رکھا۔ ملیچھ اس زمانہ میں ہر غیر ہندو کا نام تھا۔ اور مر بزبان کشمیری جگہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ محلہ کوہ عالی کدل سے کچھا نب شمال ہے۔ بلندی پر واقع ہے اس کو بلندی مر یعنی بلندی کی جگہ اور اب تھوڑے سے تغیر کے ساتھ بلدی مر کہتے ہیں۔

Marfat.com

تھا۔ جب وہ اعلان کرتا تھا۔ کہ میر با خدائے خود است۔ یعنی آپ مشاہدہ وحدت کثرت میں کرتے ہیں۔ تو لوگوں کو اندر آنے کی اجازت ہوتی تھی۔

جب حسن شاہ بادشاہ ہوا۔ تو سادات بیہقی کے ایک سید "حسین" نام کو کہ سید میر کسا میر بھی ان کو کہتے تھے۔ وزارت کا مرتبہ ملا۔ امرائے ملک نے ایک غیر ملکی کی اطاعت سے انحراف کیا۔ چنانچہ ایک شورش عظیم پیدا ہوئی۔ سید میر آویسی بھی ہر چند بادشاہ کے گھر کے تربیت یافتہ تھے۔ لیکن ان کے والدین بھی چونکہ سید تھے۔ اس لئے مخالفوں نے ان پر بھی اہل فتنہ و فساد کو مشورے دینے کا الزام لگایا۔ حالانکہ ان باتوں سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔

اس زمانہ میں سید میر آویسی سادات کی ایک جماعت کے ساتھ محلہ نوشہرہ میں رہتے تھے اشرار کی جماعت رات کے وقت آپ کے حجرہ میں گھس آئی۔ اور اپنی طرف سے ان کو شہید کرکے چلی گئی[1] لیکن ان میں ابھی جان باقی تھی۔ آپ نے اسی حال میں ایک شعر اور دو حسب ذیل رباعیاں بیان فرمائیں ؎

منم آں رند جہاں گرد مسیحا نفسے
کہ من این بر دو جہاں را نہ شمارم بہ خسے
اگر از عشق تو ام سر برود گو برود
ہرگز ایں سر نہاں تو نہ گویم بہ کسے

---

[1] فتوحات اکبر و بہ اور خواجہ اعظمی میں لکھا ہے۔ کہ آپ کے ساتھ جو دو اور سادات شہید کئے گئے تھے۔

Marfat.com

من فارغم ز مصلحت اہل روزگار
مے داں یقین کہ کشتن من بود بے گناہ

اکنوں بیا و شعر بخوان بر مزار من
تا روئے ظالماں ستمگر شود تباہ

صورت قبرم ز بعد مرگ ویران خوشتر است
نامرادے ہم چو من با خاک یکساں خوشتر است

تاریخ وفات کشتۂ کشمیر سنہ ۸۰۹ھ شہید شرع سنہ ۸۸۹ھ اور شہید عرش سنہ ۸۸۹ھ ہے۔ خوارق السالکین میں حسب ذیل شعر بھی درج ہے

رفت از جہاں فانی بیرون چو میر ویسی
گفتند سال وصلش مخدوم واصلین بود

۸۸۹ھ

مخدوم العرفاء شیخ حمزہ کاشمیری اپنے ابتدائی زمانہ سلوک میں مدت تک اس آستانہ پر حاضر ہوتے رہے ہیں۔ محلہ رینجن شاہ میں جس کو اب ملیاں لنگر کہتے ہیں۔ اور جو عالی کدل پر واقعہ ہے۔ آپکا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ بادشاہ کی زندگی میں جب آپ شہر میں ہوتے تھے۔ تو یہیں آپکا قیام ہوتا تھا۔ بادشاہ نے آپ کے لئے رباط بھی تیار کرا دی تھی۔ اور بادشاہ اور بیگم اسی رباط میں آکر آپ سے ملاقات کرتے تھے۔ آپکا مزار آپکی وصیت کے مطابق اسی رباط میں تعمیر ہوا۔ آپکے مزار پر آپکے آخری اشعار جو وصال کے وقت آپنے فرمائے تھے۔ درج ہیں۔

تمام شد

Marfat.com

سنہ ۱۹۸۴ میں گلشن پبلیشرز کی شاندار پیشکش

لل دید

ایک فنکار کی نظر میں

لل دید کی شاعرانہ عظمت سے بھرپور

قیمت ۱۲؍ روپے

Marfat.com

Marfat.com

گلشن پبلیشرز سرینگر کی مطبوعات

۱۹۹۳ — ۹۴

نمبر شمار	نام کتاب	مصنف	قیمت
۱	اردو کشمیری بول چال	مفتی محمد مقبول	۱۵/=
۲	مولانا سید ابوالحسن ندوی تعارف	پیرزادہ مقصود احمد	۲۵/=
۳	تلاش	میر محی الدین	۷/=
۴	کیڑے	ابن اسماعیل	۲۵/=
۵	رہنمائے معلمین اردو	ڈاکٹر دیواندر گپتا	۵۰/=
۶	اردو کی ادبی تاریخ	پروفیسر عبدالقادر سروری	۵۰/=
۷	شباب کشمیر	محی الدین فوق	۵۰/=
۸	جموں کشمیر کے گوجر	آر۔ آر۔ کھجوریہ	۳۵/=
۹	مختصر تاریخ کشمیر	محمد امین پنڈت	۲۵/=
۱۰	ایک چہرہ پرچھائیاں کا	ڈاکٹر شکیل الرحمن	۱۵/=
۱۱	نفسیات اور تعلیمی مسائل	عبدالاحد شاہ	۲۰/=
۱۲	کشمیر اور ڈوگرہ راج	فضل حسین	۶۰/=
۱۳	اقبال کی مابعد الطبعیات	عشرت حسین انور	۵۰/=
۱۴	گھر سے مسجد تک	سید محمد سید قادری	۴۰/=
۱۵	عشق رسول	ڈاکٹر محمد طاہر	۵۰/=
۱۶	ذکر حبیب مکمل سیٹ		۱۵۰/=
۱۷	تفسیر اقبال	بہار ان آبادی	۷۵/=
۱۸	تاریخ اقوام کشمیر مکمل سیٹ	محی الدین فوق	۲۲۵/=
۱۹	ارمغان شیدا	مرزا کمال الدین شیدا	۳۵/=
۲۰	خلاصۃ التواریخ	،،	۹۰/=
۲۱	اقبال اور نظریہ خودی	سید محمد سید قادری	۳۵/=
۲۲	کشمیری مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد	مرزا شفیق حسین	۲۰۰/=
۲۳	اردو طنز و مزاح	ابن اسماعیل	۱۰۰/=
۲۴	تعلیل و تاویل	ظہور الدین	۷۰/=
۲۵	ریاست جموں و کشمیر میں اردو ادب	حامدی کشمیری	۸۰/=
۲۶	ولی عہد	ڈاکٹر کرن سنگھ	۶۰/=
۲۷	سید میر علی ہمدانی	ڈاکٹر سیدہ اشرف ظفر	۵۰/=
۲۸	معارف غوث اعظم	شیخ عبدالقادر جیلانی رح	۵۰/=
۲۹	دست قضا	ابن اسماعیل	۸۰/=
۳۰	وسطی دور	ایس۔ ایم۔ الیاس	۲۰/=
۳۱	تصویر کشمیر	ڈاکٹر ایم۔ ایس۔ ناز	۱۸۰/=
۳۲	بہجۃ الاسرار		۷۰/=
۳۳	اردو کے تصنیفی و تالیفی ادارے	دیوندر گپتا	۷۵/=
۳۴	لال دید اردو	جیالال کیرو	۶۰/=
۳۵	اقبال اور فنون لطیفہ	ڈاکٹر شکیل [illegible]حمان	۷۵/=
۳۶	درد جگر	محمد شفیع محبوب	۴/=
۳۷	نظم و نسق مدرسہ و اصول تعلیم	عبدالاحد شاہ	۲۰/=
۳۸	تعلیم بالغان	محمد اقبال	۲۰/=
۳۹	رہبر بالغان	،،	۲۰/=
۴۰	اقبال ایک سیاستداں	محمد صدیق قریشی	۱۰۰/=
۴۱	چراغ حرم	ابن اسماعیل	۶۰/=

Marfat.com